اردو داستانوی ادب اور طلسم ہوشربا

تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ

مقالہ برائے ڈی. فل. ڈگری

آرٹس فیکلٹی

الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد

نگراں

پروفیسر شبنم حمید

صدر شعبۂ اردو

الہ آباد یونیورسٹی، پریاگ راج (الہ آباد)

مقالہ نگار

ناصحہ عثمانی

ریسرچ اسکالر

شعبۂ اردو الہ آباد یونیورسٹی، پریاگ راج (الہ آباد)

شعبۂ اردو

الہ آباد یونیورسٹی، پریاگ راج (الہ آباد)

۲۰۲۱ء

URDU DASTANVI ADAB AUR TILISM-E-HOSHRUBA

TANQEEDI AUR TAJZIATI MOTALIA

A THESIS SUBMITTED FOR THE DEGREE OF D.Phil. IN THE FACULTY OF ARTS UNIVERSITY OF ALLAHABAD

Under the Supervision of:

Prof. Shabnam Hameed
Head
Department of Urdu
University of Allahabad
Prayagraj (Allahabad)

Submitted By:

Naseha Usmani
Research Scholar
Department of Urdu
University of Allahabad
Prayagraj (Allahabad)

DEPARTMENT OF URDU
UNIVERSITY OF ALLAHABAD
PRAYAGRAJ (ALLAHABAD)
2021

موضوع کا خاکہ

داستانیں اردو کے کلاسیکی ادب کا قیمتی ترین سرمایہ ہے اس کا تعلق انسان کے فطری ذوق سے ہے جو اسے کہانی سننے سے ہوتا ہے۔اس کے ذریعہ سے ترویج زبان اردو کو بے پناہ فروغ ملا لیکن اردو نثر کے ابتدائی نقوش ہونے کے باوجود اردو میں داستانیں ہمیشہ بے توجہی کا شکار رہیں اور ان پر مافوق الفطری اور بے بنیاد باتوں پر مبنی ہونے کا الزام لگا حالانکہ مافوق الفطری باتوں سے دلچسپی انسان کی فطرت میں شامل ہے ورنہ ہیری پوٹر کے قصے اتنے مقبول نہ ہوتے زیر نظر مقالے میں اردو داستانوں کی اہمیت داستان امیر حمزہ اور بالخصوص داستان طلسم ہوشربا کے خصوصی حوالوں سے پیش کرنے کی ایک کاوش ہے۔فورٹ ولیم کالج کی داستان امیر حمزہ یک جلدی کے بعد غالب لکھنوی اور مطبع نول کشور کی آٹھ دفاتر پر مبنی طویل داستان امیر حمزہ شائع ہوکر مقبول خاص و عام ہوئی اس کا پانچواں دفتر طلسم ہوشربا ہے لیکن محمد حسین جاہ اور احمد حسین قمر کی جادو بیانی اور حسن تحریر سے یہ سب سے زیادہ مقبول ہوا اس لئے اشاعت میں بھی اسے اولیت حاصل ہوئی۔طلسم ہوشربا نے تاریخ داستان اردو پر غیر معمولی نقوش مرتب کیے اور کلاسیکی ہی نہیں بیسویں اور اکیسویں صدی کے اردو ادب پر بھی اس کے نمایاں اثرات نظر آتے ہیں۔ اپنے مقالے ''اردو داستانوی ادب اور طلسم ہوشربا تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ'' میں درج ذیل ابواب کے تحت ان خصوصیات کا جائزہ لینے کی کاوش کی کارفرمائی ہے۔

باب اوّل۔اردو میں فن داستان گوئی اور داستان نویسی کی روایت

اس باب میں قصّہ گوئی کا تعارف ، داستان نویسی اور داستانوں کے ابتدائی نقوش ،اردو کی ابتدائی داستانیں اور فورٹ ولیم کالج کے موضوع پر حقائق پیش کرتے ہوئے منتخب داستانوں ،عجائب القصص ،الف لیلہ ،بوستان خیال ،باغ و بہار ،فسانۂ عجائب وغیرہ کا مختصر تعارف دیتے ہوئے ان تمام داستانوں میں یکسانیت کے عناصر پیش کئے گئے ہیں۔

باب دوم۔داستان امیر حمزہ کے اردو تراجم

اس باب میں داستان امیر حمزہ کا تعارف پیش کرتے ہوئے مذکورہ داستان کے مختلف ترجموں کا تحقیقی جائزہ

پیش کرتے ہوئے چار دفاتر پرمبنی یک جلدی فورٹ ولیم کالج کا نسخہ اشک ،زبان و بیان کا نمونہ غالب لکھنوی کا نسخہ، مطبع نول کشور کے یک جلدی نسخہ عبداللہ بلگرامی کے ساتھ ۴۶ جلدی طویل سلسلے کا جائزہ لیا گیا ہے۔اوراس کے بعد داستان امیر حمزہ کے مقبول ترین دفتر طلسم ہوشربا کا مختصر تعارف ہے۔

باب سوم۔طلسم ہوشربا میں مافوق الفطری کردار وعناصر کی اہمیت

اس باب میں طلسم ہوشربا میں پیش کردہ مختلف مافوق الفطری عناصر کے حسن بیان کو متن کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے جس کے تحت ساحر اور سحر طرازیاں، مافوق الفطری عادات کے حامل انسانی کردار، بانہائے عیاری، نیم انسانی کردار طلسمی ریاستیں، طلسمی چرند، پرند، درند وغیرہ ،غیر مرئی اجناس مثلاً باغ، پہاڑ، ندیاں وغیرہ ، حجرۂ ہفت بلا اور دیگر عناصر کے حسن تخلیق کو سپرد قلم کیا ہے۔

باب چہارم۔طلسم ہوشربا کے طلسمی اور غیر طلسم کرداروں کا تجزیہ

کردار کسی بھی فکشن کی روح ہوتے ہیں اس کی کامیابی اور ناکامی کا دارمدار کرداروں کی تخلیق پر ہے۔طلسم ہوش ربا کی کامیابی اس کے کرداروں کی پرکشش تشکیل میں ہے ۔اس باب میں کرداروں کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کر کے متن کے حوالے سے ان کا تعارف پیش کیا گیا ہے جن میں امیر حمزہ اوران کا خاندان،،خاندان حمزہ میں نسوانی کرداروں کا فقدان، عیاران لشکر اسلام ،شریک اسلام ساحر اور ساحرنیاں،افراسیاب جادو اور حیرت جادو، خداوندلقا اور شیطان بختیارک، عیار بچیاں، اور طلسم کے دیگر ساحران کی حسن تخلیق کا تجزیہ ہے۔

باب پنجم۔طلسم ہوشربا کا سماجی مطالعہ

یہ باب طلسم ہوشربا کے سماج پر لکھنؤ کے تہذیبی اثرات کو نمایا کرتا ہے جس میں لکھنوی طرز کی مذہبی رسوم اور توہم پرستی ،طرز معاشرت ،زبان، محاورے اور پھبتیاں، عام طبقات کی عکاسی ،عیش وعشرت اور جشن کا ماحول کو سپرد قلم کرتے ہوئے طلسم کے سماج کی تاریخ کی مثالوں سے سے لکھنو سے مماثلت کی گئی ہے۔

باب ششم۔طلسم ہوشربا کی ادبی اہمیت

یہ آخری باب ہے جس میں طلسم ہوشربا کی داستانوں کے تمام دفاتر پر افضلیت نیز دیگر اصناف ادب پر داستان کے اثرات کی نشاندہی کے ساتھ اسکی مقبولیت کے اسباب تحریر کئے گئے ہیں نیز نثری ادب کی ترویج میں طلسم ہوشربا کی اہمیت اردو ادب میں بااقتدار عورتوں کی عکاسی اور زبان اور انداز بیان کو طلسم ہوشربا کی مقبولیت کی بنیاد گردانا ہے۔اوراسی وجہ سے اشاعت میں بھی طلسم ہوشربا کو دیگر تمام دفاتر پر اولیت حاصل ہے۔

☆☆☆

پیش لفظ

داستانیں اردو زبان و ادب کا ایک بیش قیمتی سرمایہ ہے اور زبان اردو کے فروغ اور ارتقا میں داستانوں کا سب سے اہم رول ہے کیونکہ عوام کے مابین اردو زبان کو مقبول بنانے میں داستان کو امتیازی حیثیت حاصل ہے ورنہ خصوصاً شمالی ہند میں تو فارسی کو ہی اظہار خیال کا آلۂ کار سمجھا جاتا تھا یہاں تک کہ اردو دیوان کے دیباچے وغیرہ بھی فارسی میں لکھے جاتے تھے۔ قیام فورٹ ولیم کالج کے بعد وہاں اردو کی ترویج و اشاعت کے لیے دوسری زبانوں سے اردو میں ترجمہ کا کام شروع ہوا تو سب سے زیادہ ترجمے داستانوں اور حکایتوں کے ہندوستانی زبان میں ہوئے۔ ان میں کثیر تعداد اردو میں داستانوں کے ترجموں کی تھی بالخصوص قصّہ چہار درویش کے ترجمہ باغ و بہار اور خلیل علی خاں اشک کے چار دفاتر پر مبنی یک جلدی داستان امیر حمزہ کے بعد اس سلسلہ میں مزید تیزی آئی اور انیسویں صدی کے نصف آخر تک پہونچتے پہونچتے سلسلۂ داستان امیر حمزہ کا قسط وار ۴۶ جلدی طویل سلسلہ شروع ہوا جو اوائل بیسویں صدی تک جاری رہا لیکن داستانوں پر آج تک تنقیدی نوعیت کے زیادہ کام نہیں ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر گیان چند جین اور شمس الرحمٰن فاروقی کی پُر مغز اور بسیط تصانیف نے لوگوں کو داستانوں کی جانب متوجہ ضرور کیا اور چند تصانیف داستانوں پر آئیں لیکن اردو کی دوسری اصناف کے مقابل داستان پر بہت کم کام ہوا ہے اور یہی سبب ''اردو کا داستانوی ادب اور طلسم ہوشربا (تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ)'' کے موضوع کے انتخاب کا ہے کیونکہ طلسم ہوشربا پر صرف تین مطالعے نظر آتے ہیں۔ اوّل ڈاکٹر راہی معصوم رضا کا گراں قدر مطالعہ اور دوم ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی کا طلسم ہوشربا: تنقید و تلخیص اور چند مضامین اور داستان امیر حمزہ پر سب سے اہم مطالعہ شمس الرحمٰن فاروقی کا پانچ جلدوں میں 'ساحری، شاہی، صاحبقرانی' ہے جس کی پانچویں جلد داستان دنیا حصہ دوم جون ۲۰۲۰ء میں منظر عام پر آئی اس میں انہوں نے طلسم ہوشربا کی ابتدائی چار جلدوں کا مطالعہ پیش کیا ہے جو محمد حسین جاہ کی تحریر کردہ ہیں۔

طلسم ہوشربا طویل داستانوں میں مقبول ترین داستان ہے اس کے سحر میں انسان اتنا گرفتار ہوتا ہے کہ اس میں گم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس مقالے میں داستان امیر حمزہ کا تعارف پیش کرتے ہوئے طلسم ہوشربا کی مختلف خصوصیات اور اہمیت کو ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مقالے کو چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تعارفی باب یعنی پہلے باب میں داستانوں کی تاریخ کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں داستان امیر حمزہ کے اردو تراجم کے سلسلوں پر خامہ فرسائی کی گئی اور نول کشور پریس کے ۴۶ جلدوں پر مبنی سلسلے کا تعارفی مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ان ۴۶ جلدوں میں طلسم ہوشربا کی خصوصی اہمیت پر گفتگو ہے۔ تیسرے باب میں طلسم ہوشربا کے مافوق الفطری عناصر کا تجزیاتی جائزہ لیا گیا ہے۔ چوتھے باب میں کرداروں کا تعارف رقم ہے۔ پانچواں باب جو سماجی مطالعہ کا ہے اور اس میں طلسمی سماج کی لکھنؤ کے سماج سے مماثلت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ چھٹے اور اختتامی باب میں طلسم ہوشربا کی ادبی اہمیت کے اسباب کی نشاندہی کرنے کی کوشش ہے اور آخر میں مجموعی تاثرات ہیں۔ زیر نظر مقالے میں طلسم ہوشربا کی نمایاں خصوصیات کو متن کے ذریعہ منظر عام پر لانے کی کوشش کارفرما ہے۔

تدریسی اور انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ اس پیچیدہ کام کو انجام دینا کار دشوار تھا لیکن ساتھیوں، دوستوں، بزرگوں، کالج کی سابق پرنسپل محترمہ ڈاکٹر ریحانہ طارق، موجودہ پرنسپل محترمہ ڈاکٹر یوسفہ نفیس اور موجودہ صدر شعبۂ اردو، الہ آباد یونیورسٹی محترمہ پروفیسر شبنم حمید کے متواتر اصرار نے ملازمت کی چوتھی دہائی میں مجھے ڈی۔ فل۔ کرنے پر آمادہ کر ہی لیا۔ سب سے پہلے شکر ہے اللہ سبحانہ تعالیٰ کا کہ دیر سے ہی سہی پر ہمیں اس نے مذکورہ مقالہ مکمل کرنے میں کامیابی عطا کی۔ میں صدر شعبۂ اردو الہٰ آباد یونیورسٹی اور میری نگراں محترمہ پروفیسر شبنم حمید صاحبہ کی جو کہ میری بڑی بہن کی طرح ہیں تہ دل سے ممنون و مشکور ہوں کہ انہوں نے شعبۂ اردو کی راندۂ درگاہ کو اپنی شاگردی میں قبول کیا۔ یہ انہیں کا فیضان ہے کہ یہ کام مکمل ہو پایا۔ انہوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی اور اپنی بے پناہ انتظامی مصروفیات کے باوجود میرے لیے وقت نکالتی رہیں اور اپنے مفید مشوروں سے نواز کر مقالے کو بہتر بنانے میں میری مدد کی ان کے احسان کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ حمیدیہ گرلس ڈگری کالج کی سابق پرنسپل ڈاکٹر ریحانہ طارق صاحبہ اور مینیجر صاحبہ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انہوں نے میرے اندر خدمت اردو اور فروغ اردو کے جذبہ کو پروان چڑھایا۔ موجودہ پرنسپل ڈاکٹر یوسفہ نفیس صاحبہ نے نہ صرف میری حوصلہ افزائی کی بلکہ تاریخ کی پروفیسر

ہونے کے ناطے اودھ کی تاریخ وتہذیب کے مسائل پر قدم قدم پر میری رہنمائی بھی کی۔حمیدیہ گرلس ڈگری کالج کے شعبۂ اردو کی میری ساتھی زرینہ بیگم جو میری چھوٹی بہن کی طرح عزیز ہیں اور میری شاگردہ بھی رہی ہیں ۔انہوں نے بھی مجھے اس کام کی تکمیل میں بہت تعاون دیا اور میری تدریسی ذمہ داریوں میں سہولت فراہم کی ان کے لیے دلی دعائیں۔اللہ ہمیشہ انہیں خوش رکھے۔میں اپنی شاگردہ اورحمیدیہ گرلس ڈگری کالج میں اردو کی گیسٹ فیکلٹی ڈاکٹر فرح ہاشم کی بھی احسان مند ہوں۔انہوں نے قدم قدم پر میری مدد کی ان کے لئے خوش آیند مستقبل کی دلی دعائیں۔میری عزیز شاگردہ اورالہ آباد یونیورسٹی کی شعبۂ اردو کی گیسٹ فیکلٹی سفینہ سماوی نے یونیورسٹی کی کاغذاتی تکمیل اور تگ و دو میں ساتھ دے کر میری بہت مدد کی ان کے لئے بھی خوش آیند مستقبل کی دلی دعائیں۔

مرحوم پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی کی محبتوں اورنوازشوں کا اگر ذکر نہ ہوتو بے حد احسان فراموشی ہوگی انہوں نے اپنی ذاتی لائبریری کے بیش قیمتی سرمایے اور نایاب کتابوں سے مستفیض ہونے کا صرف موقع ہی نہیں دیا بلکہ ان سے ہونے والی ملاقاتوں میں داستانوں پر تفصیلی گفتگو کر کے میری معلومات میں بیش بہا اضافہ کیے۔اللہ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے میں تہ دل سے ان کی احسان مند ہوں۔میں پروفیسر عبدالحق صاحب، پروفیسر ایمریطس ، دہلی یونیورسٹی اور پروفیسر اسلم جمشید پوری،صدر شعبۂ اردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی کی بھی شکرگزار ہوں کہ ان دو اشخاص کے مسلسل اصرار اور تقاضوں نے بھی کام کو جلدی ختم کرنے پر آمادہ کیا۔میں اپنے ہم سفر جناب زبید عثمانی اور بچوں انیقہ ،اریب،اسید اور اروما کی بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے خانگی ذمہ داریوں سے رہائی دی تاکہ اپنے تحقیقی کام کو پوری توجہ دے سکوں ورنہ کالج کی تدریسی اورانتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ یہ کام بہت دشوار تھا۔

آخر میں میں اپنی عزیز ترین شاگردہ شاذیہ غلام انصاری کو بے شمار دعاؤں سے شکریہ ادا کرتی ہوں کہ اگر وہ ہمہ تن انہاک سے مقالہ کی ٹائپنگ، پروف ریڈنگ وغیرہ بغیر قید وقت دیکھے نہ کرتی تو شاید میرے لیے یہ کام بہت دشوار ہوتا۔اللہ شاذیہ کو ترقی کی بلندترین منزلوں سے روشناس کرائے۔آمین۔

ناصحہ عثمانی
ریسرچ اسکالر شعبہ اردو
الہ آباد یونیورسٹی الہ آباد

فہرست

باب اوّل

اردو میں فن داستان گوئی اور داستان نویسی کی روایت

(۱) قصّہ گوئی کا تعارف
(۲) داستان نویسی اور داستانوں کے ابتدائی نقوش
(۳) اردو کی ابتدائی داستانیں اور فورٹ ولیم کالج
(۴) عجائب القصص
(۵) الف لیلہ
(۶) بوستان خیال
(۷) باغ و بہار
(۸) فسانۂ عجائب
(۹) داستانوں میں یکسانیت

قصہ گوئی کا تعارف

کہانی کہنا اور سننا انسان کا فطری ذوق ہے جس کی تسکین ابتدائے آفرینش سے آج تک انسان کسی نہ کسی شکل میں کرتا رہا ہے اور یہ کہانی ہر دور میں اپنی ہیئت تبدیل کرتی رہی۔ وہ فن جس کی ابتدا صدیوں پہلے قصہ گوئی کی شکل میں ہوئی تھی۔ اس نے رفتہ رفتہ اپنے اظہار کی صورتیں تبدیل کیں۔ قصّہ گوئی نئے پہلے اخلاقی نوعیت کی مختصر حکایات کی شکل اختیار کی۔ پھر رومانوی کہانیوں کی شکل میں ابھری اور بعد میں دونوں اصناف مل کر داستان گوئی کی شکل اختیار کر گئیں۔ چنانچہ داستان کی ابتدائی شکل ہمیں عہد قدیم کی قصہ گوئی میں ملتی ہے۔ جب انسان نے پہلے پہل حیوانی زندگی کو چھوڑ کر مہذب زندگی کی طرف قدم بڑھایا اور پہلے پہل بولنا سیکھا تو اپنے روزمرہ کے تجربات کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ شریک کرنے کے لئے اس نے رفتہ رفتہ ایک زبان کی تشکیل کر لی ہوگی۔ تہذیب کے ابتدائی دور میں انسان نے چھوٹے چھوٹے قبیلے بنا کر رہنا شروع کیا۔ شکار کرنا، کھانا، تفریح کرنا اور جنگلی جانوروں سے اپنی حفاظت کرنا انکے اہم مشاغل تھے۔ قیاس ہے کہ ان کے فرصت کے اوقات ان کے مہیم آمیز شکاری قصوں سے مزیّن ہوتے ہونگے۔ ان قصوں نے رفتہ رفتہ اپنے سننے والوں پر گرفت مضبوط کی ہوگی اور لوگوں کی توجہ اپنی طرف مرکوز رکھنے کے لئے قصہ گو اس میں دلچسپی کے عناصر پر کرنے لگے ہوں گے۔ اس دلچسپی کے عنصر نے قصوں کو حقیقت سے دور کر کے ایک خیالی دنیا میں پہونچا دیا ہوگا اور اب یہ قصے غیر معمولی انسانی تخئیل کی اختراع ہونے لگے اور اس طرح تہذیب کا یہی ارتقائی عہد قصہ گوئی کے فن کے ارتقاء میں معاون ہوا۔ خود حفاظتی، ضعیف الاعتقادی، جنگ، توہم پرستی، عشق اور جنسی جذبات قدیم انسانی زندگی کے خاص جزو تھے۔ اس لئے ابتدا میں یہ قصے سحر، بھوت پریت، لڑائی اور جنسی رجحانات پر ہی مبنی ہوتے ہونگے۔ دھیرے دھیرے قصہ گوئی انسانی زندگی کا اہم جزو بن کر زینہ بزینہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہونے لگی۔ آج بھی بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے اپنے بچپن میں اپنی نانی دادی سے ایسے قصے نہ سنے ہوں جو انہوں نے بھی اپنے بچپن میں اپنی نانی دادی سے سن کر اپنی یادداشت کے خزانے میں محفوظ کر لئے تھے۔ اور اس طرح زبانی قصے کا ایک سلسلہ ہے جس پر محض قیاس آرائیاں ہی

کی جا سکتی ہیں۔لیکن جب زبان نے تحریری شکل اختیار کر لی اور انسان نے لکھنے کا فن ایجاد کر لیا تو انہیں قصوں کو لکھا جانے لگا اور قصہ نویس اپنے غیر معمولی تخیل کی جولانیاں دکھانے لگا تو طوالت نے اسے داستان نویسی کی شکل دے دی۔ چنانچہ داستان کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ فراقؔ جیسا بیسویں صدی کا شاعر بھی داستان کو بطور استعارہ اپنی غزلوں میں استعمال کرتا ہے۔

تو ہے سر بسر کوئی داستاں ہے عجیب عالم انجمن
یہ نگاہ ناز زباں زباں یہ سکوت ناز سخن سخن
یہ نظر نظر کی فسوں گری یہ سکوت کی بھی سخن وری
تری آنکھ جادوئے سامری ترے لب فسانۂ نل دمن

فراقؔ کے قلم فکر سے نکلے یہ اشعار معاشرے میں داستانوں کی اہمیت ہی نہیں اس کی تہذیبی روایات کی بھی عکاسی ہیں۔غور طلب ہے کہ فراقؔ جس معاشرے میں سانس لے رہے تھے اور جو تہذیب ان کی نشوونما کر رہی تھی اسے داستانوں کے زوال کے دور سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ ترقی پسند تحریک کی بنیاد نے روایتی، تمثیلی اور رومانی ادب سے بیزاری پیدا کر دی تھی۔ ناول اور افسانہ نویسی کے دور میں داستانیں رو بہ زوال ہو رہی تھیں۔ ایسے دور میں فراقؔ جیسا شاعر اپنے محبوب کی مشابہت کے لئے داستان کا استعارہ اختراع کرتا ہے اور اس کی تشریح میں ایک الف لیلوی حسن کی ہئیت عکس پذیر ہو جاتی ہے تو ہمیں یہ قطعی طور پر ماننا پڑتا ہے کہ داستان کی مقبولیت کم نہیں ہوئی بلکہ داستان ایک اصطلاح بن گئی۔ دلچسپ پُرکشش اور رومانی قصے کی، نظر نظر کی فسوں گری جادوگرنیوں کے ان کرشموں کی یاد دلاتی ہے جب وہ فوج دشمن کو اپنے عشق کے جادو سے اپنا اسیر بنا لیتیں۔خصوصاً طلسم ہوشربا کی سرخمو، بہار اور مہرخ وغیرہ کی جن کے سارے جادو ان کے حسن میں پوشیدہ ہیں۔ دراصل حقیقت نگاری کی تحریک نے ذہنوں کو یہ باور کرایا کہ داستانیں محض بیکاری کا مشغلہ اور تضیع اوقات ہیں اور حقیقت پسند قاری کی دلچسپی حسن وعشق، سحر وساحری، عیاری وجعل سازی کے فرضی قصوں سے ختم ہوگئی ہے۔داستانیں ایک خیالی دنیا آباد کر کے انسان کو زندگی کی تلخیوں سے فرار کی راہ دکھاتی ہیں اور ترقی پسند ادب اسے زندگی کے مسائل سے نبرد آزما ہونا سکھاتا ہے۔لیکن بقول ناقدین جن داستانوں سے قاری ''بیزار ہو چکا تھا'' وہی

داستانیں جب ٹی۔وی۔پر سیریل کی شکل میں ناظرین کے سامنے آئیں تو بے حد مقبول ہوئیں۔ان کی مقبولیت عام اوران پڑھ لوگوں میں بھی یکساں طور پر تھی۔ملا نصر الدین کے قصوں سے شروع ہو کر مافوق الفطری عناصر پر مبنی ہندی ناول ’چندر کانتا‘ پر بنے ٹی۔وی۔سیریل کی مقبولیت پھر یکے بعد دیگر طلسم ہوشربا، داستان امیر حمزہ، الف لیلہ ولیلہ، حاتم طائی وغیرہ کی ٹی۔وی۔ناظرین میں بچوں سے بوڑھوں تک میں مقبولیت داستانوں کی افسانوی اہمیت کی عکاس ہیں۔یہ مقبولیت کسی ڈرامے اور ناول پر بنے سیریل کو نہیں حاصل ہوئی۔ظاہر ہے اس مقبولیت کا سبب حقیقت طرازی نہیں بلکہ مافوق الفطری عناصر حسن و عشق کی رومان پرور داستانوں کی پیش کش ہی تھی۔ چنانچہ اس غلط فہمی کا ازالہ ہو جاتا ہے کہ داستانیں کیونکہ مافوق الفطری عناصر اور غیر حقیقی قصوں پر مبنی ہیں اس لئے نئے دور میں زوال پذیر ہو گئیں۔دراصل آج کے لوگوں نے داستانیں پڑھنا نہیں بلکہ پڑھنا ہی کم کر دیا ہے اگر داستانیں کوئی نہیں پڑھتا تو کتنے ضخیم اور تاریخ ساز ناولوں کو لوگ پڑھتے ہیں۔قرۃ العین حیدر، عبداللہ حسین، شوکت صدیقی، جیلانی بانو، عزیز احمد، سریندر پرکاش وغیرہ کے ضخیم ناول کتنے لوگ پڑھتے ہیں۔ظاہر ہے اچھے اور معیاری ادب کو پڑھنے والے کچھ مخصوص طبقے کے لوگ ہیں آج بھی جو اچھے ناول لکھے جا رہے ہیں وہ اسی مخصوص پڑھے لکھے دانشور طبقے کے لئے ہیں جو ان پر تنقیدیں لکھتے ہیں۔سنجیدہ قاری نے ہمیشہ معیاری ادب پسند کیا اور وہ آج بھی اچھا ادب پڑھنا ہی پسند کرتا ہے۔عام لوگ داستانوں کے عہد میں بھی داستانیں سنتے تھے، پڑھتے اس وقت بھی نہیں تھے ہاں یہ بات یقیناً درست ہے کہ اب اس طرح کی داستانیں تخلیق کرنا مشکل ہے تو آج میرؔ و غالبؔ جیسی غزل گوئی اور اقبالؔ کے پائے کی نظمیں لکھنا بھی مشکل ہے۔ماحول کی تبدیلی، زبان پر محدود گرفت، مطالعہ کی کم مائیگی خصوصاً فارسی اور عربی کی کم علمی میں اس طرح کے ادب کی تخلیق ممکن ہی نہیں جس طرح کی مشاقی، زبان دانی اور تخیل آرائی کی داستانیں متقاضی ہیں۔داستانوں کی اساس تمام تر فارسی اور عربی روایات پر قائم ہے ایسے میں ان دو زبانوں کی معلومات اور الفاظ پر غیر معمولی قدرت کے بغیر داستان کے پائے کی تخلیق ناممکن ہے۔میرؔ و غالبؔ اگر چاہتے بھی تو فردوسیؔ کے شاہنامے کے پائے کے رزمیہ کی تخلیق نہیں کر سکتے تھے کہ اس کے لئے اس طرز تہذیب اور طریق رزم آرائی سے واقف ہونا ضروری تھا اور وہ فردوسی کا ہی حصّہ تھا۔تخلیق اور بات ہے

اور مقبولیت اور چیز۔ اگر داستان امیر حمزہ کے مکمل آٹھ دفتر (۴۶ جلدیں) ٹی۔ وی۔ پر پیش کی جائیں تو ناظرین اس سے بالکل بیزار نہیں ہونگے۔ کیونکہ انسان کی تہذیبی نفسیات آج بھی وہی ہے جو پچھلے وقتوں میں تھی فرق صرف اتنا ہے کہ اس وقت لوگ کھا پی کر پان اور افیم کی ڈبیہ لیکر داستان سننے پہونچتے تھے آج یہ دلآویز داستانیں انہیں رموٹ کا بٹن دبا کر گھر پر ہی حاصل ہو جاتی ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو داستانوں سے الگ ہٹ کر بھی جو سیریل ٹی۔ وی۔ پر دکھائے جا رہے ہیں ان میں داستان کے کون سے جز نہیں ہوتے؟ حسن اور عشق کی سحر طرازیاں، معشوق کی خاطر کچھ بھی کر گزرنے کا جذبہ، ویلن کی عیاریاں، مار پیٹ چال بازیاں، حسن کی بے حجابیاں اور کرشمے، ناچ رنگ کی محفلیں، قید و بند کی صعوبتیں، جان لینا اور جان دینا، دوسروں کا مال دھوکے سے حاصل کرنا، متعدد بار شادیاں کرنا وغیرہ بھی تو داستانوی خصائص ہیں۔ اب رہی مافوق الفطری عناصر کی بات تو مرنا اور پھر زندہ ہو جانا، دوسرا جنم ہونا، پچھلے جنم کی باتوں کا یاد آنا، روح کا آنا اور ڈرانا یا مدد کرنا، بھوت پریت کی قصوں میں موجودگی، آتما کا مردہ جسم سے نکل کر دوسروں کے جسم میں داخل ہونا، تانترک کی قصوں میں موجودگی وغیرہ کیا یہ مافوق الفطری عناصر نہیں ہیں جن کو بنیاد بنا کر بنے سیریل کی بھرمار ہے اور یہ بے حد مقبول بھی ہیں۔ یہاں تک کہ بچوں کے پروگرام بھی مافوق الفطری طاقتوں (Super Power) سے مبرا نہیں رہتے۔ سپرمین (Super Man) شکتی مان، اسپائڈر مین (Spider Man) اور ہیری پوٹر کی جادوئی نگری اور اس کی بے پناہ مقبولیت اس بات کی دلیل ہیں کہ مافوق الفطری عناصر سے انسان کی دلچسپیاں آج بھی کم نہیں اور عام لوگوں کی پسند آج بھی وہی ہے جو کل تھی بس شکل ذرا بدل چکی ہے۔ کل سامع تھا آج ناظر ہے۔ داستانیں قاری کے لئے نہیں سامع کے لئے تخلیق کی جاتی تھیں اور راوی کی اہمیت مصنف سے زیادہ تھی۔ چنانچہ فنِ داستان گوئی میں ہی داستانوں کی مقبولیت کا راز پنہاں ہوتا تھا۔ عام لوگ اس وقت بھی پڑھتے نہیں سنتے تھے۔ لیکن ایسی دلپذیر صنف ادب کے ساتھ اردو کے ادب نواز طبقے نے انصاف نہیں کیا۔ چنانچہ ہنوز داستانوں پر بہت کام کرنے کی ضرورت ہے اگرچہ جناب شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کی ''ساحری، شاہی، صاحبقرانی'' نے اس صنف کی سب سے اہم سریز داستان امیر حمزہ پر بیحد پر مغز تحقیق کی ہے لیکن ہنوز اور لوگوں کی بھی توجہ اس طرف مبذول کرانے کی ضرورت باقی ہے۔

داستان نویسی اور داستانوں کے ابتدائی نقوش

اردو داستانوں کی تاریخ بہت طویل نہیں۔ اس کے عروج و زوال کی داستان صرف ایک صدی میں ہی سمٹی ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام سے قبل جو داستانیں اردو میں لکھی گئیں انھیں بہت مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ عطا حسین خاں تحسین کی 'نوطرز مرصع' پہلی مقبول نثری داستان ہے جو کہ قصہ چہار درویش پر مبنی ہے۔ اس سے قبل بھی اردو میں قصہ چہار درویش کا ترجمہ ہو کر گمنامی کے پردے میں گم ہو چکا تھا کہ وہ فارسی طرازی کا دور تھا۔ فورٹ ولیم کالج میں تحریر شدہ داستان باغ و بہار (۱۸۰۱ء) جو کہ تحسینؔ کی 'نوطرز مرصع' کی سلیس اور آسان شکل تھی، کے منظرِ عام پر آتے ہی اردو میں داستانوں کی اہمیت میں اضافہ ہوا۔ ادھر فورٹ ولیم کالج میں ہی خلیل علی خاں اشکؔ نے اردو میں داستان امیر حمزہ تحریر کر کے داستانوں کی مقبولیت میں خاطر خواہ اضافہ کیا یہ داستان چار دفاتر پر مبنی ایک جلد میں تھی۔ داستان گوئی اس وقت تہذیب کا ایک اہم حصّہ بنی ہوئی تھی امرا اور رؤسا اپنی استطاعت کے مطابق اپنے یہاں داستان گو کو ملازم رکھ کر داستان سنتے تھے اور عام لوگ چوراہوں پر داستانیں سننے کا اہتمام کر لیتے تھے۔ اردو میں داستان امیر حمزہ کی مقبولیت نے اردو کے دیگر مراکز میں بھی داستان نویسی کا شوق پیدا کر دیا۔ رامپور، کلکتہ، دلی اور لکھنؤ اس وقت اردو کے اہم مراکز تھے لکھنؤ میں مطبع نول کشور کے مالک داستانوی ادب کے رسیا اور داستانوں کے دلدادہ تھے۔ انہوں نے غالب دہلوی کی تحریر کردہ داستان امیر حمزہ از سرِ نو تحریر کرا کے اپنے مطبع سے چھپوایا اس کے کئی ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گئے تو انھوں نے اس کی مقبولیت کا اندازہ کر کے داستان نویسوں کو ملازم رکھ کر داستان امیر حمزہ تحریر کروانا شروع کیا۔ یہ سلسلہ ۱۸۸۱ء سے تقریباً ۱۹۱۷ء تک چلتا رہا۔[۱] داستان امیر حمزہ کے اس طویل سلسلے کو بھی بے حد مقبولیت حاصل ہوئی اور بیسویں صدی میں یہ داستان اتنی مقبول رہی کہ اس کے سارے ایڈیشن ختم ہو گئے۔ مطبع خدا بخش نے داستان امیر حمزہ کے دفتر طلسم ہوشربا کا نیا ایڈیشن ۱۹۸۸ء میں شائع کرایا یہ آٹھویں ایڈیشن کا عکسی ایڈیشن ہے۔[۲]

---

[۱] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۶۸۴ تا ۶۸۵، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

[۲] طلسم ہوشربا، جلد اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم، ششم، ہفتم (اندرونی کور)، از محمد حسین جاہ و احمد حسین قمر خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

ان داستانوں میں تقریباً ایک جیسی باتیں اور قصوں کی تکرار ہے۔ حمزہ مرے تو حمزہ ثانی پیدا ہو گئے عمرو عیار مرے تو عمرو عیار ثانی پیدا ہو گئے اور کہیں کہیں تو ثلث تک نوبت آ گئی۔ یہ نسخے اتنے مقبول تھے کہ پڑھے لکھے ہی نہیں عام گھروں میں بھی یہ داستانیں موجود رہتی تھیں۔ بوستانِ خیال، عجائب القصص، فسانۂ عجائب وغیرہ اپنے وقتوں کی تہذیبی زندگی کی بہت خوبصورت ترجمان ہیں۔ داستانوں کی بے پناہ مقبولیت میں چھپی ہیں وہ تہذیبی روایات جو دورِ قدیم سے ہی ہندوستانی معاشرے کا حصہ ہیں اور تہذیب کا یہ رُخ جو ہمیں قدیم داستانوں میں نظر آتا ہے کہیں نہ کہیں آج بھی ہمارے معاشرے میں موجود ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم اسے اس تناظر میں نہیں دیکھتے۔ وہاں کالا دھاگہ، کالا ٹیکا اور سرخ مرچ سے نظر اتاری جاتی تھی آج کے کاروباری زمانے میں ریڈیمیٹ سرکشا کوچ موجود ہیں یعنی جن مافوق الفطری بیانات و اعتقادات پر داستانوں کے لغو ہونے کا حکم صادر کیا جاتا تھا وہ آج کے جدید دور میں بھی موجود ہیں آج بھی پڑھے لکھے گھرانوں تک میں اکثر یہ سننے کو مل جاتا ہے کہ ''نظر لگ گئی ہے''، ''کچھ اوپری فساد ہے''، ''فلاں جگہ جن رہتے ہیں''، ''اندھیرا ہونے کے بعد بال کھلا چھت پر نہ جاؤ'' وغیرہ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھونک جھاڑ کرنے والے 'نجومی' تانترک اور پنڈتوں کی تجارت بھولے بھالے عوام کو لوٹ نہ رہی ہوتی۔ انسان کی نفسیات آج بھی وہی ہے جو پہلے تھی فیشن نے اس کی زندگی کے معیار بدل دئے لیکن اس کے کمزور عقیدے نہیں بدلے۔ بلّی کے راستہ کاٹنے سے اور بائیں آنکھ پھڑکنے سے وہ آج بھی ڈرتا ہے۔ برے خواب دیکھنے پر آج بھی صدقہ دیا جاتا ہے تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سائنس اور اکیسویں صدی نے انسان کی نفسیات بدل دی ہے یعنی مافوق الفطری روایات، رسم و رواج کافی حد تک آج بھی وہی ہیں جو پہلے رائج تھے۔ انسانوں کے ان کچّے عقائد کا ذکر سبھی داستانوں میں موجود ہے۔ بوستان خیال میں اس طرح کے عقائد جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ موجودہ دور میں بھی کسی کا ذکر کرنے پر اس کا آ جانا لمبی عمر کی علامت مانا جاتا ہے۔ شادی کے پہلے آج بھی کنڈلیاں دیکھی جاتی ہیں اور نجومیوں اور اختر شناسوں کے بغیر اس وقت بھی نام رکھنا اور شادی کا رشتہ طے کرنا ممکن نہیں تھا۔ فسانۂ عجائب میں جانِ عالم کی پیدائش کے وقت بھی نجومی اور رمال بلائے گئے۔

ابھی تک کی تلاش میں تحریری قصہ کا سراغ قدیم مصر میں ملتا ہے۔ مصر کی تہذیب دنیا کی قدیم

ترین تہذیب سمجھی جاتی ہے۔ وہاں تحریر کا فن تقریباً چار ہزار سال قبل مسیح دریافت کرلیا گیا ہے۔ فضل حق قریشی[۱] کے مطابق دنیا کا سب سے پہلا افسانہ شاہ فاخری (۴۸۰۰ قبل مسیح) کے عہد کا ہے اس کا مسودہ ۳۴۰۶ قبل مسیح کا ہے۔ تین ہزار سے دو ہزار قبل مسیح میں گل گامش[۲] کی داستان کئی رزمیہ نظموں میں بیان کی گئی ہے۔ سبطِ حسن نے گل گامش کی مکمل داستان دسمبر ۱۹۶۱ء سے مئی ۱۹۶۲ء کے نقوش لاہور میں شائع کرائی ہے۔ مصر میں ۲۳۰۰ قبل مسیح میں کشتی شکستہ[۳] ملاح کی کہانی لکھی گئی۔ اس عہد کا دوسرا اہم تاریخی قصہ سِنو ہا[۴] کا ہے۔ بارھویں تیرھویں صدی میں مصر میں لاتعداد کہانیاں ملتی ہیں۔ پروفیسر عبدالقادر سروری[۵] ۱۴۰۰ قبل مسیح کے ایک افسانے کو قدیم ترین کہتے ہیں۔ فلسطین اور اس کے نواح میں بھی ۱۰۰۰ قبل مسیح سے پہلے قصے لکھے جانے لگے تھے۔ اس کے علاوہ سبھی مذاہب کی مقدس کتابوں میں بھی لاتعداد قصوں کے نمونے ملتے ہیں۔

ہندوستانی تہذیب بھی کافی قدیم تہذیب ہے۔ دوسری روایتوں کی طرح قصہ گوئی کی روایت بھی یہاں عہد قدیم سے ہی نظر آتی ہے۔ وید، برہمن، اپنشد، مہابھارت، گیتا وغیرہ میں لاتعداد چھوٹے چھوٹے قصے شامل ہیں۔ پروفیسر ونٹرنٹز[۶] کے مطابق ویدک ادب ڈھائی اور دو ہزار قبل مسیح میں شروع ہو کر ۱۰۰۰ قبل مسیح میں مکمل ہوجاتا ہے اور اس سے ہندوستان میں داستانوی ادب کی عمر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۲۴، (بحوالہ کتھا ساگر از فضل حق قریشی ساقی جولائی ۱۹۳۶ء)، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

۲۔ اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۲۴، (بحوالہ کیمبرج اینشینٹ ہسٹری جلد اوّل ص ۲۸۲ طبع دوم)، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

۳۔ اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۲۵ (بحوالہ کیمبرج اینشینٹ ہسٹری جلد اوّل ص ۲۲۶)، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

۴۔ اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۲۵، (بحوالہ کیمبرج اینشینٹ ہسٹری جلد اوّل ص ۲۲۷)، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

۵۔ اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۲۵، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

۶۔ اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۲۵ بحوالہ (A History Of Indian Literature Vol.1927) اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

دوسری زبانوں کی طرح ہندوستان میں بھی قدیم افسانوی ادب کی دو روایتیں ملتی ہیں۔جن میں ایک طرف تو رومانوی حکایتیں ہیں دوسری طرف عشقیہ رومان۔پنچ تنتر، بودھ جاتک، پورانک کتھائیں وغیرہ ہندوستان کے قدیم افسانوی ادب کے بہترین نمونے ہیں اور آج تک مقبول ہیں۔یہ قصہ گوئی کی ترقی یافتہ شکلیں ان کا ایک لمبا سلسلہ ہے اور جیسا کہ ابتدا میں لکھا جا چکا ہے۔یہی قصے داستانوی ادب کے ارتقا میں معاون ہوئے۔

کس طرح کے افسانوی ادب کو داستان کہنا چاہئے اور کون سی ایسی بات ہے جو داستان کو قدیم حکایتوں اور رومانی قصوں سے الگ کرتی ہے۔کلیم الدین احمد کا قول ہے۔

''داستان کہانی کی طویل پیچیدہ اور بھاری بھرکم صورت ہے۔''[1]

داستان کے فن پر کافی تبصرہ کرنے کے بعد پروفیسر گیان چند جین جس نتیجے پر پہونچے ہیں اسے یہاں مختصراً نقل کر دینا مناسب ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''معلوم ہوتا ہے ایسا کوئی رشتہ نہیں جو تمام داستانوں کو منسلک کرتا ہو ان میں یک رنگی نہیں بوقلمونی ہے۔پھر بھی ہم داستانوں کو حکایتوں یا جدید ناولوں سے الگ شناخت کر سکتے ہیں۔یعنی ہمارے ذہن کے کسی گوشے میں اس صنف کے خدوخال کا کوئی نہ کوئی شعور یقیناً موجود ہے۔مغرب میں داستانوں کو رومانس کہا جاتا ہے۔یہ کلیدی لفظ ہی داستانوں کی کماحقّہ نشاندہی کرتا ہے۔داستان ہمیشہ رومانی اور غیر اصلی ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔۔رومانی داستانوں میں ایک خیالی دنیا خیالی واقعات کا بیان ہوتا ہے۔اس پر تخیل کا رنگین قرمزی بادل چھایا رہتا ہے اس میں کوئی فوق فطری مخلوق نہ بھی ہو تب بھی اس میں جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں وہ حقیقی سے زیادہ تخئیلی ہوتے ہیں۔فوق الفطرت کی تحیر خیزی حسن وعشق کی رنگینی، مہمات کی پیچیدگی لطف بیان انہیں عناصر سے داستان عبارت ہے۔ایک دل کو اٹکا لینے والی کیفیت اور اس کے بعد ایک فرحت وآسودگی کا احساس داستان اور داستان گو کا تحفہ ہے۔''[2]

---

[1] اردو زبان اور فن داستان گوئی از کلیم الدین احمد، ص ۳۰، ادارہ فروغ اردو، امین آباد پارک، لکھنؤ، ۱۹۶۵ء

[2] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۴۸ تا ۴۹، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

اس اقتباس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مغربی رومانس اور داستان ایک ہی چیز ہے لیکن کیونکہ ابتدا میں اردو والے مغربی ادب سے نا آشنا تھے۔ اس لئے دیگر ابتدائی اردو اصناف کی طرح داستانوں نے بھی قدیم مغربی رومان سے کوئی اثر نہیں لیا بلکہ عربی فارسی اور ہندوستانی ادب اسے متاثر کرتے رہے۔ ان داستانوں میں رومانوی فضا کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اردو ادب ابتدا سے ہی رومان پرور رہا۔ چنانچہ اردو شاعری کا آغاز غزلوں کی رومان پرور فضا سے ہوا تو مثنوی میں عشق و عاشقی کی داستانیں نظم ہوئیں۔ دوسری اصناف میں بھی کسی نہ کسی شکل میں رومانیت کو برقرار رکھا گیا۔ ایسے میں جب نثر کا آغاز ہوا تو انہی جانوروں کی ناصحانہ حکایتوں سے زیادہ رومانی کہانیوں کی فضا راس آئی۔ انہوں نے داستان کی طرف قدم بڑھایا اور نثر میں شاعری کرنے لگے۔ اس وقت تک سنسکرت اور دوسری ہندوستانی زبانوں میں لاتعداد مختصر اور طویل داستانیں لکھی جا چکی تھیں۔ گناڈھیہ کی برہت کتھا[1] کے ترجمے سوم دیو کی کتھا سرت ساگر (۱۰۸۱ء۔ ۱۰۶۳ء)[2] شک پتی[3] جو توتا کہانی کی اصل ہے لکھی جا چکی تھی ان میں فطری اور فوق فطری ہر طرح کی کہانیاں ہیں۔ بارھویں صدی سے چودھویں صدی کے درمیان بیتال پچیسی اور سنگھاسن بتیسی لکھی گئی۔ یہ سبھی کہانیاں مافوق الفطری قصوں کو بنیاد بنا کر لکھی گئیں ہیں اور مختلف کہانیوں کو ایک بنیادی کہانی کے ذریعہ جوڑ دیا گیا ہے۔ ان قصوں کے علاوہ سنسکرت میں بڑے بڑے نثری رومان بھی کثیر تعداد میں لکھے گئے۔ جن کا پلاٹ بیشتر مافوق الفطری عناصر پر مشتمل ہوتا تھا۔ نادیدہ عشق اور ایک نظر کا عشق تقریباً ہر قصے کی بنیاد ہوتی تھی جو کہانی کے ارتقا میں مدد کرتی تھی۔ ان قصوں کے ہیرو ہیروئن راج کمار اور راجکماری ہوتے تھے اور عشق کے ہاتھوں مجبور ہو کر طرح طرح کے مصائب برداشت کرتے۔ والدین کی دل شکنی کرتے بلکہ اکثر ان سے بغاوت کرتے اور جب تکمیل آرزو تک پہونچتے تو

---

[1] (اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۳۸، (بحوالہ History Of Sanskrit Lit. By Keith ص ۲۸۱)، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

[2] (اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۳۸، (بحوالہ History Of Sanskrit Lit. By Keith ص ۲۸۱)، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

[3] (اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۳۸، (بحوالہ History Of Sanskrit Lit. By Keith ص ۲۸۱)، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

کوئی غیر متوقع واقعہ ظہور پذیر ہوتا۔ ملے ہوئے پھر بچھڑ جاتے اور نئے سرے سے مصائب کا آغاز ہوتا پھر کوئی مافوق الفطری کردار دیو جن یا پری ان کی مدد کرتا۔ غیب سے کوئی کرشمہ ہوتا اور کہانی کے طربیہ کا خاتمہ ہو جاتا۔ اردو میں بھی اس طرح کے مرکزی پلاٹ کی داستانیں موجود ہیں اور ان پر شعوری یا غیر شعوری طور پر ان ہندوستانی کہانیوں کا اثر ضرور پڑا ہوگا۔

ہندوستانی کہانیوں کے علاوہ عربی اور فارسی داستانوں سے اردو داستانوں نے براہ راست اثر لیا۔ عرب میں ایام جاہلیت میں ادب کے فروغ کے بہت مواقع فراہم تھے۔ ایک طرف تو شعروشاعری کا بول بالا تھا۔ قصیدہ گوئی کو خاص مقبولیت حاصل تھی۔ دوسری طرف داستان گوئی کا فن ترقی کر رہا تھا۔ مشہور قول ہے داستان گوئی زوال آمادہ سماجی نظام کا شوق ہوتا ہے۔ جب لوگ عیش وعشرت کی زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں انہیں کوئی کام نہیں ہوتا ہے تو وہ داستان گوئی کو سامان عیش سمجھتے ہیں اور اپنے فرصت کے اوقات داستان سن کر بسر کر دیتے ہیں۔ عرب کے دور جاہلیت کا ماحول کچھ ایسا ہی تھا۔ رات کو لوگ ریت پر اکٹھا ہو جاتے اور قصے سناتے۔ عہد اسلام میں خلفائے عباسیہ کے عہد میں داستان گوئی بہت مقبول ہوئی۔ عربی کے مشہور قصوں میں الف لیلہ ولیلہ، مآتہ لیلہ، الفرج بعد الشدّہ وغیرہ ہیں[1] فارسی قصوں سے اردو نے سب سے زیادہ اثر لیا۔ اکثر اردو داستانیں، فارسی قصوں کا ترجمہ ہیں۔ ایرانیوں کا تخیل فوق الفطری فضا میں بہت بلند پروازی کرتا ہے۔ حالانکہ زیادہ تر مشہور فارسی داستانیں ہندوستان میں ہی تصنیف ہوئیں۔ مشہور زمانہ منظوم داستان شاہنامہ اور منثور داستان امیر حمزہ ہندوستان میں ہی تصنیف ہوئیں۔ شاہنامہ میں اکثر مافوق الفطری کردار و واقعات ہیں۔ عربی داستان الفرج اور بعد الشدہ کا بھی فارسی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ پنچ تنتر کا سب سے مشہور ترجمہ ایران میں نظامی گنجوی نے پنج گنج یا کلیلہ و دمنہ کے نام سے کیا اس کے علاوہ گلستاں، اخلاقِ محسنی، بہارستان وغیرہ مختصر حکایتوں کے مجموعے ہیں۔ سترھویں صدی میں اصفہان[2] کے ایک درویش نے ہزار و یک روز لکھا۔ ان کے علاوہ ہفت سیر حاتم، گل بکاولی قصہ چہار درویش، بوستان خیال، گل وصنوبر وغیرہ داستانیں اپنے زمانے کی مشہور داستانیں ہیں۔

[1] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۴۰، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

[2] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۴۰، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

جن سے اردو والوں نے براہِ راست استفادہ کیا ان سبھی داستانوں میں قصوں کا مرکزی خیال مافوق الفطری عناصر کے گرد چکر کاٹتا ہے۔ سبھی داستانوں میں شر پر خیر کو فتح ملتی ہے۔ برائی کا انجام برا ہوتا ہے۔ کہانی کا ہیرو ہمیشہ نیک اور خیر کا مجسمہ ہوتا ہے۔ اس میں غیر معمولی طاقت ہوتی ہے۔ وہ بڑی سے بڑی طاقت کو زیر کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ دیو اور جن وغیرہ پر بھی ان کو فتح حاصل ہوتی ہے۔ ان سبھی میں کرداروں کا کوئی تدریجی ارتقا نہیں ہوتا۔ جو برا ہے وہ شروع سے آخر تک برا ہے جو اچھا ہے وہ ہمیشہ اچھا ہے اور کسی قیمت پر کوئی غلط کام نہیں کر سکتا۔ ہر فن میں ماہر ہوتا ہے۔ فارسی اور سنسکرت قصوں میں ایک فرق ہے کہ سنسکرت قصے جہاں عوامی زندگی اور عام جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ وہیں فارسی قصے کیونکہ رؤسا اور بادشاہوں کے شغل ہوا کرتے تھے۔ اس لئے یہ عام انسان اور عوامی زندگی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ پروفیسر گیان چند جین کا قول ہے کہ:

''داستان گوئی سنانے کا فن ہے لکھنے کا نہیں۔''[1]

یعنی داستان کا داستان گوئی سے وہی رشتہ ہے جو ڈرامے کا اسٹیج سے۔ جس طرح ڈراما لکھتے وقت اسٹیج کی پابندیوں اور ضروریات کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ اسی طرح داستان لکھتے وقت سامعین کے مذاق کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ اس لئے داستان کو صرف ایک تصنیف کی حیثیت سے نہیں دیکھ سکتے بلکہ داستان گوئی کے لوازمات کے نقطۂ نظر سے اس میں دلچسپی کے عناصر کا ہونا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا اس فن کی ابتدا ہی سنائے جانے کے غرض سے ہوئی اور داستان گوئی بذاتِ خود ایک فن بن گیا۔ آج اس فن کا کوئی پرسانِ حال نہیں اس کے باوجود داستان گوئی کا ذکر آتے ہی سبھی اردوداں حضرات کی زبان پر میر باقر علی داستان گو کا نام آجاتا ہے یہ قبولِ عام اس وقت داستان گوئی کے فن کی اہمیت کی دلیل ہے۔ اس دور میں جبکہ اہلِ دربار اور ہر امیر ایک داستان گو کو باقاعدہ اپنی خدمت کے لئے مامور کرتا تھا۔ کسی مخصوص داستان گو کو ایسا نام حاصل ہو جانا اس کے فنی معراج کا ثبوت ہے اور ساتھ ہی ساتھ داستان گوئی کی مقبولیت کی دلیل بھی ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب میں قصہ گوئی کا رواج بہت عام تھا۔ سامر (داستان گو) شام کے

---

[1] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۱۰۰، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

کھانے کے بعد چاندنی راتوں میں بڑے دلفریب انداز میں داستان بیان کرتا اور لوگ ریت پر بیٹھ کر سنتے اور داستان ختم ہونے پر اجرت میں اسے کھجوروں کا ایک حصّہ دیا جاتا[1] (شہناز انجم نے اپنی تصنیف ادبی نثر کا ارتقا میں عبدالقادر سروری کا دنیائے افسانہ سے ایک حوالہ پیش کیا ہے جس میں عربی روایت کا ذکر ملتا ہے۔)

''داستان گوئی قدیم فن ہے۔عربوں اور ایرانیوں کے یہاں بھی اس کا رواج تھا۔ عرب داستان کو سمر کہتے تھے اور داستان گو سامر کہلاتے تھے کیونکہ چاندنی راتوں میں لوگ جمع ہو کر قصے اور داستانیں کہا کرتے تھے۔۔۔۔۔۔یہ فن ایرانیوں کے ذریعہ ہند میں پہونچا اور محمد شاہ رنگیلے کے زمانے میں اس کی ترقی عروج و کمال کو پہونچ گئی۔''[2]

ہندوستان میں داستان گوئی کا رواج سب سے زیادہ لکھنؤ، دلی، رامپور اور حیدر آباد میں ہوا۔ میر باقر علی داستان گو کے نانا امیر علی قلعے میں قصے سناتے تھے۔ باقر علی کے ماموں کاظم علی نے اس فن میں لکھنؤ اور حیدر آباد کے داستان گویوں سے بھی زیادہ ترقی کی[3] رامپور میں داستان گویوں کو بہت عزت ملی اور بہت سے داستان گو رامپور چلے گئے۔ لکھنؤ سے حکیم اصغر علی اور میر نواب رامپور چلے گئے۔ لکھنؤ میں مرزا طور اور بڑے منشی میر فدا علی مشہور داستان گو تھے[4] اس دور میں داستان گوئی کی اہمیت کا اس سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب میں نے داستان طلسم ہوشربا کی جلدیں تلاش کرنی شروع کیں تو ایک صاحب جن کا تعلق کم تعلیم یافتہ گھرانے سے تھا انہوں نے بتایا کہ ان کے پاس ہے۔ یہی نہیں انہوں نے طلسم ہفت پیکر کی ایک جلد مجھے لا کر دی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے دادا داستان گو تھے جو دائرہ شاہ اجمل کے پھاٹک پر داستان سنایا کرتے تھے۔ قصہ گوئی کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخوا میں پشاور کا ایک مشہور بازار ہے جس کا نام قصہ خوانی بازار اس لئے ہے کہ

[1] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص۴۰، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

[2] ادبی نثر کا ارتقا از شہناز انجم، ص۱۰۷، پرنٹ سیٹ، نوائڈا (غازی آباد) ۱۹۸۵ء

[3] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص۹۸، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

[4] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص۱۹۸ اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

یہاں پر ایک زمانے میں قصہ گوئی کا رواج بہت عام تھا۔

داستانیں ایک طرف تو داستان گو کے لئے ذریعۂ معاش بن گئیں تو دوسری طرف امرا اور رؤسا کے لئے راہ فرار بھی۔ جب انسان اپنی حقیقی زندگی میں بے عمل اور بے بس ہو جاتا ہے تو وہ ایک طرح کی فرار کی راہ تلاش کرتا ہے جہاں وہ وقتی طور پر ہی سہی تلخ حقائق کو فراموش کر سکے۔ ہندی ادب میں بھگتی کال اسی راہ فرار کی شکل ہے جبکہ ہندوستان پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا تھا۔ ہندوستانی بادشاہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپس میں ہی لڑتے رہتے تھے اور عوام و خواص میں بے عملی کی حکومت تھی۔ ایسے میں کویوں نے تصوف کی گود میں پناہ لی اور اس مادی دنیا سے رشتہ توڑ لیا۔ مسلمانوں میں یہ صورت حال انگریزوں کے تسلط کے بعد ظاہر ہونے لگی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ہندوستان پر باضابطہ حکومت ہونے کے بعد ہندوستانی بادشاہ و نواب انگریزوں کے ہاتھ کی کٹھپتلیاں بن کر رہ گئے تھے۔ سیاسی حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ ہندوستانی عوام کے قویٰ مضمحل ہو چکے تھے وہ کسی طرح کا عملی نمونہ تو پیش نہیں کر سکتے تھے۔ ترقی کی راہ میں وہ انگریزوں سے بہت پیچھے تھے۔ اس لئے انگریزوں سے نبرد آزما ہو نہیں سکتے تھے۔ ایسے میں اگر ان کو ہر طرح کی دنیاوی دولت میسر بھی آ جاتی تو بھی دماغی سکون حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ دل مضطرب لیکن کچھ کرنے کی اہلیت کا فقدان ایسے میں دل بہلانے کے لئے داستان کی فضا بہت سازگار ثابت ہوئی جو کچھ وہ عملی دنیا میں نہیں کر سکتے تھے داستانوں میں بآسانی کر لیتے تھے۔ بقول آغا سہیل:

> ''۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے ادبا کے ایک طبقہ کو جو راہ سجھائی وہ سحر اور طلسمات کی خیالی قوتوں کی راہ تھی۔ عوام الناس کے اذہان کی آسودگی بھی انہی طلسمات میں تھی کیونکہ یہ طلسمات بہت سی مہمات کی کنجی تھے اور تمام تر امیدوں کے مرکز تھے۔۔۔۔۔۔۔۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ معاشرے کو جتنی شدت سے اپنی ہزیمت کا احساس ہے اتنی ہی شدت سے اس کا انتقامی جذبہ ابل رہا ہے اور سحر و طلسمات کے ذریعہ حریف پر قابو پا پا کر تسکین حاصل کر رہا ہے۔''[۱]

[۱] دبستان لکھنؤ کے داستانی ادب کا ارتقا از ڈاکٹر آغا سہیل، ص ۴۲، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء

داستان گوئی ایک طرف تو نفسیاتی تسکین کا باعث تھی دوسری طرف غم روزگار سے فرار رات کے وقت داستان گو پرلطف انداز میں داستان گوئی کا آغاز کرتا اور سامعین اپنے سارے مصائب بھول کر ہمہ تن گوش ہو جاتے نارنج و ترنج چلتے اور جب ہیرو کوئی فتح حاصل کرتا تو گو یا انہیں فتح حاصل ہوتی۔ داستان گو ایک ایک افسانوی موڑ پر سامعین کے ذوق کا لحاظ رکھتا اور مستقل سامعین کی توجہ کو اپنی طرف مرکوز رکھتا۔ 'فن داستان گوئی' میں کلیم الدین احمد محفل داستان کا نقشہ یوں پیش کرتے ہیں۔

> ''لکھنؤ سے بڑھکر داستان گوئی کا چرچا اور کہیں کم ہوگا۔ بیس پچیس یاران صادق اور دوستان موافق شب کے وقت کہ پردہ دار عاشقاں ہے۔ ایک مقام پر جمع ہوئے کوئی گنا چھیل رہا ہے۔ کوئی پونڈے پر چاقو تیز کر رہا ہے۔ جابجا پیالوں میں افیون گھل رہی ہے۔ حقیقت تو یوں ہے کہ افیون کا گھولنا اور گنے کا چھیلنا بھی لکھنؤ والوں کا ہی حصّہ ہے۔ کہیں چائے تیار ہو رہی ہے اور داستان گو صاحب بہ لحن داؤدی فرما رہے ہیں۔۔۔۔۔ ایک ایک فقرے پر سبحان اللہ اور واہ واہ کی تعریف ہوتی جاتی ہے اور داستان گو کا دماغ عرش بریں سے گزر کر لامکاں کی خبر لاتا ہے۔''[۱]

وہ ادبی صنف جس کا تعلق اس طرح کی محفلوں سے ہو اس کی تصنیف کرتے ہوئے اس پر آداب محفل کے اثرات بھی ضرور پڑے ہونگے اور پھر آج کے معیار ادب پر جب ان کو پرکھا جاتا ہے تو اسے مہمل قرار دے کر داستان کے ساتھ ناانصافی کی جاتی ہے۔ ہر ادب کو اس کے دور کے سماجی اور تاریخی پس منظر میں دیکھنا چاہیئے۔ دردؔ کے تصور، میرؔ کے غم اور غالبؔ کی فلسفیانہ شاعری میں جب ہم سماجی اثرات ڈھونڈھتے ہیں ان کے موضوع میں کوئی بے عملی نظر نہیں آتی، ان کی مایوس کن شاعری ہمیں حقیقت سے دور نہیں لے جاتی تو پھر داستان کا جائزہ لیتے وقت داستان گوئی کے لوازمات کو بھی بر سر نگاہ رکھنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ اردو داستان نویسی کا ایک مقصد زبان اردو کو عام رواج دینا بھی تھا۔ فارسی ایک زمانے سے ہندوستانی فضا پر چھائی ہوئی تھی اور اسی زبان میں حکومت کے کام ہوتے تھے اور کوئی اہل ذوق اردو کو قابل اعتنا نہیں سمجھتا تھا۔ شاعری میں تو کسی طرح اردو نے اپنا مقام بنالیا تھا لیکن نثر میں ۱۸ ویں صدی کے خاتمہ تک اس طرف کوئی توجہ نہیں ہوئی تھی۔ ایسے ماحول میں جبکہ

[۱] اردو زبان اور فن داستان گوئی از کلیم الدین احمد، ص ۱۸، ادارہ فروغ اردو، امین آباد پارک، لکھنؤ، ۱۹۶۵ء

غالبؔ جیسا خود دار شاعر اپنی اردو شاعری کو نقش بے رنگ کہہ رہا ہو جس نے آج اسے عالمی شہرت دی۔ اردو نثر کا آغاز داستانوں سے ہوا ظاہر ہے دلچسپی کا قائم رکھنا اس کا لازمی جزو بن گیا تا کہ زبان اردو کو قبول عام دیا جا سکے۔ ایسے میں ایسی زبان کو لکھنے کی ضرورت پیش آئی جو فارسی کی جگہ لے سکے۔ اس لئے داستانوں میں زبان کی جولانیاں دکھائی جانے لگیں اور داستان نویس کی توجہ قصے سے زیادہ زبان و بیان کی خوبیوں پر رہتی تھی۔ لکھنؤ اور دلی کی داستانوں میں وہاں کی زبان کی مقامی خصوصیات دیکھی جا سکتی ہیں۔ فورٹ ولیم کالج میں لکھے گئے سارے قصے زبان سیکھنے اور اردو زبان کو قبول خاص و عام دینے کی غرض سے لکھے گئے اور یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر قصے ترجمہ ہیں۔ جو قصے طبع زاد ہیں بھی ان کا بھی مرکزی پلاٹ تقریباً وہی ہے جو دوسری داستانوں کا۔ مافوق الفطری عناصر ان سبھی داستانوں کا لازمی جزو ہیں۔ خیر کو شر پر فتح ان سبھی داستانوں میں حاصل ہوتی ہے اور یہ داستانیں ایک سحر آمیز اور لطیف فضا سے آشنا کرانے کے ساتھ ہی ساتھ ایک مخصوص قسم کی تہذیبی فضا کی عکاسی بھی کرتی ہیں۔ بقول وقار عظیم:

> ''جس طرح غزل ہمارے مشرقی مزاج اور اس مزاج کے اکثر نازک اور پیچیدہ پہلوؤں کا عکس ہے۔ اسی طرح داستانیں ہماری تہذیبی زندگی اور اسکے بے شمار گوشوں کی مصور و ترجمان ہیں۔ جس طرح غزل کے حرف حرف میں ہمارے ساز دل کی ہر جھنکار اور اس شیشہ کی ہر کھنک سنائی دیتی ہے۔ اسی طرح داستان کی ہر سطر میں تقریباً ڈیڑھ سو برس کی معاشرت، تہذیب اور انداز فکر و تخیل کا رنگ صاف جھلکتا اور چھلکتا نظر آتا ہے۔ غزل اور داستان دونوں ہماری داخلی اور خارجی زندگی کی بڑی دلکش تصویریں ہیں۔''[1]

چونکہ یہ داستانیں ادبی سرمائے سے زیادہ بیانیہ روایت ہیں اس لئے ان میں بیانیہ پہلوؤں کو نظر میں رکھ کر ہی داستان کی تخلیق ہوتی ہے اور سامعین کی توجہ کو اپنی طرف مرکوز رکھنے کی پوری کوشش کی جاتی تھی۔ داستانوں کا کیوں کہ کوئی منظّم پلاٹ نہیں ہوتا تھا اس لئے قصے میں تکرار اور طوالت کی بہت گنجائش ہوتی تھی۔ اس کے نمونے کے لئے صرف داستان امیر حمزہ اور بوستان خیال جیسی طویل داستانیں ہی کافی

[1] پیش لفظ، ہماری داستانیں از وقار عظیم، ص۵، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس سوئیوالان، نئی دہلی، ۱۹۸۰ء

ہیں۔ داستانوں کے درمیان بہت سے موقعوں پر سامعین کا شوق اور تجسس برقرار رکھنے کیلئے داستان گو کسی موقع پر قصے کو روک کر بیان کو طوالت دیتے تھے کسی کی شادی یا جنگ کے کسی موقع پر جب سامعین پھر کیا ہوا؟ کے مشتاق ہوں ایسے میں داستان گو اپنی زبان کے جوہر دکھانا شروع کر دیتا تھا شاید وہ سامعین کی نفسیات سے واقف تھا کہ وہ پورا قصہ سنے بغیر چھوڑ بھی نہیں سکتے تھے۔ داستان کی طوالت اور سامعین کے اشتیاق کے حوالے سے ڈاکٹر ابن کنول نے ڈاکٹر اجمل اجملی کے حوالے سے ایک قصے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

> ''کہا جاتا ہے کہ لکھنؤ کے کسی امیر کے یہاں ایک داستان گو قصہ گوئی کے لیے ملازم تھا۔ وہ ایک داستان بیان کر رہا تھا کہ جس میں کسی شہزادے کی برات کا ذکر تھا کہ برات سسرال کے دروازے تک پہونچ چکی ہے اسی دوران داستان گو کو کسی اشد ضروری کام سے باہر جانا پڑ گیا امیر کے کہنے پر داستان گو داستان سنانے کے لئے اپنے شاگرد کو مقرر کر گیا اور اس سے کہہ گیا کہ جلد واپس آؤں گا تم داستان کو سنبھالے رکھنا داستان گو پندرہ دن بعد جب لوٹ کر واپس آیا تو معلوم ہوا کہ برات ابھی وہیں کھڑی ہے جہاں وہ چھوڑ کر گیا تھا یعنی شاگرد نے پندرہ دن برات کی شان وشوکت اور سسرال والوں کے خیر مقدمی کے انتظامات کے ذکر میں گزار دئے شاگرد کے پندرہ دن کے بیان کے بعد استاد نے مزید پندرہ دن برات کی آرائش وزیبائش کو بیان کر کے برات کو دروازے پر کھڑا رکھا۔''[1]

گویا تکرار وطوالت، زبان وبیان کے جوہر، حسن وعشق کا بیان مافوق الفطری کردار وواقعات اردو داستانوں کے خاص وصف ہیں۔ جن داستانوں میں مافوق الفطری کردار نہیں ہیں وہاں بھی انسانی کرداروں سے جو واقعات سرزد ہوتے ہیں وہ غیر فطری ہیں۔

اردو کی ابتدائی داستانیں اور فورٹ ولیم کالج

اردو زبان کا ادب اولاً منظوم رہا ہے۔ لہٰذا ابتدائی داستانیں بھی مثنوی کی شکل میں منظوم داستانیں

[1] داستان سے ناول تک از ابن کنول، ص۱۴، بھارت آفسیٹ پریس، دہلی۔ ۶، ۲۰۰۳ء

ہیں کیونکہ اولاً تو نثر کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی پھر جب لکھنا شروع بھی کیا تو مذہبی باتیں ہی نثر میں بیان کی گئیں۔

''اردو کے قدیم ترین نثر پاروں کے ضمن میں حضرت عین الدین گنج العلم کے مذہبی رسالوں کا ذکر ملتا ہے۔لیکن ان کا کوئی نمونہ دستیاب نہیں۔۔۔۔۔۔سید محمد بندہ نواز گیسودراز سے بھی کچھ رسالے منسوب کئے جاتے ہیں جن پر بعض محققین نے بوجوہ شبہات کا اظہار کیا ہے۔''[1]

اس کے بعد ارتضیٰ کریم فضلی کی کربل کتھا اور دیگر مذہبی کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے میر محمد عطا حسین خاں تحسین کی نوطرز مرصع (۱۷۷۵ء) کو شمالی ہند میں ترتیب دی جانے والی اردو کی پہلی داستان تسلیم کرتے ہیں۔ گیان چند جین بھی اسے ۱۷۷۵ء کی تصنیف مانتے ہیں۔ دکن میں کچھ قصے اور مختصر داستانیں ملتی ہیں۔سب رس کے علاوہ کچھ مختصر حکایتوں کے مجموعے بھی ملتے ہیں۔توتا کہانی، سنگھاسن بتیسی، بیتال پچیسی وغیرہ ہیں جن میں کہیں نہ کہیں مافوق الفطری عناصر ہونے کی وجہ سے انہیں داستانوں کے ابتدائی نقوش مانا جا سکتا ہے۔لیکن ان کہانیوں میں داستانوں کا ایک خاص جز حسن وعشق موجود نہیں ہے۔ان چھوٹے چھوٹے قصوں کو اردو داستانوں کے نثری سرمائے کے ابتدائی نقوش کے طور پر مانا جا سکتا ہے لیکن یہاں بھی داستان نویسی کے فن نقطۂ نظر سے بھی بات پوری نہیں ہوتی کیونکہ داستانوں کے نام پر جو مسحور کن فضا چاہئے وہ یہاں مفقود ہے جبکہ داستان لکھنے سے زیادہ سنانے کا فن ہے۔ یہ ایک مخصوص قسم کی تہذیبی وراثت کا نمونہ ہے جہاں داستان گو داستان کا مرکزی نقطہ ہے اس کی کامیابی صرف قصے کے اتار چڑھاؤ پر نہیں بلکہ سنانے والے کے لب ولہجہ پر بھی منحصر ہے کہ وہ سامعین کی توجہ کو کتنی دیر تک اپنی طرف متوجہ رکھ سکتا ہے۔ اس لحاظ سے شمالی ہند میں لکھی گئی داستانیں ادبی اور فنی نقطۂ نظر سے زیادہ اہمیت کی حامل ہو جاتی ہیں۔شمالی اور دکنی داستانی روایت کے بیچ داستان امیر حمزہ کا سلسلہ داستانوں کی سب سے اہم کڑی ہے۔ جس کی تفصیل الگ باب میں لکھی جائیگی۔شمالی ہند میں داستان کے تین بڑے مرکز تھے دلی، رامپور اور لکھنؤ جہاں منشی نول کشور کے پریس نے داستان کے فروغ میں بہت اہم

[1] عجائب القصص: تنقیدی مطالعہ از ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، ص ۳۶ تا ۳۷، ز لالہ پبلی کیشنز، دہلی، ۱۹۸۷ء

کردار ادا کیا۔ شمالی ہند میں اردو کی پہلی سب سے اہم داستان نوطرز مرصع [1] میر محمد عطا حسین خاں تحسین نے اس وقت لکھی تھی جب شمالی ہند میں اردو نثر کا باقاعدہ رواج عام نہیں ہوا تھا۔ یہ فارسی کے اثر سے بہت دور نہیں ہے۔ اس کی عبارت میں تکلف اور تصنع نظر آتا ہے۔ یہ قصہ چہار درویش کا اردو ترجمہ ہے اس کے بعد قصہ ملک محمد گیتی افروز مصنف مہر چند مہر اور شاہ عالم ثانی کی عجائب القصص بھی قابل ذکر ہیں جس میں دلی کی شاہی تہذیب کے مرقعے اکثر جگہ نظر آتے ہیں۔ عجائب القصص کے طرز بیان کے بارے میں ارتضیٰ کریم لکھتے ہیں:

> ''عجائب القصص میں بول چال کی زبان ملتی ہے مولانا ذکاء اللہ صاحب کی رائے ہے کہ اسکی عبارت چہار درویش سے کم نہیں ہے۔ سچ ہے اٹھارویں صدی عیسوی میں عجائب القصص جیسی نثر دوسری تصنیف یا تالیف میں نظر نہیں آتی۔'' [2]

اردو نثر اور اردو داستانوں کا دور عروج اس وقت آیا جب انگریزوں نے ہندوستانی زبان سے شناسائی حاصل کرنے کے لئے کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کی بنیاد رکھی اور مشہور ہندوستانی قصوں اور فارسی عربی کی مشہور داستانوں کو آسان اردو میں ترجمہ کر دیا۔ یہ ترجمے اس لحاظ سے بھی زیادہ اہم ہیں کہ ان کے ذریعہ آسان اور سلیس اردو کا رواج عام ہوا۔ اس کی وجہ اس کا بنیادی مقصد تھا انگریزوں کو ہندوستانی زبان کی تعلیم دینا۔ لہٰذا یہاں سلیس اور سادہ عام فہم زبان کو ترجیح دی گئی اور داستانی ادب کا سرمایہ سب سے زیادہ اسی کالج کے زیر نگرانی فروغ پایا اور کالج میں متعدد اہم داستانوں کو سادہ سلیس اردو میں منتقل کیا گیا۔ ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کی بنیاد پڑی اور ۱۸۰۱ء میں میر امن کی باغ و بہار منظر عام پر آئی جو قصہ چہار درویش کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ داستان عطا حسین تحسین کی نوطرز مرصع کو سامنے رکھ کر لکھی گئی۔ داستان کا قصہ بالکل ایک ہے صرف زبان کی سلاست اور روانی میں باغ و بہار کو فضیلت حاصل ہے۔ ان دونوں داستانوں کی یکسانیت یہاں تک ہے کہ ان کے ضمنی قصے بھی وہی ہیں۔ جس طرح کی تہذیب اور مافوق الفطری عادات و خصائل کا ذکر نوطرز مرصع میں ہے تقریباً ویسا ہی باغ و بہار میں بھی ہے۔ فرق صرف یہ

---

[1] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۲۰۰، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

[2] عجائب القصص: تنقیدی مطالعہ از ارتضیٰ کریم، ۴۷، ز الالہ پبلی کیشنز، دہلی، ۱۹۸۷ء

ہے کہ زبان زیادہ سلیس ہونے کی وجہ سے باغ و بہار کو مقبولیت اور شہرت زیادہ نصیب ہوئی۔

فورٹ ولیم کالج میں خلیل علی خاں اشک نے داستان امیر حمزہ کے ترجمے کئے۔ داستانوی نوعیت سے یہ ترجمے بہت اہم ہیں کیونکہ اس میں داستان گوئی کے اہم جز موجود ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے فن داستان گوئی میں یہ ایک اہم کارنامہ ہے۔ اگر چہ بعد میں داستان امیر حمزہ کے زیادہ ترقی شدہ ترجمے شائع ہوئے۔ اشکؔ کی دوسری داستان قصہ نگارخانۂ چین ہے۔ فورٹ ولیم کالج میں ہی حیدر بخش حیدری نے 'قصۂ مہر و ماہ'، 'قصہ لیلیٰ مجنوں'، 'توتا کہانی'، 'گلزار دانش' اور 'آرائش محفل' تخلیق کیں۔ 'آرائش محفل' حیدری کی سب سے مشہور داستان ہے۔ نہال چند لاہوری کی 'مذہب عشق' گل بکاؤلی کے قصے پر مبنی داستان ہے۔ میر بہادر علی حسینی نے گلکرسٹ کی فرمائش پر ۱۸۰۳ء میں 'نثر بے نظیر' لکھی۔ بنی نرائن نے بھی کچھ قصے تصنیف کئے۔ اس کے علاوہ للولال نے 'لطائف ہند'، مظہر علی خاں ولا نے 'ہفت گلشن'، 'گل و صنوبر' باسط خاں وغیرہ نے کچھ چھوٹی چھوٹی حکایتیں لکھیں۔ نرائن ہند نے ایک داستان 'افسانۂ جان و دل' عرف قصہ چہار باغ تصنیف کیا۔ یہ فورٹ ولیم کالج کی ملازمت نہیں کرتے تھے۔ انشاء نے دو داستانیں 'سلک گہر' اور 'رانی کیتکی کی کہانی' لکھ کر داستانی ادب میں گراں بہا اضافہ کیا۔ فورٹ ولیم کالج کے ہی عہد میں کچھ سنسکرت اور ہندی کے قصے بھی اردو میں منتقل کئے گئے جن میں بیتال پچیسی، سنگھاسن بتیسی، مادھونل کام کندلا، توتا کہانی اور کلیلہ و دمنہ کے ترجمے شامل ہیں۔ زرّیں نے بھی چہار درویش کے قصے کو تصنیف کیا لیکن اس پر فارسی طاری رہی[1] فورٹ ولیم کالج میں تصنیف شدہ داستانوں میں باغ و بہار سب سے اہم داستان ہے۔ اگر چہ اس داستان کا قصہ بالکل وہی ہے جو تحسین کی نوطرز مرصع کا ہے لیکن طرز ادا کی سلاست نے باغ و بہار کو جو اہمیت دی وہ فورٹ ولیم کالج میں تصنیف کردہ کسی داستان کو حاصل نہیں ہوئی۔ فورٹ ولیم کالج نے ایک طرف تو اردو زبان کو فروغ عام دینے میں کارہائے نمایاں انجام دئے تو دوسری جانب فن داستان نویسی کی روایت کو عام کرنے کے لئے دوسرے فنکاروں کو بھی اس فن کی جانب راغب کیا۔ دلی میں تو داستان گوئی کی روایت پہلے سے موجود تھی۔ ۱۹ویں صدی میں لکھنؤ میں بھی داستان کو فروغ عام حاصل ہوا۔ میر امن نے باغ و بہار کے دیباچہ میں دلی والوں کے صاحب زبان ہونے کا

---

[1] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۲۹۹، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

دعویٰ کیا تو جواباً رجب علی بیگ سرور کے قلم نے اپنی جولانی دکھائی اور فسانۂ عجائب منظر عام پر آئی۔ان کی انشا پردازی اور زبان کے جوہر نے لکھنوی داستانوں کو بام عروج پر پہونچایا۔لیکن باغ و بہار (۱۸۰۱ء) اور فسانۂ عجائب (۱۸۲۵ء) کے درمیانی وقت میں بھی کئی داستانیں تصنیف ہوئیں جس میں مہجور کی 'انشائے گلشن نو بہار' خاص ہے جس میں مافوق الفطری عناصر حسن و عشق وغیرہ سبھی کچھ ہے۔'انشائے نورتن' ان کی دوسری تصنیف ہے[۱] لیکن لوازمات داستان نویسی کے نقطۂ نظر سے لکھنؤ کی سب سے اہم داستان رجب علی بیگ سرور کی 'فسانۂ عجائب' ہے۔جس میں حسن و عشق رزم و بزم پری و دیوزاد کے علاوہ جو چیز سب سے زیادہ اپنی طرف متوجہ کرتی ہے وہ داستان کی رواں دواں لکھنوی تہذیب ہے۔اس میں لکھنؤ کے بانکے بھی نظر آتے ہیں اور وہاں کے چوک بازار بھی بات بات پر جملے بازی کرنے والے لوگ بھی اور حسن کے جادو چلاتی جادوگرنی بھی۔لہٰذا اس داستان کو صرف اپنے دور میں ہی نہیں پورے داستانی ادب میں خاص مقام حاصل ہوا۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ اردو کی پہلی طبع زاد داستان ہے۔ سرور کی دوسری اہم داستان 'شگوفۂ محبت' ہے اگر چہ اس کو فسانۂ عجائب کی سی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ یہ داستان مہر چند کھتری کی قصہ ملک محمد وگیتی افروز سے مستعار ہے[۲] اس داستان میں بھی تہذیبی اور شاہی مرقع نظر آجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ 'گلزار سرور' اور 'شبستان سرور رجب علی بیگ سرور کی دوسری داستانیں ہیں۔

باغ و بہار اور فسانۂ عجائب نے داستانی ادب میں جو روایت قائم کی ان پر دو اہم داستانیں فخر الدین حسن سخن کی سروش سخن (۱۸۵۹ء)[۳] اور جعفر علی شیون کی طلسم حیرت وجود میں آئیں اور لکھنؤ میں داستان گوئی کے ساتھ داستان نویسی کا رواج بھی عام ہونے لگا[۴] ان کتابوں میں کہیں نہ کہیں سرور کی تقلید موجود ہے۔

---

[۱] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۵۰۰، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

[۲] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۵۶۰، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

[۳] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۵۸۱، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

[۴] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۵۹۵، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

داستان کی کڑیوں کے تین بہت اہم سلسلے ہیں داستان الف لیلہ اور داستان امیر حمزہ اور بوستان خیال جو کہ صرف ایک داستان نہیں ہے ایک تہذیبی وراثت ہے۔ اس کے علاوہ مختصر داستانوں میں باغ و بہار اور فسانۂ عجائب خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ اولیت کے پیش نظر عجائب القصص اور نوطرز مرصع کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ کچھ مقبول داستانوں کا مختصر تعارف پیش ہے۔

الف لیلہ ولیلہ

داستان نویسی کے سلسلے کی ایک اہم کڑی الف لیلہ ولیلہ کے اردو ترجمے ہیں۔ یہ ایک ہزار ایک قصوں پر مبنی ہے جن میں ہر قصہ انفرادی حیثیت کا مالک ہے لیکن یہ قصے ایک دوسرے سے جس طرح جڑے ہیں ان سے ہی داستان اور شہرزاد کی زندگی وابستہ ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی ٹاڈاراف کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> ''الف لیلہ میں گفتگو کا عمل ایک ایسی تعبیر حاصل کرتا ہے جس کے باعث اس کی اہمیت کے بارے میں کسی قسم کا شک باقی نہیں رہ سکتا۔ اگر الف لیلہ کے سب کردار مسلسل قصہ کہتے رہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عمل کو ایک اعلیٰ ترین تقدیس حاصل ہو گیا ہے۔ بیان کرنا مساوی ہے جیسے کہ اس کی سب سے نمایاں مثال خود شہرزاد ہے جس کی زندگی صرف و محض اس وقت تک ہے جس وقت تک وہ کہانی کہہ سکتی ہے۔''

شہرزاد کو اس وقت تک قصوں کو ختم نہیں ہونے دینا ہے جب تک وہ بادشاہ کا صنف نازک پر سے اٹھا اعتماد دوبارہ حاصل نہ کر لے اور اس طرح ہر قصے کے خاتمے پر وہ ''جیسا کہ فلاں قصے میں ہوا'' جیسے جملے جوڑ کر قصے کو اگلی رات کے لئے موقوف کر دیتی ہے اور یہ اگلا قصہ اس کی زندگی کا ضامن بن جاتا ہے۔ پروفیسر گیان چند جین نے اسے قصہ در قصہ سے تعبیر کیا ہے۔ یہاں اہمیت اس بات کی ہے کہ زندگی کیسے بچائی جائے اور زندگی اور موت کی یہ کشمکش ایسے لافانی قصوں کو جنم دیتی ہے جس کا بدل شاید تمام دنیائے ادب میں موجود نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ الف لیلہ کی کہانیوں سے زیادہ مقبول کوئی اور کہانی نہیں اگر چہ اس کی اصل عربی ہے۔ لیکن جتنی کثیر تعداد میں دیگر زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے وہ اس کی

مقبولیت کی دلیل ہیں۔الہ دین کا چراغ،علی بابا چالیس چور،سند باد جہازی،ابوالحسن وغیرہ جیسی نہ جانے کتنی کہانیاں ہیں جوانگریزی، ہندی،اردو یا کسی دوسری زبان میں یہ جانے بغیر پڑھی جاتی ہیں کہ یہ الف لیلہ جیسی شاہکار داستان کا حصہ ہیں۔اردو میں بھی کثیر تعداد میں الف لیلہ کے ترجمے ہوئے۔گیان چند جین اردو کی نثری داستانوں میں الف لیلہ کے مختلف النوع ۱۶ ترجموں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ان میں سے اکثر ترجمے فارسی انگریزی یا کسی دوسری زبان کے ترجمے کو دیکھکر ہی کئے گئے ہیں۔الف لیلہ کی بعض کہانیوں کے مختصر مجموعے بھی ملتے ہیں۔اس کی مقبولیت کا اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آج الکٹرانک میڈیا کے دور میں جب زبان و ادب کافی حد تک رو بہ زوال ہے الف لیلہ کے نئے نئے انگریزی ترجمے آج بھی شائع ہوکر بازار میں دستیاب ہیں۔الف لیلہ پر .T.V سیریل بن کر مقبول ہو رہا ہے۔ Arabian Nights کی سریز کو بچے آج بھی خریدتے اور شوق سے پڑھتے ہیں۔ یہArabian Nights اتنی مقبول ہے کہ اردو الف لیلہ سے انھیں بچے جوڑتے تک نہیں۔نہ تو ان کتابوں میں کوئی پیش لفظ ہوتا ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ قصے الف لیلہ سے ماخوذ ہیں۔الف لیلہ و لیلہ میں جانور جن اور پریوں کی کہانیاں ہیں۔یہ قصے مصر،قاہرہ،اسکندریہ یا بغداد وغیرہ دور دراز مقامات پر واقع ہوئے ہیں۔جن اکثر حضرت سلیمان کے مطیع ہوتے ہیں۔یہ مافوق فطری کردار انسان کے ذوق کی تسکین اور فتح کا حصہ بنتے ہیں جیسے الہ دین کا چراغ کا جن ہر ناممکن چیز کو ممکن کر دکھاتا ہے۔یہ اکیلا کردار ہی الف لیلہ کی مقبولیت کے لئے کافی ہے اور ضرب المثل بن چکا ہے اور یہ کہنا بھی شاید غلط نہ ہوگا کہ مافوق الفطری کہانیوں میں اگر کشش اور دلچسپی کی کمی نہ ہوتو اسے آج بھی پہلے جیسی مقبولیت حاصل ہو سکتی ہے۔سند باد جہازی، ہارون رشید،علی بابا کی کنیز مرجینا وغیرہ کردار آج بھی زندہ ہیں اور نصاب میں پڑھائے جاتے ہیں جبکہ ان سبھی داستانوں میں داستانوں کے اہم جز حسن و عشق، دیو و پری، سحر و جادو، رزم و بزم بیک وقت موجود نہیں ہیں۔

الف لیلہ کے قصّہ داستان کی تاریخ میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے مقبول ہوئے ہیں اور دنیا کی کئی زبانوں میں اس کی اور تحقیق کی گئی ہے اور تنقیدی کتابیں تحریر ہوئی ہیں۔گیان چند جین کی عبارت یہاں نقل کر دینا مناسب ہوگا۔

''یورپی زبانوں میں الف لیلہ کی تحقیق آسمان کے تارے توڑتی ہے۔ جرمن، فرانسیسی، انگریزی، ڈینش اور روسی زبانوں میں الف لیلہ کے بارے میں مستقل کتاب لکھی گئی ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ فرنچ میں محض الہ دین و چراغ کی تحقیق میں ایک مکمل کتاب لکھی گئی ہے لیکن اردو میں محققوں نے ابھی تک اس داستانِ عظیم کو درخورِ اعتنا نہیں جانا اسے خوش وقتی کا سامان سمجھا گیا، ادب کا جز نہیں۔''[1]

غور طلب ہے کہ گیان چند جین کے یہ الفاظ ''اردو کی نثری داستانیں'' کے ۱۹۸۷ء کے مطبوعہ نسخہ سے اخذ ہے لیکن ہنوز الف لیلہ پر کوئی معتبر کام منظر عام پر نہیں آیا۔ الف لیلہ کے قلمی نسخہ عراق مصر وغیرہ میں کتب خانوں کی زینت بنے ہوئے ہیں[2] یورپ کے مختلف کتب خانوں میں تقریباً ۳۸ قلمی نسخے عربی کے ملتے ہیں اور گالاں کے ترجمے سب سے اہم ہیں۔ الف لیلہ عربی کے علاوہ فارسی، جرمنی، فرنچ، انگریزی وغیرہ دیگر زبانوں میں ترجمہ ہوئیں۔ گیان چند جین اس طرح کے ترجموں کے متعدد قلمی نسخوں کی ہندوستان و بیرون ہندوستان نشاندہی کرتے ہیں۔ اردو میں گیان چند جین الف لیلہ اردو کے ۱۶ سلسلوں کی بازیافت کرتے ہیں۔

۱۔ الف لیلہ اردو از شاکر علی فورٹ ولیم کالج ۱۸۰۳ء۔

۲۔ حکایات الجلیلہ ۲ جلدیں از شمس الدین احمد مدراس ۱۸۳۶ء۔

۳۔ الف لیلہ از عبدالکریم ۴ حصے ۱۸۴۲ء۔

۴۔ الف لیلہ مترجمۂ جعفر علی، محمد حسن علی خاں و شدید الدین خاں مولویانِ دہلی کالج ۱۸۴۴ء۔

۵۔ الف لیلہ جلد اول قلمی ۵۱۴ صفحہ سالار جنگ لائبریری ۱۲۶۱ھ۔

۶۔ الف لیلہ از حیدر علی فیض آبادی تقسیم ہند سے پہلے اس کی ایک مطبوعہ جلد موصوف کو انجمن ترقی اردو ہند دلّی کے کتب خانے میں ملی۔

۷۔ شبستان سرور از رجب علی بیگ سرور ۱۲۷۹ھ۔

---

[1] تاریخ الہ دین و چراغ (فرنچ) از زوٹن برگ پیرس ۱۸۸۸ء (بحوالۂ اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۶۱۳)، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

[2] (اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۶۱۳، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

۸۔ الف لیلہ نو منظوم ۱۸۶۲ء سے ۱۸۶۸ء۔

۹۔ ہزار داستان نثر ۴ حصّے از منشی تو تارام شایاں نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۶۸ء۔

۱۰۔ ہزار داستان از منشی حامد علی خاں حامد نول کشور پریس کانپور ۱۸۸۹ء۔

۱۱۔ شبستانِ حیرت یا الف لیلہ شہرزاد از مرزا حیرت دہلوی ۱۸۹۲ء۔

۱۲۔ الف لیلہ ۲ جلد از رتن ناتھ سرشار ۱۹۰۱ء لکھنؤ۔

۱۳۔ انگریزی الف لیلہ مع ترجمۂ اردو۔ رام نرائن لال پبلشر الہ آباد ۱۹۰۱ء۔

۱۴۔ غیر مطبوعہ ترجمہ منشی دوار یکا پرشاد افق لکھنوی۔

۱۵۔ الف لیلہ قلمی مترجمۂ مولوی ضیاالحسن ۴ جلد انڈین پریس الہ آباد کو اشاعت کے لئے دی گئی چھپی نہیں ہیں۔

۱۶۔ الف لیلہ ولیلہ ۷ جلد از ڈاکٹر ابوالحسن منصور احمد مرحوم پروفیسر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔

یہ الف لیلہ انجمن ترقی اردو ہند نے ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۶ء تک شائع کی [1]

ان سلسلوں کے علاوہ گیان چند جین نے الف لیلہ کی کہانیوں کے تین مجموعوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ ایک مخطوطہ آزادی سے پہلے کا انجمن ترقی اردو ہند کے کتب خانے میں قصۂ علی بابا کے نام سے دوسرا انڈیا آفس میں قصّہ خانم سوداگر بچے کا جس کے ساتھ شہزادہ زین الاحنام کا بھی قصّہ ہے ۱۶ صفحوں کا ہے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا۔ تیسرا رضا لائبریری مطبوعہ قصّہ خانم سوداگر بچے کا جس میں ہے اور قصّے بھی ہیں۔

ان تمام کہانیوں میں ہندوستانی عربی وفارسی رنگ نظر آتا ہے۔ کسی قصّے میں جانور نظر آتے ہیں تو کسی میں داستانوں کے ساحر مافوق الفطری کردار وواقعات۔ یہ تمام قصّے اپنے آپ میں مکمل ہیں جنھیں قصّہ در قصّہ کی روایت سے جوڑا گیا ہے۔ شہرزاد اس وقت تک قصّے کے سلسلے کو برقرار رکھتی ہے جب تک بادشاہ کو عورت کی وفاداری پر یقین نہ آجائے اور ہر رات کو کہانی اس مکالمہ سے ختم ہوتی ہے کہ تم یہ بات نہ کرو ورنہ تمہارے ساتھ بھی وہی ہوگا جو فلاں کے ساتھ ہوا۔ اس طرح شہرزاد کو ایک اور دن کی زندگی مل جاتی ہے اور بالآخر وہ اپنی وفاداری ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

---

[1] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۶۲۱ تا ۶۲۵، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

عجائب القصص

عجائب القصص کے مصنف شاہ عالم ثانی عربی فارسی کا اچھا علم رکھتے تھے۔ زبان پر مہارت کے ساتھ دین کا بھی انہیں اچھا علم تھا اور بزرگان دین سے عقیدت بھی تھی۔ فارسی ان کی تہذیبی زبان تھی اور ترکی خاندانی چنانچہ وہ فراوانی سے فارسی زبان کا بھی استعمال کرتے تھے اور احادیث نبوی اور آیات قرآنی کا بھی بے تکلف ذکر اپنے بیان میں کرتے تھے۔ وہ خود شاعر تھے۔ فارسی اردو میں آفتاب اور بھاشا میں شاہ عالم تخلص کرتے تھے۔ انہوں نے منظوم مثنویاں بھی لکھیں [1]

چنانچہ جب انہوں نے عجائب القصص لکھی تو گویا منثور سے منظوم کی طرف مراجعت کی لیکن انداز پر مثنویوں کا ہی رنگ حاوی رہا قصّہ بھی وہی ہے جو سینہ بہ سینہ چلا آ رہا تھا۔ اردو کی مابعد داستانوں سے الگ عجائب القصص کی ابتدا روایتی حمد سے شروع ہو کر پھر نعت اور منقبت پر ختم نہیں ہوتی۔ وہ نثر میں خدا کی تعریف کرنے کے بعد منظوم حمد بھی لکھتے ہیں یعنی کافی طویل حمد یہ اقتباس کے بعد نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہلے نثر میں اور پھر منظوم اور پھر واقعہ معراج فارسی میں منظوم اور اسی کے بعد مدح حضرت چار یار اور سب میں فارسی کی آمیزش ہے۔ حضرت علی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

مرتضٰی آں کہ شہ مسند عالی نسبی ست

آفتابے کہ برج سر فش دوش نبی ست[2]

ابتدا میں ہی ان کی علمیت نظر آ جاتی ہے اور ان کی عقیدت بھی۔ پھر احادیث نبوی کے طویل سلسلے اس کے بعد مناجات ہے اور پھر اس کے بعد منقبت ائمہ معصوم یعنی دوازدہ امام و چہاردہ معصوم پر بھی معاملہ ختم نہیں ہوتا وہ پسر دستگیر کی شان میں بھی منظوم و منثور منقبت لکھتے ہیں پھر شجرہ بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد سبب تصنیف یعنی ۲۷ صفحات پر محیط فارسی آمیز نظم و نثر کا مذہبی عقیدت سے مامور ابتدائیہ لکھنے کے بعد حرف مطلب بتاتے ہیں اور آغاز داستان روایتی انداز سے ہے وہی رنگ جو بعد تک رائج رہا۔

''راویوں نے یوں روایت کی ہے کہ خطا و ختن کے شہر میں ایک بادشاہ مظفر شاہ نام

---

[1] عجائب القصص از شاہ عالم ثانی، مقدمہ سید عبداللہ، ص ۱۲ تا ۱۳، مرتبہ راحت افزا بخاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء

[2] عجائب القصص از شاہ عالم ثانی، ص ۱۳، مرتبہ راحت افزا بخاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء

صاحب عدل اور داد تھا رعیت تمام اس سے رضا مند اور خوش اور آسودہ تھی اور اس بادشاہ کے عصر میں کسو کے دل پر ملال نہ تھا ہر ایک عیش وعشرت میں بسر لے جاتا تھا، کہ دن عید تھا اور رات شب برات تھی۔ لیکن اس بادشاہ صاحب عدل کے اولاد نہ تھی۔ لیل ونھار اس الم میں اس کے گزرتے تھے۔ ایک دم اس فکر سے خالی نہ تھا، اتفاقاً ایک روز آرسی ھاتھ میں لے کر چہرے کو اپنے دیکھتا تھا۔ یکا یک موئے سفید ڈاڑھی میں نظر آیا۔ دیکھ کر اول آب دیدہ ھوا، بعدہ بے اختیار رویا کہ افسوس عمر آخر ھوئی، یعنی پیغام اجل پہنچا اور میرے یہاں کوئی وارث تاج وتخت پیدا نہ ھوا کہ آس سے تا قیامت میرا نام رھتا اور نگہبان میرے تاج وتخت کا اور ناموس کا ھوتا۔ اسی فکر میں غم آلودہ ھوکر باھر آیا اور دربار کیا۔ وزیر وامیر اور تمام ارکان دولت اور تمام خورد و کلاں اھل کار باریاب مجرے کے ھوئے۔ ھر ایک نے بادشاہ کے تئیں نہایت فکر مند پایا لیکن کسو کو جرأت نہ ھوئی کہ باعث اس فکر کا بادشاہ سے پوچھے۔''[1]

یعنی روایتی انداز سے شروعات کہ بادشاہ کے پاس سب کچھ تھا مگر اولاد نہ تھی یہ بھی بات تعجب خیز ہے کہ داستان گویوں کے یہاں شہر مدائن کا بہت ذکر رہتا ہے شاہ عالم کے یہاں بھی شہر مدائن ہے درویش بھی ہے جب بادشاہ اپنے وزیر سے اپنے اضطراب کا اظہار کرتا ہے تو وہ بادشاہ کے مدعا کی برآوری کے لیے کوشاں ہوجاتا ہے اور ہمیشہ کی طرح ایک درویش دانا ملتے ہیں جو بادشاہ کو خوشخبری سناتے ہیں۔

''درویش بادشاہ سے یہ مدعا سن کر مراقبے میں گیا۔ بعد ایک وقت کے سر مراقبے سے اٹھا کر یوں ارشاد کیا ''الحمدللہ والحسنتہ ! یوں معلوم ھوتا ھے کہ تم دونوں کی تقدیر میں فرزند جناب الٰہی سے بعد بارہ مہینے کے عطا ھووے گا کہ جن کے باعث سے فرحت تمام تم دونوں کو حاصل ھووے گا اور ھفت اقلیم اس کے تصرف میں آوے گا اور شجاع ایسا ھوگا کہ جن وپری اس کے تسخیر ھوں گے۔ لیکن جس وقت کہ بارہ برس کا ھووے گا اس کے تئیں سفر درپیش آوے گا اور وہ تم سے رخصت چاھے گا۔ لازم ھے تمھارے تئیں کہ اسے رخصت دینا۔''[2]

---

[1] عجائب القصص از شاہ عالم ثانی، ص ۲۸ تا ۲۹، مرتبہ راحت افزا بخاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء

[2] عجائب القصص از شاہ عالم ثانی، ص ۳۳، مرتبہ راحت افزا بخاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء

وہی سحر البیان اور فسانۂ عجائب کا قصہ وہی انداز بیان یعنی ایران سے منظوم قصّہ گوئی کی جو روایت آئی تھی وہ روایت عجائب القصص میں بھی موجود ہے کیونکہ اس وقت منظوم داستان کا ہی رواج تھا اس لئے عجائب القصص میں نثری داستان ہونے کے باوجود اشعار کی بہتات نظر آتی ہے۔ حالانکہ انداز بیان سادہ اور سلیس ہے لیکن قصّہ وہی ہے کہ شہزادہ شجاع الشّمس کا ملکہ نگار پر عاشق ہونا اور اس کو پانے کے لیے بیقرار ہونا اور پھر باپ نے مجبور ہو کر اپنے وزیر کو پیغام لے کر بھیجا۔ اس موقع کی عبارت کی سادگی ملاحظہ ہو:

''وزیر نے پڑھنا شروع کیا۔ مضمون نامے کا یہ تھا کہ اگر شجاع الشّمس کے تئیں اپنی غلامی میں قبول کر کے بادشاہ زادی کا ملکہ نگار کے ساتھ مناکحت کیجیے، موجب خوش نودی خدا اور رسول خدا ہوگی اور درمیان ہمارے اور تمھارے سلسلہ دوستی اور یگانگت کا اور رشتہ داری کا روز بہ روز زیادہ اور مستحکم ہوگا۔ اگر قبول اس معنی کو فرمایئے جلد اطلاع بخشیے کہ تیاری اور سرانجام شادی کا کر کے مع شجاع الشّمس مابدولت بہ جاہ و حشم روانہ شہر روم کے ہوویں۔''[1]

کل ۶۱۵ صفحات کی اس داستان میں کچھ بھی نیا نہیں ہے نہ قصّہ نہ انداز بیان لیکن عجائب القصص یہ دعوت فکر ضرور دیتی ہے کہ کن وجوہ کی بنا پر بادشاہ نے یہ روایتی قصّہ تحریر کیا۔ ایسا لگتا ہے کہ قید و بند میں وقت گزارنے کے لیے تصنیف سے اچھا کوئی ذریعہ انہیں وقت گزاری کا نظر نہیں آیا۔ ظہیر احمد صدیقی 'عجائب القصص: تنقیدی مطالعہ' کے مقدمہ میں یوں رقمطراز ہیں:

''عجائب القصص کے قصّہ کا انداز وہی روایتی ہے جو عام طور سے داستانوں کا ہوتا ہے مگر مصنف نے اس کو اس قدر خوبصورت اور سادہ انداز میں پیش کیا ہے کہ کہیں پر دلچسپی میں کمی نہیں آتی۔ یہ قلعہ معلائی عوام سے قریب آنے کی پہلی کوشش تھی اور کسی بادشاہ نے خواص کی محفل سے اٹھ کر عوام کے نزدیک آنے کا ارادہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی کے اثرات کے باوجود (جن کا ہونا ناگزیر تھا) زبان زیادہ سے زیادہ عام فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب کا اسلوب لسانیاتی مطالعہ کے لئے بھی

---

[1] عجائب القصص از شاہ عالم ثانی، ص ۶۸، مرتبہ راحت افزا بخاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء

ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔''[1]

عجائب القصص طویل داستانوی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے جس میں دہلوی تہذیب نمایاں نظر آتی ہے جیسا کہ ظہیر صاحب کے قول سے نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ یہ قلعۂ معلٰی اور عوام کے بیچ ذہنی ربط کی ایک کڑی ہے اس داستان کو زیادہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی لیکن بہر حال اس کا مصنف مغل بادشاہت کا بجھتا چراغ اور وارث شاہ عالم ثانی ہے جس نے قلعۂ معلٰی اور دہلوی تہذیب کی عکاسی کی اگر چہ عام داستانوں کی طرح اس داستان کی بنیاد بھی واردات عشق ہے لیکن اس کے بیان میں جو انداز بیان اور ماحول کا نقشہ ہے وہ دہلوی تہذیب کی بخوبی عکاسی کرتی ہے۔ یہ امر بھی باعث استعجاب ہے کہ شاہ عالم ثانی کو آنکھوں سے اندھا کر کے قید کا سامنا کرنا پڑا تھا اور دوران قید و بند میں انہوں نے یہ کتاب تحریر کی۔

سید عبداللہ عجائب القصص کے مقدمہ میں اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

''داستان حسب دستور طویل ھے اور کبھی کبھی یہ بدگمانی بھی ھوتی ھے کہ ایک نابینا شخص اتنی لمبی کہانی کے ربط و تسلسل کو کیسے برقرار رکھ سکتا ھے۔ بدگمانی بجا ھے لیکن یہ باور کیا جا سکتا ھے کہ کہانی کے ربط و انتظام میں شاہ عالم نے اپنے متوسلین میں سے کسی سے مدد لی ھوگی۔ مواد تمام تر بادشاہ کا اپنا دیا ھوا بلکہ لکھوایا ھوا معلوم ھوتا ھے۔ عبارت کے سارے تیور شاھانہ ھیں اور شک کی گنجائش کم رھتی ہے پھر بھی اس کی ترتیب میں کسی مددگار کی شرکت قرین قیاس ہے۔''[2]

اب اس کا محرر یقیناً کوئی دوسرا رہا ہوگا چنانچہ اس شک کی گنجائش بھی ہے کہ بادشاہ کے کسی پرانے نمک خوار نے جو کہ صاحب ذوق بھی تھا اس داستان کی تصنیف کی ہو لیکن کیونکہ اس طرح کی کوئی تحقیق ابھی تک نہیں ہوئی اس لئے اس پر بھی ہنوز تحقیق کی ضرورت ہے اگر چہ پروفیسر ارتضٰی کریم نے اپنی تصنیف میں غیر معمولی تحقیقی نکات پیش کئے ہیں لیکن مابعد کسی نے اس کام کو آگے نہیں بڑھایا۔

یہ قصّہ بھی دلّی کی اسی عام فہم زبان میں لکھا گیا ہے جس کی آگے چل کر میر امن نے نمائندگی کی۔

[1] عجائب القصص: تنقیدی مطالعہ از ارتضٰی کریم، ص ۸، زلالہ پبلی کیشنز، دہلی، ۱۹۸۷ء

[2] عجائب القصص از شاہ عالم ثانی، مقدمہ سید عبداللہ، ص ۱۷، مرتبہ راحت افزا بخاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء

خود دیباچے میں شاہ عالم ثانی رقم طراز ہیں:

''یکا یک یہ مزاج اقدس ترفع اعلیٰ میں آیا کہ قصہ زبان ہندی میں بہ عبارت نثر کہیے اور کوئی لفظ اس میں غیر مانوس اور خلاف روزمرہ اور بے محاورہ نہ ھو اور عام فہم اور خاص پسند ھووے کہ جس کے استماع سے فرحت تازہ اور مسرت بے اندازہ مستمع کو حاصل ھو، اور آداب سلطنت اور طریق عرض و معروف دریافت ھوں۔ اور اگر جاھل پڑھے تو اس کے فیض سے عالموں سے بہتر گفتگو اور بول چال بہم پہنچائے۔ القصہ یہ قصہ بارہ سو سات (۱۲۰۷) ھجری میں لکھنا کیا شروع اور نام ''عجائب القصص'' رکھا۔''[1]

سید عبداللہ نے عجائب القصص کے مقدمے میں اس کی اہمیت کے تین اہم نکات بتائے ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بادشاہ شاہ عالم ثانی کی تحریر کردہ تصنیف ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس داستان کے ذریعہ سے شاہ عالم ثانی کی زندگی اور ان کے زمانے کے تاریخی اور تہذیبی اور مذہبی رسم و رواج اور ان کی شاعرانہ خوبیوں کے بارے میں نشاندہی ہوتی ہی اور تیسری بات یہ کہ یہ شمالی ہند میں داستان نویسی کی اوّلین مثالوں میں سے ایک ہے[2]

بوستان خیال

اردو داستان نویسی کے سلسلے میں ایک اہم سلسلہ بوستان خیال کے اردو تراجم ہیں۔ جس وقت بوستان خیال فارسی میں وجود میں آئی اس وقت داستان امیر حمزہ جسے اردو داستان نویسی کا سنہرا باب کہنا غلط نہیں ہوگا وجود میں آ چکی تھی اور داستان گوئی کی محفلوں کی زینت ہوا کرتی تھی۔ بوستان خیال کے شان نزول کے بارے میں مختلف محققین نے ایک واقعہ درج کیا ہے کہ بوستان خیال فارسی کے اصل مصنف میر تقی خیال ایک محفل داستان گوئی میں تشریف فرما تھے وہاں کسی نے داستان گو پر سرقہ کا الزام لگایا وہ اپنی دفاع میں بولا کہ داستان گوئی کا فن اہل علم کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ جملہ میر تقی خیال کو ناگوار گزرا اور انہوں نے وہ قصّے سنائے جو وہ اپنی منظور نظر نازنین کو سنایا کرتے تھے۔ قصّہ کی بہت تعریف و توصیف

---

[1] عجائب القصص از شاہ عالم ثانی، ص ۲٦، مرتبہ راحت افزا بخاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹٦۵ء

[2] عجائب القصص از شاہ عالم ثانی، مقدمہ سید عبداللہ، ص ۲۲ تا ۲۳، مرتبہ راحت افزا بخاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹٦۵ء

ہوئی چنانچہ بوستان خیال کی ۱۶ فارسی جلدیں منظر وجود پر آئیں۔غور طلب ہے کہ داستان امیر حمزہ اس وقت تک کی سب سے مشہور و مقبول داستان تھی لیکن یہ ایک جلد میں بھی چار دفاتر میں موقوف تھی۔فورٹ ولیم کالج میں ہوئے خلیل علی خاں اشک کے ترجمہ کی بھی یہی ضخامت تھی۔ چنانچہ بوستان خیال اب تک کی سب سے طویل داستان تھی مگر چونکہ داستان امیر حمزہ اردو میں ترجمہ ہو کر شہرت پا چکی تھی۔ چنانچہ بوستان خیال کو وہ مقبولیت نصیب نہیں ہوئی۔اس کی وجہ غالباً یہ بھی تھی کہ اس میں اور داستان امیر حمزہ میں کافی مماثلت ہے یعنی کرداروں کے نام مختلف ہیں مگر قصّہ اور واقعات وہی ہیں۔وہاں بھی امیر حمزہ کے طرز کا مرکزی کردار عمر وعیار کے طرح کے عیار اور ان کی عیاریاں اور تحفہ جات ہیں۔سب سے پہلے بوستان خیال کا اردو ترجمہ غالب کی بھتیجے امان اللہ خاں نے اردو میں حدائق الذخار کے نام سے کیا اسے بھی بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ چنانچہ جس طرح داستان امیر حمزہ سے منشی نول کشور کی دلچسپی نے داستان امیر حمزہ کی ۴۶ جلدیں تحریر کرائیں اسی طرح بوستان خیال کی طباعت کا بھی طویل سلسلہ سامنے آیا ہے۔

پروفیسر حامد حسن قادری کا یہ خیال ہے کہ خواجہ امان نے مہاراجہ شیو دان سنگھ الور کی فرمائش سے پانچ جلدوں کا ترجمہ دو جلدوں میں کیا جن کے نام ''حدائق الانظار'' اور ''ریاض الابصار'' ہیں۔باقی کے لئے عمر فانی نے وفا نہ کی۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ خواجہ امان نے مہاراجہ الور کی فرمائش سے ترجمہ شروع کیا تھا اور وہ صرف پہلی جلد ''حدائق الانظار'' ہی ختم کر پائے تھے کہ ریاست میں فتنہ برپا ہو گیا۔آگے چل کر جب حالات پر سکون ہوئے تو انھوں نے بوستان خیال کے ترجمے کو مکمل کرنے کی کوشش پھر شروع کی اور مسلسل سات جلدیں تحریر کیں۔آٹھویں اور آخری جلد باقی تھی کہ ۱۲۹۸ھ/۱۸۷۹ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔چنانچہ یہ جلد ان کے صاحبزادے خواجہ قمر الدین متخلص بہ راقم دہلوی نے تحریر کر کے ترجمے کو مکمل کر دیا۔ذیل میں ہم ان جلدوں کی تفصیل کا ایک نقشہ پیش کرتے ہیں۔

نمبر جلد	نام جلد	سن تصنیف	سن طباعت	مطبع
۱۔	حدائق الانظار	۱۲۷۵ھ	۱۲۸۲ھ	محمود المطابع دہلی
۲۔	ریاض الابصار	۱۲۸۳ھ	۱۲۸۴ھ	اکمل المطابع دہلی
۳۔	شمس الانوار	۱۲۸۵ھ	۲۹ جمادی الثانی ۱۲۸۷ھ	بدر الدجیٰ دہلی

۴۔	بدرالاثار	۱۲۹۱ھ/۴ ۱۸۷ء	۲۱ ذیقعدہ۱۲۹۱ھ/۳۱ دسمبر۴ ۱۸۷ء		بدرالدجیٰ دہلی
۵۔	نجم الاسرار	۱۲۹۲ھ	۲ ربیع الاول ۱۲۹۶ھ/۲۴ فروری ۱۸۷۹ء		بدرالدجیٰ دہلی
۶۔	مصباح النھار	۔	۱۲۹۸ھ		دارالعلوم میرٹھ
۷۔	کاشف الاسرار		۱۸۸۳ء		دارالعلوم میرٹھ
۸۔	مرات الاضمار	۱۸۸۳ء	۱۳۰۱ھ		مطبع جماعت تجارت متفقہ اسلامیہ میرٹھ
۹۔	خاتم الاثمار	۔	یکم شعبان المعظم ۱۳۰۰ھ		دارالعلوم میرٹھ [1]

اس داستان کے تسلسل، لطف بیان اور خوبی زبان کا یہ اثر ہوا کہ جلد اول دوبارہ چھپوانی پڑی اور جلد دوم کو تیار کرنے کے لئے خود مطبع کھولنا پڑا چنانچہ مطبع بدرالدجیٰ قائم ہوا اور جلد دوم بھی چھپ کر ہاتھوں ہاتھ نکل گئی۔ جب اس کتاب کی مانگ اس قدر بڑھی تو دوسرے ناشروں کو بھی اس کے چھپوانے کا خیال آیا۔ چنانچہ منشی نول کشور نے پہلے تو خود خواجہ امان سے اور پھر ان کے صاحب زادے قمرالدین راقم سے اس کے چھاپنے کی اجازت چاہی اور جب ان لوگوں نے اجازت نہیں دی تو پھر انھوں نے مرزا محمد عسکری عرف چھوٹے آغا سے مہدی نامہ اور قائم نامہ اور اسماعیل نامہ کا ترجمہ کرا کے مہدی نامہ کے نام سے پہلی جلد شائع کی۔ باقی آٹھ جلدوں کے ترجمے کی تجویز درپیش تھی کہ نواب مرزا محسن علی خاں عرف آغا حجو متخلص بہ ہندی کی مترجمہ جلدوں کے ناتمام مسودے منشی نول کشور کے سامنے پیش کئے گئے۔ منشی صاحب نے ان کی طباعت منظور کر لی اور ان کی ترتیب و تکمیل مرزا محمد عسکری عرف چھوٹے آغا اور ان کے بعد منشی پیارے مرزا اور نواب مرزا علی خان سے کرا کے اپنے مطبع سے شائع کیں۔ یہ تینوں اصحاب منشی نول کشور کے مطبع میں ملازم تھے۔ ذیل میں ان جلدوں اور ترجموں کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

نمبر جلد	نام جلد ترجمہ	نام جلد بوستان خیال	مترجم	صفحات	سن طباعت
اول	مھدی نامہ	مھدی نامہ و قائم نامہ و اسماعیل نامہ	مرزا محمد عسکری عرف چھوٹے آغا	۶۶۴	باراول ۱۸۸۰ء/۱۲۹۷ھ باردوم ۱۸۸۶ء/۱۳۰۳ھ

[1] اردو داستان: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ از ڈاکٹر سہیل بخاری صفحہ ۲۵۶ تا ۲۵۷، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء

دوم	دوحتہ الابصار	معزالدین نامہ	مرزا محمد عسکری عرف چھوٹے آغا	۵۶۷	ـ
سوم	ضیاءالابصار	جمشید نامہ	آغا حجو ہندی	۴۳۷	۱۸۹۰ء
چہارم	شمس النہار	جمشید نامہ	آغا حجو ہندی	۱۲۰۱	ـ
پنجم	مطلع الانوار	جمشید نامہ	آغا حجو ہندی	۹۸۸	جولائی ۱۸۹۲ء/ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ
ششم	خزینۃ الاسرار	جمشید نامہ	آغا حجو ہندی	۷۵۴	اکتوبر ۱۸۹۰ء
ہفتم	نورالانوار	جمشید نامہ	آغا حجو ہندی	۸۵۸	دسمبر ۱۸۹۰ء
ہشتم	مشرق الآثار	جمشید نامہ	آغا حجو نے نامکمل چھوڑی منشی پیارے مرزا نے مکمل کی	۷۰۶	۱۸۹۱ء/۱۳۰۸ھ
نہم	تفریح الاحرار	معزالدین نامہ	پیارے مرزا اور مرزا علی خاں نے مکمل کی	۴۹۳	۱۸۹۲ء/۱۳۰۹ھ [1]

باغ و بہار

اردو کے داستانوی ادب میں باغ و بہار ایک اہم نام ہے جو کہ ۱۸۰۱ء میں مکمل ہوئی۔ اگرچہ فن داستان گوئی کے نقطۂ نظر سے دیکھیں تو باغ و بہار میں داستان کے تمام اوصاف نظر نہیں آتے کیونکہ اس داستان کی وجہ نزول سنانا نہیں بلکہ اردو زبان کی ترویج تھی جو کہ فورٹ ولیم کالج کے ذمہ تھی یوں تو فورٹ ولیم کالج میں کئی داستانیں لکھی گئیں لیکن اس میں باغ و بہار سب سے اہم ہے جس کے مصنف میر امن ہیں اور ۱۸۰۰ء میں میر امن نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کے کہنے پر یہ داستان لکھنی شروع کی۔ باغ و بہار میں فن داستان کے تین اہم جزو ساحری، جنگ اور عیاری کی عدم موجودگی داستان کو طویل داستانوں کے فن سے الگ کرتی ہے لیکن داستان گوئی کا سب سے اہم فن یعنی بیانیہ مذکورہ داستان میں بھی اول تا آخر موجود ہے۔ عام اس سے کہ یہ قصہ چہار درویش کی تبدیل شدہ شکل ہے یا قصہ چہار درویش کا اردو ترجمہ

[1] اردو داستان: تحقیقی وتنقیدی مطالعہ از ڈاکٹر سہیل بخاری، ص ۲۵۹ تا ۲۶۱، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء

ہے۔شمالی ہند میں اردو کی پہلی داستان بنی یا نہیں۔ یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ اس داستان کے ذریعہ عام بول چال کی اردو زبان کا رواج عام ہوا اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ باغ و بہار کے ذریعہ طالبان اردو ادب صنف داستان سے متعارف ہوتے ہیں کیونکہ طویل داستانوں کو پڑھنا کار دشوار ہے۔ باغ و بہار میں بیانیہ کے تمام اوصاف موجود ہیں۔قصّہ چہار درویش کے چاروں درویش کے اپنا قصّہ ایک ایک کر کے بیان کرنے سے ہی داستان آگے بڑھتی ہے اور کہیں بھی بیانیہ کا لطف ختم نہیں ہوتا۔ باغ و بہار کیونکہ تمام جامعات کے نصاب میں شامل ہے اسلئے نصابی ضرورتوں کے تحت اسکے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے اور ہر ایڈیشن کے ساتھ مرتب کے مقدمات ہیں جس میں باغ و بہار کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ان میں سے زیادہ تر میں غلطیوں کی بہتات ہے اور مقدمات میں بھی طالب علموں کی ضرورت کے مطابق وضاحتی اور تجزیاتی مقدمے ہیں لیکن نسخۂ رشید حسن خاں خصوصی اہمیت کا حامل ہے، جس میں انہوں نے اپنی اعلیٰ محققانہ صلاحیت سے باغ و بہار سے جڑے بہت سے مسئلوں کی وضاحت کی ہے۔

رشید حسن خاں نے جب یہ نسخہ مرتب کیا تب تک ان کی تحقیق کے کئی بڑے کارنامے منظر عام پر آ چکے تھے۔مکتبہ جامعہ کے ''معیاری ادب'' کے عنوان سے چل رہے طباعتی سلسلہ میں خود رشید حسن خاں باغ و بہار کی اشاعت بھی کروا چکے تھے لیکن اس متن سے وہ مکمل طور پر مطمئن نہیں تھے کیونکہ انہیں ۱۸۰۴ء میں گلکرسٹ کی سرپرستی میں چھپے نسخہ کا عکس تو حاصل ہو گیا تھا لیکن اس نسخہ کی مذکورہ روایات کی رو سے فورٹ ولیم کالج سے ۱۸۰۲ء میں شائع ہندی مینول کا ۱۰۲ صفحات کا وہ نسخہ نہیں ملا تھا جو سلسلہ وار شائع ہوا تھا۔ چنانچہ تلاش جاری تھی اور سالوں کی تگ و دو کے بعد لندن کی لائبریری سے اس نسخہ کا عکس انہیں حاصل ہو گیا تھا۔ساتھ ہی ایک قلمی نسخہ کا عکس بھی مل گیا[۱] نتیجتاً اس تدوین میں تحقیق کے گوہر پارے نظر آتے ہیں۔مخطوطہ اور مطبوعہ تدوین کے جداگانہ اصول ہوتے ہیں۔مخطوطوں ہی میں تحریر متن کو صحیح پڑھ کر شائع کرانا ایک امتحان ہوتا ہے۔کئی خطی نسخوں کی پہلی اشاعت میں املوں کی غلطیوں کی ماہرین نشاندہی کر چکے ہیں لیکن مطبوعہ نسخوں کی تدوین میں جب تک سارے نسخوں تک رسائی نہ ہوا اور ان کے تقابل

۱۔ باغ و بہار از میر امّن دہلوی، مرتّب رشید حسن خاں، مقدمہ ص ۱۸، ثمر آفسٹ پرنٹرز نئی دہلی، ۱۹۹۲ء

سے صحیح متن تک رسائی نہ ہو محقق اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ ان معنوں میں باغ و بہار کا مذکورہ نسخہ سبھی مطبوعہ نسخوں میں فوقیت رکھتا ہے کیونکہ نصابی ضرورتوں سے شائع نسخوں میں تحقیق کی کارفرمائی نہیں ہوتی بلکہ جونسخہ مل جاتا ہے اسی سے عموماً متن لے لیا جاتا ہے۔

اس نسخہ کا آخری حصّہ بھی ضمیموں کی شمولیت اور عکسی صفحات کی طباعت کی بنا پر بے حد اہم ہو جاتا ہے جو کچھ اس طرح ہے۔

ضمیمہ ا۔ تشریحات و اختلاف نسخ: اس ضمیمے میں صفحہ نمبر کے ساتھ مختلف نسخوں کا تقابل کر کے الفاظ و بیانات کی تصحیح وتشریح کی ہے اور صحیح متن کی نشاندہی کی ہے۔ انتساب و اشعار کے اندراج بھی صفحہ نمبر کے ساتھ موجود ہیں۔

ضمیمہ ۲۔ اس میں تلفظ اور املا کی ترتیب وتصحیح مختلف نسخوں کی تفصیل اور صفحہ نمبر کے ساتھ درج ہیں۔

ضمیمہ ۳۔ الفاظ اور طریق استعمال سے متعلق ہے۔ پھر بھی مختلف نسخوں کی تفصیل اور صفحہ نمبر کے ساتھ صحیح رہنمائی کرتا ہے۔

یہ ضمیمے صرف باغ و بہار کی تشریح وتوضیح نہیں بلکہ اس دور کی زبان و بیان کی باریکیاں اور لسانی تحقیق کے نقطۂ نظر سے بھی خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ فرہنگ اور اشاریات جو کہ ہر نسخہ کا حصّہ ہوتے ہیں اور وہ اس دور کے مروجہ الفاظ وروایات کے سمجھنے اور ترتیب لغت کے وقت خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

باغ و بہار کا مقصد ہندوستانیوں میں اردو زبان کو عام کرنا تھا چنانچہ اس میں زبان و بیان پر خاص زور ہے قصّہ نیا نہیں ہے وہی بادشاہ کا لاولد ہونا اور برآوری مطلب کے لیے گھر بار چھوڑنا پھر چار درویشوں کا ملنا اور اپنا قصّہ ختم کرنے کے بعد سب کی مرادوں کا برآنا۔ یہ داستان اتنی مقبول ہوئی کہ عوام میں یہ مشہور ہو گیا کہ جو یہ داستان سنے گا اس کا مقصد پورا ہوگا۔ نوطرز مرصع کو ایسی مقبولیت نہیں حاصل ہوئی جبکہ باغ و بہار ہو بہو اسی کا چربہ ہے دراصل باغ و بہار کی مقبولیت کی اصل وجہ اس کی طرز ادا، زبان و بیان، سادگی اور سلاست ہے۔ اس کی مثال ملاحظہ ہو:

> ''بعد ایک سال کے وہ کارواں پھر آیا۔ اِن کی خیر خبر کچھ نہ پائی۔ آخر ایک آشنا سے قسمیں دے کر پوچھا۔ اُس نے کہا جب بخارا میں گئے ایک نے جوئے خانے میں

اپنا تمام مال ہار دیا۔ اب وہاں کی جاروب کشی کرتا ہے اور پھڑ کو لیپتا پوتتا۔ جواری جو
جمع ہوتے ہیں اُن کی خدمت کرتا ہے۔ وے بطریق خیرات کے کچھ دیتے ہیں۔
وہاں گُرگا بنا پڑا رہتا ہے۔ اور دوسرا بوزہ فروش کی لڑکی پر عاشق ہوا اپنا سارا مال صرف
کیا۔ اب وہ بوزے خانے کی ٹہل کیا کرتا ہے۔ قافلے کے آدمی اس لئے نہیں کہتے
کہ تو شرمندہ ہوگا۔''[1]

فسانۂ عجائب

فسانۂ عجائب اودھ کی دوسری سب سے معروف داستان ہے اس کی شان نزول بھی عجائبات میں ہے اور وہ یہ کہ باغ و بہار کے دیباچے میں میر امّن نے زبان دانی کا دعویٰ کیا اور یہی نہیں بلکہ دوسروں کو چیلنج بھی دیا کہ کوئی اتنی سادہ اور سلیس زبان لکھ کر دکھائے چنانچہ لکھنؤ کے سرور صاحب کو جوش آیا اور انہوں نے بھی دعویٰ کیا کہ وہ اس سے زیادہ سلیس زبان لکھ کر دکھائیں گے۔ ۱۸۲۵ء میں میر امّن کے حریف رجب علی بیگ سرور کی فسانۂ عجائب مکمل ہوئی اور اس کی شہرت نے سب کو اپنی طرف متوجہ کیا لیکن ہوا کچھ یوں کہ سادگی اور سلاست میں میر امن سے بڑھکر قلم چلانے کا دعویٰ کرنے والے سرور کی داستان فارسی آمیز دقت پسندی اور پیچیدگی کی مثال بن گئی مگر یہ بھی داستان کے رواج اور شوق کو عام کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ شاید یہ فسانۂ عجائب کا ہی پیدا کردہ ذوق تھا جو لکھنؤ میں گھر گھر داستان کے چرچے ہونے لگے اور خلیل علی خاں اشک کی فورٹ ولیم کالج کی چار دفاتر پر مبنی یک جلدی داستان امیر حمزہ کی تلاش نو ہوئی اور داستان گوئی کے سلسلے میں یہ ایک اہم کڑی ثابت ہوئی۔ ۱۸۲۵ء میں فسانۂ عجائب لکھی گئی اور ۱۸۵۵ء میں میر احمد علی داستان گو کے سلسلے کی داستان امیر حمزہ غالب لکھنوی نے تحریر کی اور یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے نول کشور کی ضخیم جلدوں تک پہنچا یعنی فسانۂ عجائب کو ہم داستان نویسی کی مقبولیت کی ایک اہم کڑی مان سکتے ہیں ورنہ اب تک داستانوں کو سنانے تک محدود رکھا گیا تھا۔[2]

اس کا خوبصورت انداز بیان اور زبان داستان کی کشش کو بڑھاتا ہے۔ جہاں تک قصّہ کا تعلق

---

[1] باغ و بہار از میر امّن دھلوی، ص۱۲۰، رام نرائن لال، ارون کمار، الہ آباد، ۱۹۹۲ء

[2] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۵۰۷، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

ہے یہاں مربوط قصّہ ہے لیکن مستعار ہے یہ وہی روایتیں ہیں جو منظوم مثنویوں میں چلی آ رہی تھیں قصّہ کی شروعات میں بادشاہ کا لاولد ہونا اور پنڈتوں، برہمن کے آشیرواد سے لڑکے کا ہونا، زائچہ اور کنڈلیاں دیکھ کر پیشن گوئی کرنا پھر سخت نگرانی میں شہزادے کو رکھنا اس کے باوجود شہزادے کا غائب ہونا اور ملکہ مہر نگار کا جان عالم کے عشق میں گرفتار ہونا پھر انجمن آرا پر عاشق ہونا وغیرہ کوئی ایسا پلاٹ نہیں ہے جو پہلے سے نہ موجود رہا ہو۔ اردو کی منظوم داستانوں یعنی مثنویوں نیز ہندی کی کلاسیکی روایتوں رانی کیتکی کی کہانی، جائسی کی پدماوت وغیرہ سے بھی اس میں بہت باتیں مستعار ہے۔ خصوصاً ان قصوں میں توتا، مینا کی بھی بہت اہمیت ہوتی تھی۔ فسانۂ عجائب میں توتا بھی ہے جو جان عالم سے انجمن آرا کا حسن بیان کرتا ہے تو پدماوت اور توتا کہانی کا توتا یاد آتا ہے غرض فسانۂ عجائب کے قصّہ اور اس کی زبان میں کچھ خاص یا نیا نہیں ہے لیکن پھر بھی اس کی مقبولیت بے پناہ ہوتی ہے اور اس کا سبب ہے وہ تہذیب جس کی اس داستان میں عکاسی ہے جہاں قدم قدم پر لکھنؤ کی تہذیب نظر آتی ہے۔ شادی بیاہ ہوں، میلے ٹھیلے ہوں یا پھبتیاں سرور کے ہر محاکاتی بیان میں لکھنؤ کی تہذیبی جھلکیاں ملتی ہیں اور یہی تہذیبی جھلکیاں طویل داستانوں کا محرک بنیں اور فسانۂ عجائب بہر حال بہ نسبت باغ و بہار کے داستانوی فنکاری چٹخارے دار زبان تجسس اور ساحرانہ عیاری میں بہت آگے ہے اور داستان نویسی کی تاریخ میں اس کا اہم مقام ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

> ''بیان اس کا محال ہے، مگر مختصر سا یہ حال ہے، عقل اس کام میں دور ہو جاتی ہے، وحشت نزدیک آتی ہے، لبِ خشک، چشم تر، چہرۂ زرد، دل خون ہوتا ہے، بھوک پیاس مر جاتی ہے، خواب میں نیند نہیں آتی ہے۔ جانِ شیریں تلخ ہو، کلیجے میں درد۔ آخر کو جنون ہوتا ہے، لختِ جگر کھاتا ہے، خونِ دل پیتا ہے، مر مر کے جیتا ہے۔ رقیبوں کے طعنوں سے سینہ فگار ہوتا ہے، لڑکوں کے پتھروں سے سر گلنار ہوتا ہے، دن کو ذِلّت وخواری، شب کو انتظار میں اختر شماری۔ بیقراری سے قرار، سب کی نظر میں ذلیل و خوار۔ جنگل میں جی لگتا ہے، بستی اجاڑ معلوم ہوتی ہے، در بدر پھرنے میں دن تو کٹ جاتا ہے، تنہائی کی رات پہاڑ معلوم ہوتی ہے۔ دل جلتا ہے، دیدے سے دریا ابلتا ہے، شجرِ تمنا بے برگ وبار رہتا ہے، پھولتا ہے نہ پھلتا ہے، جوانی کا گُھن، پیری تک

ادھیڑ بن رہتی ہے، گونگا بہرا بن جاتا ہے، طبیعت سُن رہتی ہے۔'' [1]

داستانوں میں یکسانیت

ان تمام قصوں میں پلاٹ نیا نہیں ہے وہی پرانے قصے ہیں۔ اس زمانے کی جتنی بھی داستانیں ہیں اس میں یکسانیت ہے۔ عشق تو داستانوں کا بنیادی عنصر ہے ہی وہ ان سبھی میں ہے لیکن اس کے علاوہ بھی بیانیہ میں بھی یکسانیت ہے تقریباً تمام داستانوں میں بادشاہ بے اولاد ہے۔ سب کو اپنی ڈھلتی عمر کا احساس ہوتا ہے اکثر کو آئینے میں اپنے داڑھی کے سفید بال نظر آتے ہیں پھر وہ اپنی الجھن اپنے عقلمند وزیر سے کہتے ہیں وزیر کسی درویش سے رجوع کرتا ہے اور اس طرح مطلب کی برآوری ہو جاتی ہے باغ و بہار میں بھی نقاب پوش ہے فسانۂ عجائب اور عجائب القصص میں بھی درویش ہے لیکن پھر اولاد کے ساتھ کچھ نہ کچھ انہونی کی پیشن گوئی بھی رہتی ہے۔ ہزار احتیاط کے باوجود انہونی ہوتی ہے اور قصّہ طویل ہوتا ہے۔ اس طرح کی تین داستانوں کی یکسانیت پیش نظر ہے۔ باغ و بہار میں اس کا ایک منظر ملاحظہ ہو:

> ''اسی اُمید میں بادشاہ کی عمر چالیس برس کی ہوگئی۔ ایک دن شیش محل میں نماز ادا کر کر وظیفہ پڑھ رہے تھے ایکبارگی آئینے کی طرف جو خیال کرتے ہیں تو ایک سفید بال موچھوں میں نظر آیا کہ مانند تار مقیّش کے چمک رہا ہے۔ بادشاہ دیکھ کر آبدیدہ ہوئے اور ٹھنڈی سانس بھری پھر دل میں اپنے سوچ کیا کہ افسوس! تو نے اِتنی عمر ناحق برباد کی۔ اور اس دنیا کی حرص میں ایک عالم کو زیر و زبر کیا۔ اتنا ایک جو تو نے لیا اب تیرے کس کام آویگا۔ آخر یہ سارا اسباب کوئی دوسرا اُڑ دیگا۔ تجھے تو پیغام موت کا آ چکا۔ اگر کوئی دن جئے بھی تو بدن کی طاقت کم ہوگی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری تقدیر میں نہیں لکھا کہ وارث چھتر اور تخت کا پیدا ہو۔ آخر ایک روز مرنا ہے اور سب کچھ چھوڑ جانا ہے۔ اِس سے یہی بہتر ہے کہ میں ہی اسے چھور دوں اور باقی زندگی اپنے خالق کی یاد میں کاٹوں۔'' [2]

فسانۂ عجائب میں اس یکسانیت کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

---

[1] فسانۂ عجائب از مرزا رجب علی بیگ سرور، ص ۱۴۰، سنگم پبلشرز، الہ آباد، ۱۹۶۹ء

[2] باغ و بہار از میر امّن دھلوی، ص ۸، رام نرائن لال، ارون کمار، الہ آباد، ۱۹۹۲ء

''لیکن باین حکومت وثروت کا شانۂ امید کا چراغ گُل تھا، اولاد بالکل نہ تھی، خواہش فرزند دِردل۔ نہ ہونے کی کاہش متصل۔ حسرت پسر میں ربّ لَا تَذَرنِی فَرداً وّ اَنتَ خَیرُالوارِثین۔ ہرساعت برزبان۔ رَبّ ھَب لِی مِنَ لَدُنکا وَلیاً۔ وظیفۂ دہان۔ لڑکے کی تمنّا میں بادشاہِ مثل گدا دست دراز۔ ایسا لاپرواہ بے نیاز کی قدرت سے بانیاز۔ آخرش جنابِ باری میں تُضرّع وزاری اُس کی منظور ہوئی۔ لاولدی کی بدنامی دور ہوئی۔ ساٹھ برس کے سِن میں گوہر آبدار، دُرِّ شاہوار صدفِ بطنِ بانوے خجستہ اطوار سے پیدا ہوا، چھوٹا بڑا اس کی صورت کا شیدا ہوا۔''[1]

'عجائب القصص' میں بھی ایسی ہی یکسانیت دیکھنے کوملتی ہے۔

''اس بادشاہ صاحب عدل کی اولاد نہ تھی لیل ونہار اس علم میں اس کے گزرتے تھے ایک دم اس فکر سے خالی نہ تھا، اتفاقاً ایک روز آرسی ھاتھ میں لیکر چہرے کو اپنے دیکھتا تھا یکا یک موئے سفید داڑھی میں نظر آیا دیکھ کر اول آب دیدہ ہوا بعدہ، بے اختیار رویا کہ افسوس عمر آخر ہوئی، یعنی پیغام اجل پہونچا اور میرے یہاں کوئی وارث تاج و تخت پیدا نہ ہوا کہ اس سے تاقیامت میرا نام رہتا اور نگہبان میرے تاج وتخت کا اور ناموس کا ہوتا اسی فکر میں غم آلودہ ہوکر باہر آیا اور دربار کیا۔''[2]

انسانوں کے کچّے عقائد کا ذکر سبھی داستانوں میں موجود ہے۔ بوستان خیال میں اس طرح کے عقائد جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ شادی کے پہلے کنڈلیاں دیکھنا اور نام رکھتے وقت نجومیوں اور اختر شناسوں کی رائے اور موجودگی تقریباً سبھی داستانوں میں موجود ہے۔ فسانۂ عجائب میں جانِ عالم کی پیدائش کے وقت بھی نجومی اور رمال بلائے گئے۔

''نجومی پنڈت جعفر داں حاضر ہوئے بہت سوچ بچار کر برہمنوں نے عرض کی مہاراج کا بول بالا، جاہ حشم مرتبہ دوبالا اعلیٰ رہے۔ ہماری پوتھی کہتی ہے۔ بھگوان کی دیا سے شہزادے کا چندرماں بلّی ہے۔ جو گرہ ہے وہ بھلی ہے۔۔۔۔۔۔۔جلدراج

[1] فسانۂ عجائب از مرزا رجب علی بیگ سرور، ص۱۳۲، سنگم پبلشرز، الہ آباد، ۱۹۶۹ء

[2] عجائب القصص از شاہ عالم ثانی، ص۲۹، مرتبہ راحت افزا بخاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء

براجے۔۔۔۔۔''[۱]

شادی کے رسوم کے لیے بھی نجومی اور اختر شناسوں کا مشورہ درکار تھا۔

''القصہ بموجب اختر شناسان بلند بیں فلک سیر ماضی مستقبل کے حال داں باریک خیال و منجمان صدر نشیں مسند دیر حکم روایان خوش حال مانجھے کا جوڑا دولہن کے گھر سے چلا۔''[۲]

باغ و بہار کا دوسرا درویش جب بیقراری کے عالم میں ہوتا ہے اسے سکون کی تدابیر اس طرح ہوتی ہے کہ اسے نقش و تعویذ دئے جاتے ہیں نجومی اور ستارہ شناس آتے ہیں۔

''حکیموں نے قوتِ دل اور خلل دماغ کے واسطے نسخے لکھے اور ملاؤں نے نقش و تعویذ پلائے اور پاس رکھنے کو دئے۔ دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگے اور نجومی بولے کہ ستاروں کی گردش کے سبب یہ صورت پیش آئی ہے۔ اس کا صدقہ دیجئے۔ غرض ہر کوئی اپنے علم کی باتیں کہتا تھا پھر مجھ پر جو گزرتی تھی میرا دل ہی سہتا تھا۔''[۳]

ساعت اور شبھ لگن دیکھنا، صدقہ کرنا، آنکھ پھڑکنے پر کچھ ہونا، چھینک آنا منحوس ہونا یہ سب باتیں موجودہ دور کے اعتقادات میں بھی شامل ہیں جن کی جھلک تمام مشہور داستانوں میں نظر آتی ہے۔

چھوٹی چھوٹی خوشی کے موقعوں پر جشن آراستہ ہونا سبھی داستانوں کی خصوصیت ہے۔ ان جشنوں میں ناچ گانا، کھانا پینا، شراب شباب سبھی کچھ شامل ہوتا ہے اردو کی ہر داستان میں اس طرح کی جشن آرائی مل جائے گی۔ 'سب رس' جو کہ قدیم ترین داستان ہے اس میں بھی یہ منظر مل جاتے ہیں۔

''سو کہیں پر کنیا ناچتی ہیں، کہیں رامجنیاں ناچتی ہیں، کہیں کنچنیاں کہیں چونے والی ہیں۔۔۔۔ کوئی سارنگ کوئی سازندہ کوئی مچنگ، کوئی ہتھ تال، کوئی چنگ، کوئی عود کوئی بربط اور طرح طرح کے باجے بجاویں ہیں۔''[۴]

---

[۱] فسانۂ عجائب از مرزا رجب علی بیگ سرور، ص ۱۳۳، سنگم پبلشرز، الہ آباد، ۱۹۶۹ء

[۲] فسانۂ عجائب از مرزا رجب علی بیگ سرور، ص ۱۹۷، سنگم پبلشرز، الہ آباد، ۱۹۶۹ء

[۳] باغ و بہار از میر امّن دھلوی، ص ۹۰، رام نرائن لال، ارون کمار، الہ آباد، ۱۹۹۲ء

[۴] سب رس بحوالۂ داستان سے ناول تک از ابن کنول، ص ۴۹، بھارت آفسیٹ پریس، دہلی۔ ۶، ۲۰۰۳ء

''عاشقان کوشراب منع کرنا پڑا پاپ۔۔۔۔''[۱]

ان جشنوں میں سجاوٹ کا بھی اہتمام قابلِ ذکر ہے۔جس کی ایک مثال باغ و بہار سے ملاحظہ ہو:

''روشنی کا یہ عالم تھا کہ شب قدر کی وہاں قدر نہ تھی اور بادشاہی فرش پر مسند مغرّق بچھی تھی۔ مرصع کا تکیہ لگا ہوا اور اس پر ایک شامیانہ موتیوں کے جھالر کا جڑاؤ استادوں پر کھڑا ہوا۔۔۔۔۔مجرائی دست بستہ باادب آنکھیں نیچی کئے ہوئے حاضر تھے اور طوائفیں اور گائنیں سازوں کے سر بنائے منتظر یہ سماں اور یہ تباہی کرّ وفر کی دیکھ کر عقل ٹھکانے نہ رہی دائی سے پوچھا کہ دن کو وہ زیبائش اور رات کو یہ آرائش کہ دن عیداور رات شب برات کہا چاہئیے۔''[۲]

ایسا ہی ایک منظر فسانۂ عجائب سے ملاحظہ ہو:

''مرصع کاری کی بڑی تیاری کی۔نقرئی، دہی کی مٹکی، گلے میں مچھلیاں، ناڑے سے بندھیں، آرائش کے تخت بے حساب اس روشن کے جن کے دیکھنے سے صناعیِ صانع حقیقی کی یاد آئے، گل بوٹا اس سج دھج کا، جونقل اصل کر دکھائے۔آتشبازی کے ٹوکرے قطار در قطار، بی پاپاں سرو، جھاڑ، درخت میوہ دار، ہزار دو ہزار لا بیان، بہت تزک بڑا سامان، آرائش کے گلدستوں سے چمن رواں ساتھ تھا۔سردست یہ باغ ہاتھوں ہاتھ تھا۔''[۳]

ایسی ہی ایک مجلس کا بیان عطا حسین خاں تحسینؔ کی نوطرز مرصع میں بھی نظر آتا ہے:

''غرضکہ اس عزیز نے نہایت تکلف سے مجلس ضیافت کی آراستہ کی اور اسباب عیش و طرب کا جیسا چاہئیے تیار کیا۔کبھی نکتہائے شیریں سے بیچ گوش سامعان مجلس انبساط کے موتی لذت کے پروتا اور کبھی لطیفہ ہائے رنگین سے غنچۂ خاطر حاضران مجلس نشاط کے تئیں شگفتگی عشرت کی دیتا۔ جب کاسہ دماغ کا شراب خرمی کے سے لبریز ہوا۔۔ ۔ایسی خوش الحانی سے نغمۂ تہنیت آمیز شروع کیا کہ ایک مرتبہ اسی کے سننے سے داؤد

---

۱ سب رس، بحوالۂ داستان سے ناول تک از ابن کنول، ص ۳۳، بھارت آفسیٹ پریس، دہلی۔۶، ۲۰۰۳ء

۲ باغ و بہار از میر امّن دھلوی، ص ۵۷، رام نرائن لال، اروِن کمار، الہ آباد، ۱۹۹۲ء

۳ فسانۂ عجائب از مرزا رجب علی بیگ سرور، ص ۱۹۹، سنگم پبلشرز، الہ آباد، ۱۹۶۹ء

بھی وجد میں آجاوے اور جو آواز اس کی بیچ سرزمین ہند کے پہنچے تو بے شائبہ تکلف اودھو نائک اور تان سین سبق تربیت کا بیچ دبستان شوق کے پڑھیں۔۔۔ساقیان خوش لقا جادو ادا بازلف دل آویز و تبسم شکر ریز کے سے گلگوں کے شیشہ سے جام مرصع پر کر کے مشغول مراسم تواضع ولوازم مہمانداری کے تھے۔''[1]

ان جشنوں میں کھانے کا بھی بہت اہتمام ہوتا تھا۔نوطرز مرصع میں کھانوں کے اہتمام کا ایک منظر پیش ہے۔

''اس عزیز نے کمال تکلف سے سامان ضیافت کا مہیا کر کے سفرہ دعوت کا آراستہ کیا اور انواع طعام ہائے لذیذ وخوشگوار واقسام شیرینی ہائے حلاوت بخش و چاشنی دار و اصناف شربت ہائے گلاب و بید مشک و گونا گوں میوہ ہائے تر وخشک وغیرہ ولوازمہ اکل واشرب از قسم نان یزدی و نان ورقی و نان تنکی و نان پنیری و نان خمیری و نان باقر خانی و گاؤ زبانی و گاؤ دیدہ آبی و روغنی و خطائی و شیر مال و نان گلدار و قلیہ و دو پیازہ، نرگسی و شیرازی و زعفرانی و بادامی، کباب، قلیہ، کوفتہ، خاگینہ۔۔۔متنجن، پلاؤ و قورمہ پلاؤ و یخنی پلاؤ و حبشی پلاؤ و بیگمی، چاشنی، عنبری، کاشانی و ماہی کباب و مرغ کباب و سیخ کباب و بیضہ کباب۔۔۔''[2]

اس طرح کا دسترخوان باغ و بہار میں بھی موجود ہے۔

''چار مشقاب ایک میں یخنی پلاؤ دوسرے میں قورمہ پلاؤ تیسرے میں متنجن پلاؤ اور چوتھے میں کوکو پلاؤ اور ایک قاب زردے کی اور کئی طرح کے قلیے، دو پیازہ، نرگسی، بادامی، روغن جوش اور روٹیاں کئی قسم کی۔ باقر خانی، ترکی شیر مال، گاؤ دیدہ، گاؤ زبان، نان نعمت، پراٹھے اور کباب کوفتے کے، تکے کے، مرغ کے، خاگینہ، ملغوبہ، شبدیگ، دم پخت، قلم ہریسہ، سموسے، وافی قبولی، فرنی، شب برنج، ملائی،

[1] نوطرز مرصع از میر محمد حسین عطا خاں تحسین، ص ۱۰۹ تا ۱۱۰، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۹ اے گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲، 2015ء

[2] نوطرز مرصع از میر محمد حسین عطا خاں تحسین، ص ۱۷۶ تا ۱۷۷، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹ اے گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲، 2015ء

حلوا، فالودہ، پن بھتا، نمش، آبشورہ۔۔۔۔۔'' [1]

ان مثالوں کو پڑھنے کے بعد یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام داستانیں یکسانیت سے بھری ہوئی ہیں۔ خواہ وہ مختصر داستانیں ہوں یا طویل داستانیں۔ ان سب کا انحصار اگر تمام تر نہیں تو زیادہ تر مافوق الفطری اور محیر العقول واقعات و کردار پر مبنی ہوتا ہے یہی نہیں بلکہ ان تمام قصوں کا ماخذ اور مرکزی خیال بھی یکسانیت سے بھر پور ہوتا ہے۔ ان سبھی داستانوں میں سامع یا قاری کے تفریح طبع کا سامان فراہم کرنے کے لئے تمام اسباب مہیا کئے جاتے ہیں۔ کھانے کا ذکر ہو یا جشن کی منظر کشی، جنگ کے حیرت انگیز اور مرعوب کن حالات ہوں یا کسی فقیر، بزرگ کی موجودگی یا پھر کوئی نقش یہ سبھی باتیں مختلف شکل میں ہر داستانوں میں موجود نظر آتی ہیں جس میں اس دور کی تہذیب اور مشاغل صاف دکھائی دیتے ہیں۔ ایک بات اور قابل غور ہے کہ ان تمام داستانوں میں کسی کا بھی تعلق سر زمین ہند سے نہیں ہوتا لیکن جب ان قصوں کو پڑھتے ہیں تو ہمیں ان میں ہندوستان کا ہی سماج نظر آتا ہے اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ انھیں چیزوں میں دلچسپی لیتا اور لطف محسوس کرتا ہے جس میں اس کو کچھ اپنا پن نظر آتا ہے اور داستانیں اس طرح کے واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ چنانچہ اطہر پرویز یوں رقم طراز ہیں ۔

> ''ان تمام داستانوں میں ہم ایک اور اہم عنصر دیکھتے ہیں وہ یہ کہ ہیرو چاہے مافوق الفطرت طاقتوں پر قدرت نہ رکھتا ہو لیکن اسے ہمیشہ تائید غیبی حاصل ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نیکی اور اچھائی کا مظہر ہوتا ہے اور یہ عام بات ہے کہ اچھے آدمی کی خدا بھی مدد کرتا ہے۔ اس لیے چاہے اسم اعظم کی برکت ہو، یا کسی بزرگ کا بروقت آنا ہو یا خواجہ خضر کی رہنمائی ہو۔۔۔ ہمیں حیرت انگیز نہیں معلوم ہوتے۔ داستان گو نے اپنے قصے کی بنیاد محیر العقول باتوں پر رکھی ہے اس لیے اسے بعض ناممکن حالات سے بھی گزرنا پڑتا ہے لیکن وہ چاہتا تو یہ ہے کہ یہی ناقابل یقین چیزیں بدیہی بن جائیں۔ اس لیے وہ ایک صورت حال کے بعد دوسری اس سے زیادہ ناممکن صورت حال پیش کرتا جاتا ہے۔ بالآخر کسی مافوق الفطرت طاقت سے مدد لے کر قصے کو اس کے غلط انجام سے بچا لیتا ہے اور اس کا پڑھنے یا اس کا سننے والا اطمینان کا سانس لیتا ہے۔'' [2]

[1] باغ و بہار از میر امّن دھلوی، ص ۶۵، رام نرائن لال، ارون کمار، الہ آباد، ۱۹۹۲ء

[2] داستان کا فن از اطہر پرویز، ص ۴۷، ایم۔ کے۔ آفسٹ پریس، دہلی، ۲۰۱۰ء)

باب دوم

داستان امیر حمزہ کے اردو تراجم

(۱) داستان امیر حمزہ کا تعارف
(۲) فورٹ ولیم کالج کا نسخۂ اشک
(۳) غالب لکھنوی کا نسخۂ رامپور
(۴) مطبع نول کشور کے نسخے
(۵) داستان امیر حمزہ کا مقبول ترین دفتر طلسم ہوشربا

داستان امیر حمزہ کا تعارف

داستان امیر حمزہ کوئی ایک داستان نہیں ۔ یہ داستانوں کا ایک طویل سلسلہ ہے ۔جیسا کہ ابتدا میں مذکور ہے ۔ داستان ایک زبانی بیانیہ ہے اس لئے اس میں تحریر سے زیادہ تقریر کی لذتوں کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے اور بیانیہ کی عظیم الشان مثال داستان امیر حمزہ ہے ۔جس میں ایک رنگ کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کی صلاحیت کارفرما نظر آتی ہے ۔ یہ ایک ایسی روایت ہے جو فارسی سے اردو میں منتقل کی گئی ۔ اگر چہ اس کے بیشتر کرداروں کے اضافے زیادہ تر مطبع نول کشور میں کئے گئے ۔تقریباً سبھی ماہر داستان اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ اس کی بنیادی شاخیں سرزمین ایران میں ملتی ہیں ۔جن میں امیر حمزہ کا ذکر ہے ان کا تعلق سرزمین عرب سے ہے وہ عم رسول ہیں ۔لیکن جو داستان امیر حمزہ ہندوستان میں تصنیف ہوئیں ان کے معاشرتی نقوش ہندوستان میں ہی ملتے ہیں ۔اگر چہ اس کے بنیادی قصے میں کہیں کہیں قاہرہ سمرقند کہیں چین اور مصر کا ذکر ملتا ہے ۔ نیز داستان امیر حمزہ کی زیادہ تر جلدوں پر ترجمہ داستان امیر حمزہ صاحبقراں ہی مرقوم ہے یعنی داستان امیر حمزہ کی اصل فارسی ہے ۔ یہ قصّہ کب اور کس نے لکھا اس سلسلہ میں اختلاف رائے ہے کیونکہ اصل قصّہ اب دستیاب نہیں ۔ ہاں رامپور ہی میں لکھے گئے کچھ فارسی نسخے موجود ہیں جو اصل قصّے کی تصنیف کی طرف اشارے کرتے ہیں لیکن اس سے کوئی قطعی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا[1] مطبع نول کشور نے داستان امیر حمزہ کے سلسلہ کے جتنے بھی دفاتر لکھوائیں ان سب کے سرورق پر لکھا ہے ''ترجمہ داستان امیر حمزہ صاحبقراں'' اس بات سے یہ تو بہرحال ظاہر ہے کہ یہ داستان ترجمہ ہے اس کے اصل راقم کے بارے میں مطبع نول کشور سے چھپی اکثر داستانوں میں فیضی کا ذکر ہے ۔ طلسم ہفت پیکر کے دیباچے میں لکھا ہے :

''امیر حمزہ صاحبقراں جسکو ابوالفیض فیضی فیاضی وزیر ابر بادشاہ نے شہنشاہ اکبر کی
تفریح طبع کے لئے یہ مبسوط داستان تصنیف کی اور امراء وسلاطین کے دربار میں

---

[1] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین ،ص ۲۸۲ تا ۲۸۴ اتر پردیش اردو اکادمی ،لکھنؤ ، ۱۹۸۷ء

داستان گویوں کے حسن بیان سے تا ایں زباں یادگار زمانہ رہی چونکہ شے نایاب تھی
اسلئے ہر شخص چاہتا تھا کہ اسکا ترجمہ اردو میں ہو جائے لہٰذا منشی نول کشور میں دفتر اول
سے دفتر ہشتم ترجمہ ہو کر طبع ہوا۔'' [۱]

گیان چند جین نے 'اردو کی نثری داستانیں' میں ۱۹۶۷ء۔۱۹۶۶ء میں نائب حسین نقوی مرحوم سے ہوئی خط و کتابت کا ذکر کرتے ہوئے ان کے ایک خط کا حوالہ دیا ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ رامپور میں ترجمہ ہوئے احمد علی نام کے شخص کے ایک نسخہ میں بھی فیضی کا ذکر ہے انہوں نے دیباچہ میں لکھا ہے۔

''اکبر کو بیربل نے قصّہ سنایا فیضی کو ڈر تھا کہ بادشاہ اسکی طرف متوجہ نہ ہو جائے لہٰذا یہ
داستان سنانا شروع کی۔'' [۲]

پروفیسر گیان چند جین نے ''اردو کی نثری داستانیں'' میں سید محمود نقوی کے غیر مطبوعہ مقالے کا بھی ذکر کیا ہے جس میں انہوں نے داستان امیر حمزہ کا مصنف فیضی کو ہی بتایا ہے لیکن جین صاحب نے اپنی تحقیقی بصارت سے یہ ثابت کر دیا کہ یہ نتیجہ غلط ہے کیونکہ کچھ نسخوں سے اس بات کی تردید ہوتی ہے مگر وہ خود بھی اس نتیجہ پر نہیں پہونچ سکے کہ اسکا اصل مصنف کون ہے چنانچہ یہ امر ہنوز تاریکی میں ہے۔ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے لمبی چوڑی تحقیقی بحث کرنے کے بعد جین صاحب اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں۔

''داستان امیر حمزہ کا مرقع فیضی سے پہلے تیار ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اس کے معنی یہ
ہیں کہ فیضی اسکے مصنف اصلی نہیں راوی ہو سکتے ہیں لیکن مجھے یہ بھی تسلیم نہیں کہ
فارسی میں اسے فیضی نے لکھا اب تک کی داستان فارسی ضرور تھی، وہ اس شکل میں
ہندوستان میں تیار کی گئی ہو لیکن فیضی نے نہیں کسی دوسرے نامعلوم شخص نے تالیف
کیا۔'' [۳]

یہ نامعلوم شخص کون ہو سکتا ہے اسکی طرف کوئی اشارہ جین صاحب نے نہیں کیا۔ بہر حال داستان امیر حمزہ کی مقبولیت کا راز اسکے اصل فارسی نسخہ میں نہیں بلکہ اردو ترجموں میں مضمر ہے۔ اس کے اردو نسخوں

---

[۱] طلسم ہفت پیکر۔ کتب قصہ جات نثر اردو، ص۲، مطبع نول کشور
[۲] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص۶۹۴ تا ۶۹۵، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء
[۳] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص۶۹۷، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

بالخصوص مطبع نول کشور سے چھپے نسخوں کو اپنے زمانے میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی ممکن ہے کہ باغ و بہار کی طرح یہ داستان بھی اصل قصّہ میں اضافے کے ساتھ پیش کی گئی ہو کیونکہ اسکی طوالت فارسی قصّوں سے زیادہ ہے نیز اکثر مصنفین نے اس بات کا دعویٰ بھی کیا ہے کہ داستان میں اکثر قصّے ان کی ایجاد ہیں اگرچہ قصّوں میں تکرار پیدا ہوگئی ہے۔

داستان امیر حمزہ، امیر حمزہ نامی ایک شخص کی داستان ہے جو تبلیغ اسلام کے لئے نکلا ہے انکا اصل دشمن زمرد شاہ باختری لقا ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے جس کا پیچھا کرتے ہوئے وہ مختلف ممالک میں جاتے ہیں اور وہاں سے کفر کا خاتمہ کر کے لقا کو بھگا دیتے ہیں اور اس طرح داستان فروغ پاتی ہوئی کئی جلدوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے جس کا ذکر بعد میں آئیگا۔ یہ امیر حمزہ کون ہیں پروفیسر گیان چند جین سید محمود نقوی کے غیر مطبوعہ مقالے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''داستان امیر حمزہ کے ہیرو نہ حضرت حمزہ عم رسول ہیں نہ حضرت علی بلکہ ایک اور حمزہ ہیں جس کا ذکر تاریخ سیستاں میں ہے۔''[۱]

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ داستان امیر حمزہ کو اصل مقبولیت اردو تراجم سے حاصل ہوئی جس کے خاص مرکز تھے رامپور اور لکھنؤ لیکن دکن اور دلّی میں بھی داستان امیر حمزہ کے تراجم اردو میں ہوئے۔ اگرچہ ان کی زیادہ تفصیلی معلومات نہیں۔ گیان چند جین اس سلسلے کے ایک ۴۵۸ صفحات کے مخطوطے کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ وہی قصّہ ہے جو یک جلدی داستان امیر حمزہ یا دفتر اوّل نوشیرواں نامہ میں ہے۔

نصیر الدین ہاشمی کے حوالے سے یورپ میں دکھنی مخطوطات میں بھی نسخۂ قصہ جنگ امیر حمزہ کا ذکر ہے[۲]

گیان چند جین کے مطابق دلّی میں داستان امیر حمزہ نویسی کی کوئی روایت نہیں ملتی۔ یہاں داستان گو میر باقر علی دہلوی داستان گو نے داستان امیر حمزہ کی روایت کو برقرار رکھا لیکن کوئی تحریری

۱۔ اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، بحوالہ محمود نقوی کا غیر مطبوعہ مقالہ، ص۶۹۲، اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

۲۔ اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۶۸۲ تا ۶۸۳، اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

روایت نہیں چھوڑی لیکن اردو کی نایاب کتابوں کی مستند ویب سائٹ www.rekhta.com پر داستان امیر حمزہ کا ایک نسخہ موجود ہے جس کا اندرونی کور اور بیک کور (Back Cover) بھی نہیں ہے کہ اس کی سن اشاعت کا پتا چل سکے۔ بس اتنا ہی پتا چلتا ہے کہ جلد تیسری ہے اور مطبع جو ہر ہند دہلی میں جے نرائن کے زیر اہتمام چھپی جس کے سرورق کا عکس باب کے آخر میں منسلک ہے۔

یہ سلسلہ ایک جلد سے شروع ہو کر ۴۶ جلدوں میں پھیل گیا ظاہر ہے یہ طوالت محض ترجمہ نہیں ہو سکتی بلکہ اس میں مصنف کی اپنی فنکاری بھی شامل ہیں۔ اردو میں داستان امیر حمزہ کے کئی سلسلے ملتے ہیں۔

ا۔ فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر گلکرسٹ کے زیر اہتمام خلیل علی خاں اشک کی تصنیف داستان امیر حمزہ جو کہ اب نایاب ہے (۱۸۰۱ء)

۲۔ رامپور میں میر احمد علی داستان گو کے داستان گوئی کے سلسلے کی داستان امیر حمزہ۔

۳۔ مرزا امان علی خاں بہادر غالب لکھنوی کی داستان امیر حمزہ رامپور ہے (۱۸۵۵ء)

اس کے بعد عبد الباری آسی نے بھی ایک نسخہ ترتیب دیا۔ گیان چند جین نے ایک فارسی نسخے رموز حمزہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

۴۔ لکھنؤ میں مطبع نول کشور جنہوں نے اولاً غالب لکھنوی کی داستان امیر حمزہ کو نظر ثانی کروا کے عبداللہ بلگرامی سے تحریر کروایا اور چھپوایا۔

اس کے علاوہ انٹرنیٹ پر ممبئی کے مطبع سپھر مطلع مظفّری سے فارسی کی ایک مختصر سی تیسری جلد رموز حمزہ کے نام سے چھپی ہوئی ملی۔ اس کے علاوہ ریختہ کی ویب سائٹ پر مطبع نول کشور کی یک جلدی چار دفاتر پر مبنی نیز ۴۶ جلدوں کی سبھی داستانیں موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ کے عکس باب کے آخر میں ہیں۔

بعد میں داستان کی مقبولیت کو مدنظر رکھتے ہوئے منشی نول کشور نے کئی منشیوں کو داستان نویسی کے کام پر مامور کیا اور داستان امیر حمزہ کی ۴۶ جلدیں تحریر کرائیں۔ محترم جناب شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کے ذاتی کتب خانے میں یہ تمام جلدیں موجود ہیں جو کہ اب نایاب ہو چکی ہیں۔ جناب فاروقی صاحب کی نوازش کہ انہوں نے ہمیں ان جلدوں سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا۔ نیز غالب لکھنوی اور خلیل علی خاں

۱۔ اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۴۴۳، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

اشک کے داستان امیر حمزہ کے نسخے جواب معدوم ہو چکے ہیں انھیں پڑھنے کا موقع بھی یہیں ملا۔ داستان امیر حمزہ کی ۴۶ جلدوں کے مکمل سیٹ عبداللہ بلگرامی، غالب لکھنوی اور خلیل علی خاں اشک کے نسخے کے علاوہ فاروقی صاحب نے دو تین اور جلدیں بھی دکھائیں جو تقریباً ۱۰۰ صفحات کے ہیں اور تجارتی مقاصد کے تحت لکھے گئے اور اسی نوعیت کی رومانی سی تصویریں ان کے کور پیج پر بنی ہیں۔ یہ پاکٹ سائز ایڈیشن سفر وغیرہ میں ساتھ رکھنے کے لیے بنی ان میں داستان امیر حمزہ کے کسی جلد کے ایک یا دو قصہ کو مختصر کر کے چھاپا جاتا تھا۔ واضح رہے کہ یہ وہ وقت تھا جب کتابیں علم کا ہی نہیں وقت گزاری اور تفریح طبع کا بھی ذریعہ ہوا کرتی تھیں کیونکہ دوسرے ذرائع مفقود تھے۔ چنانچہ ان خصوصی اشاعتوں کو خاصی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اگرچہ یہ جلدیں بالکل غیر اہم ہیں لیکن ان جلدوں سے داستان امیر حمزہ کی ہی نہیں داستان گوئی کی مقبولیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جن ناولوں پر آج T.V. سیریل بن جاتا ہے ان کی فروخت بازار میں بڑھ جاتی ہے۔ داستان امیر حمزہ کے یہ بازاری نسخے بھی داستان گوئی کی مقبولیت کا ثبوت ہیں اور یہ کہ ہر کس و نا کس اسے خریدنا چاہتا ہے اس لئے یہ سستے داموں پر چھپ کر بکتی رہی ہو گی۔ یہ تو اس دور کی باتیں ہیں جب داستانیں بے حد مقبول ہوا کرتی تھیں اور بے حد مہنگی ہونے کے باوجود اس کے کئی ایڈیشن چھپتے تھے لیکن اس کے مابعد بھی داستان امیر حمزہ کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں ہوئی اگرچہ اس طلسمی سلسلے کی ضخیم جلدیں چھپنا بند ہو گئیں تھیں لیکن قصہ اب بھی مقبول تھا اس کی مثال ممبئی سے ۲۰۱۳ء میں جوہر ادب پبلیکیشنز نے داستان امیر حمزہ سے چنندہ قصوں کو مختصراً تقریباً ۳۷ قسطوں میں چھاپا یہ رنگین نسخے بچوں کے لیے خاص دلچسپی کے حامل ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی کی نگرانی میں اوکسفرڈ پریس کراچی سے جو غالب لکھنوی کے یک جلدی نسخہ داستان امیر حمزہ کی طباعت ہوئی اس کی سافٹ اور ہارڈ کاپی تجارتی ویب سائٹ amazon.com پر موجود ہے۔ اسی دوران طلسم ہوشربا پر ٹی۔وی۔ سیریز بھی شروع ہوئی۔

فورٹ ولیم کالج کا نسخۂ اشک

داستان امیر حمزہ کے بیان و تصنیف کے یہ سبھی سلسلے اپنی اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں۔ پہلے نمونے خلیل علی خاں اشک کے نسخے کی اہمیت اس لئے زیادہ ہو جاتی ہے کہ اسی نسخے کو بنیاد بنا کر ہی اس

طلسماتی سلسلے کی کئی شاخیں پھوٹیں اور اسے بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔فورٹ ولیم کالج کے زیر اہتمام تصنیف اس نسخے میں خلیل علی خاں اشک موقف قصہ یوں بیان کرتے ہیں ۔

''بنیاد اس قصہ دلچسپ کی سلطان محمود بادشاہ کے وقت سے ہے اور اس زمانے میں جہاں تک راویان شیریں کلام تھے انہوں نے آپس میں مل کر واسطے سنانے اور یاد دلانے منصوبے کے گڑا ہوا اور قلعہ گیری اور ملک گیری کے خاص بادشاہ کے واسطے امیر حمزہ کی چودہ جلدیں تصنیف کی تھیں۔ ہر رات میں ایک ایک داستان حضور میں سناتے تھے انعام واکرام پاتے تھے۔اب شاہ عالی جاہ عالم بادشاہ کے عہد میں مطابق سنہ بارہ سو پندرہ ہجری اور سن اٹھارہ سو ایک عیسوی کے خلیل علی خاں نے جو متخلص با اشک ہے حسب خواہش مسٹر گلکرسٹ صاحب عالی شان والا مناقب بنا پر نو آموزوں زبان ہندی اس قصہ کو زبان اردوئے معلیٰ میں لکھا تا کہ صاحبان سند بان کے پڑھنے میں آسان ہوئے۔'' [1]

اس اقتباس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصہ نو آموزگان اردو کے لئے تحریر کیا گیا جس کا ایک مقصد اردو زبان کو مقبول خاص عام بنانا بھی تھا۔اس کا انداز تحریر بیانیہ ہی تھا کیونکہ اس دور میں داستان گوئی کا رواج عام رہا ہوگا۔اس قصے کے محمود غزنوی سے جڑے ہونے کی تصدیق نہیں ملتی۔ داستان امیر حمزہ کی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب فاروقی صاحب لکھتے ہیں ۔

''خلیل علی خاں اشک نے اپنی داستان کے بارے میں یہ فرضی بات لکھی ہے کہ اسے محمود غزنوی کے وقت میں تصنیف کیا گیا۔ممکن ہے یہ بات اس نسخے میں درج ہو جس کا ترجمہ انہوں نے کیا، یا انہوں نے اپنی طرف سے لکھ دی ہو۔زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ یہ بات ان کے زمانے میں شہرت رکھتی ہو اور انہوں نے بر بنائے شہرت اسے لکھ دیا ہو۔ بہر حال یہ بات تو طے ہے کہ وہ داستان گو تھے جیسا کہ گلکرسٹ نے لکھا ہے۔وہ خود کو شاہان مغلیہ اور شہزادگان ونوابان کا خاندانی داستان گو بتاتے تھے۔گلکرسٹ کو انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ پوری داستان کا ترجمہ کر رہے ہیں اور یہ سارا قصہ کو پندرہ بیس جلدوں میں سمائے گا۔'' [2]

---

[1] داستان امیر حمزہ از خلیل علی خاں اشک،ص ا، ذاتی کتب خانہ شمس الرحمن فاروقی

[2] ساحری،شاہی اور صاحبقرانی: جلد اول از شمس الرحمٰن فاروقی،ص ۲۱۰،قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،نئی دہلی، ۱۹۹۹ء

اس کے بعد فاروقی صاحب تصدیق کے لئے گلکرسٹ کے درج ذیل الفاظ بھی نقل کرتے ہیں ۔

"If as Khuleel Khan,one the learned natives of the college, and who now considers himself the Heriditary Story Teller of the Emperor,Princess and Nobles of India, Asserts, the historical Romance of Umeer Hamza himself,which he to now translating will consist of 15 or 20 large volumes,the patrons and admiress of Hindoostanee mays in this branch alone, hail an inexhastible fund of legendary narrative and diversion."

"The Hindu Story Teller,or Entertaining Expositer of the Roman, Persian and nagaree characters,simple and compound, in their Application to the Hindoostanee Language, as a written and Literary Vehicle."

''مطبوعہ کلکتہ ۱۸۰۲ء کی جلد دوم کے صفحہ iii سے لیا گیا ہے لہٰذا اس میں تو کوئی شک نہیں کہ خلیل علی خاں اشک داستان گو تھے اور چونکہ پندرہ بیس جلدوں کی داستان امیر حمزہ کبھی عربی میں تھی نہ فارسی میں لہٰذا وہ ترجمے کے نام پر وہی داستان لکھ رہے تھے جو وہ فراغت کی محفلوں میں زبانی سنایا کرتے رہے ہونگے۔ ان کی داستان، جیسی کہ ہم تک پہنچی ہے ترجمہ سے زیادہ طبع زاد معلوم ہوتی ہے۔ یہی حال غالب لکھنوی کا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ترجمہ کے نام پر طبع زاد داستان لکھ رہے تھے اس کا ثبوت نہ صرف اس بات میں ہے کہ اب تک نہ اشک کی داستان کی فارسی اصل دریافت ہوسکی نہ غالب لکھنوی کی۔'' [1]

[1] ساحری، شاہی اور صاحبقرانی: جلد اول از شمس الرحمٰن فاروقی، ص ۲۱۰ تا ۲۱۱، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء)

فاروقی صاحب کے اس طویل اقتباس کو پیش کرنے کی ضرورت اس لئے تھی کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ترجمہ والی بات فرضی تھی اور اپنی تصنیف کو اہم بنانے کے لیے لکھی گئی تھی۔ اشک نے انہیں قصوں کو ۱۰۔۲۰ جلدوں میں بیان کرنے کی بات کی جسے وہ زبانی محفلوں میں سنایا کرتے تھے۔ فارسی میں جو قصے رموز حمزہ اور زبدۃ الامور میں ملتے ہیں ان کی ان قصوں سے مماثلت نہیں پائی جاتی۔ لیکن گیان چند جین اشک کی داستان امیر حمزہ کو ترجمہ ہی مانتے ہیں اور اس ذیل میں وہ کئی فارسی اور کئی دکنی نسخوں کی نشاندہی کرتے ہیں لیکن اشک کی داستان اگر ترجمہ ہوتی تو وہ اس مخصوص نسخے کا ذکر بھی کرتے جسے سامنے رکھ کر ترجمہ کیا گیا۔ نیز گلکرسٹ اور خود اشک بھی ایسے کسی نسخے کا ذکر نہیں کرتے۔ لہٰذا فاروقی صاحب کی بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ داستانیں بیانیہ تھیں اس لئے اپنے بیان کو کسی بڑی ذات یا بڑی تخلیقی روایت سے وابستہ کر دینے سے اس کی اہمیت میں اضافہ ہو جاتا ہے[1] ایران اور عرب دوادب کے بڑے مراکز تھے۔ نیز داستان گوئی کی روایت بھی عرب اور ایران سے ہی ہندوستان آئی۔ لہٰذا داستانوں کا وزن بڑھانے کے لئے اس طرح کی دعوے داری کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ آگے کی داستانوں میں بھی اس طرح کے دعوے نظر آتے ہیں۔ بہر کیف اشک کی داستان ترجمہ ہو یا تصنیف اس میں کوئی شک نہیں اس روایت کو بنیاد بنا کر ہی شمالی ہند میں داستان امیر حمزہ کا سلسلہ فروغ پایا۔ یہ نسخہ ۱۸۰۱ء میں چھپا اور کم وبیش پوری ۱۹ ویں صدی پر داستان امیر حمزہ کی روایت چھائی رہی۔ رامپور میں تو نوابی ریاست تھی اور پہلے ہی سے داستانوں کا رواج عام تھا۔ لہٰذا داستان امیر حمزہ کو رامپور میں بھی کافی عروج ملا۔ لکھنؤ کے مشہور داستان گو میر احمد علی[2] بعد میں رامپور چلے گئے تھے اور انہوں نے وہاں داستان امیر حمزہ کی روایت کی بنیاد ڈالی۔ بعد میں ان کے شاگرد حکیم سید اصغر علی خاں داستان گو نے اسی روایت کو آگے بڑھایا اور داستان امیر حمزہ کی کئی جلدیں تصنیف کیں۔ ان کے بیٹے ضامن علی جلال لکھنوی نے بھی داستان امیر حمزہ تحریر کیں۔ میر احمد علی کے شاگرد منشی انبا پرشاد رسا لکھنوی نے بھی کئی جلدیں تحریر کیں۔ ان کے بیٹے منشی غلام رضا نے بھی طلسمی دفتر لکھے۔ مہد علی خاں ذکی مرادآبادی،

---

[1] شمس الرحمٰن فاروقی سے زبانی گفتگو

[2] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۲۰۶، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

شفیع علی خاں لکھنوی، منیر شکوہ آبادی، سید جعفر شاہ واسق، حیدر مرزا تصور لکھو ہتک لکھنوی، مرتضیٰ حسن رضا لکھنوی، مرزا علیم الدین، مرزا کلن داستان گو وغیرہ وہ مصنف ہیں جنہوں نے رامپور میں ایک یا متعدد طلسمی دفاتر تحریر کئے[1] ان میں طلسم ہوشربا سے موسوم دفاتر بھی شامل ہیں، ان میں سے بیشتر کا تعلق لکھنؤ سے تھا اس لئے ان داستانوں کو لکھنوی مزاج سے الگ کر کے دیکھا نہیں جاسکتا۔ دوسری بات یہ کہ یہ تمام لوگ داستان گو تھے اس لئے یہاں تحریر سے زیادہ تقریر کی لذتوں کو مدنظر رکھا گیا اور یہ تحریری شکل میں زیادہ مقبول نہ ہوئیں۔ ان داستانوں کے مخطوطے رضا لائبریری رامپور اور چند اور کتب خانوں میں موجود ہیں۔

غالب لکھنوی کا نسخۂ رامپور

غالب لکھنوی کا جو نسخہ فاروقی صاحب کے کتب خانے میں دستیاب ہے اس کا پہلا صفحہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کا سنہ اشاعت اور مطبع کا نام پتہ نہیں چلتا لیکن مصنف اس داستان کی ابتدا میں یوں تحریر کرتے ہیں ۔

> ''سبب اس کے اس جلد میں چار چیزیں ہیں رزم بزم طلسم اور عیاری اس لئے مترجم نے فارسی کی چودہ جلدوں کا ترجمہ کر کے چار جلدیں کیں ۔۔ بنیاد اس قصۂ دلچسپ سلطان محمود کے وقت سے ہے۔۔۔'' [2]

یعنی یہ قصہ چودہ سے چار جلدوں میں کیا گیا لیکن ان چودہ جلدوں کی نشاندہی نہیں کی گئی۔ یہاں بھی اشک کی طرح محمود غزنوی کی بلا تصدیق روایت ملتی ہے۔ ان چاروں جلدوں کو ایک دفتر میں مجلد کیا گیا ہے۔ یہاں ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ ایک جلد سے مراد ایک کتابی شکل نہیں ہے کیونکہ غالب لکھنوی کی چار جلدیں ایک کتابی شکل میں ہیں اور طلسم ہوشربا کی ایک جلد دو حصوں میں یعنی دو کتابی شکل میں ہے۔

غالب لکھنوی کی داستان امیر حمزہ بھی اشک کی طرح شہر مداین کے بادشاہ قباد کامران کے نام سے شروع ہے جو عدالت گستری میں اپنا عدیل نہیں رکھتا۔ بخت جمال نامی حکیم جو علم وحکمت رمال ونجوم کا

---

[1] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۷۰۶، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

[2] داستان امیر حمزہ از غالب لکھنوی، ذاتی کتب خانہ شمس الرحمٰن فاروقی

ماہر ہے ملک القش وزیر شاہ نے اس کی شاگردی اختیار کی اور علم و نجوم میں خواجہ کے برابر ہو گیا۔ جب خواجہ کے ہاتھ خزانہ آیا تو القش نے خواجہ کو قتل کیا اور خزانہ کا مالک بن گیا اور اس طرح داستان کا سلسلہ آگے بڑھا۔خواجہ کی وسیعت کے مطابق جب خواجہ کی بیوی کو بیٹا پیدا ہوا تو اس کا نام زمر چہر رکھا گیا۔اس کے گھر میں طاق پر ایک کتاب تھی جس سے اسے اپنے باپ کے قاتل کا نام معلوم ہوا۔زمر چہر نے جب بادشاہ کو خواب کی تعبیر بتائی اور اس کے سامنے القش کا طلسم بیان کیا تو اس نے القش کو قتل کرا دیا۔بادشاہ قباد کے ایک بیٹا ہوا جس کا نام نوشیرواں رکھا۔اس نوشیرواں پر ہی پوری داستان امیر حمزہ کے تانے بانے بنے گئے ہیں اور نادیدہ عشق کی کارفرمائیاں مافوق فطری کردار و واقعات قصے کو آگے بڑھانے میں معاون ہوئے۔خواجہ زمر چہر عبدالمطلب کو خط لکھ کر زیارت کے لئے مکہ گئے۔ان کے گھر ایک بیٹا پیدا ہوا جس کے لئے خواجہ نے پیشن گوئی کی کہ ’’اس کے زیر دست کفر کا تنزل اور اسلام کی ترقی ہوگی۔‘‘ یہ وہی لڑکا (امیر حمزہ) جو شاہان ہفت اقلیم کا خراج لے گا۔اسی دن امیّہ ضمیری کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اس کے بارے میں خواجہ نے پیشن گوئی کی کہ یہ شاہان عیاران روزگار ہوگا۔یہ دو کردار یعنی امیر حمزہ صاحبقراں اور عمر و عیار نظر کردۂ پیغمبراں ہیں اور داستان امیر حمزہ کے مرکزی کردار ہیں جو تقریباً آخیر تک کی داستانوں میں موجود ہیں۔ان دونوں کی آمد کے بعد ہی داستان میں رزم خیر و شر عیاریاں جن و پری کے کردار شامل ہوئے ہیں۔امیر حمزہ کوہ قاف جاتے ہیں پھر کفر و اسلام کی جنگ ہوتی ہے۔کچھ کو مطیع اسلام کرتے ہیں جو مطیع نہیں ہوتے ان کا خاتمہ کرتے ہیں۔آخر میں وہ فتح مکہ کے لئے نکلے۔آخری جلد تک بعثت رسول ہو چکی ہے۔جنگ میں حضورؐ کا دانت شہید ہوا حضرت حمزہ بھی شہید ہوئے اس وقت قرینہ (جو کوہ قاف کی پری کے بطن سے ہے) باپ کا بدلہ لینے آئی حضورؐ نے اسے روکا اسی وقت سورہ جن نازل ہوئی اور داستان کا اختتام ہوا۔

مطبع نول کشور کے مطبوعہ نسخے

داستان امیر حمزہ کی جس روایت نے داستان امیر حمزہ کو نئی نسل تک پہونچایا وہ لکھنوی روایت خصوصاً مطبع نول کشور ہے۔ جہاں پہلے عبداللہ بلگرامی نے اشک کی داستان کو اپنے الفاظ میں منتقل کیا۔

بعد میں اس کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے منشی نول کشور نے اسے اپنے مطبع سے چھاپنے کی اجازت چاہی۔ اجازت نہ ملنے پر بعد میں منشی نول کشور کے حکم سے مولوی سید محمد عبداللہ بلگرامی نے اس پر نظر ثانی کر کے ۱۸۷۱ء میں یہ نسخہ مطبع سے شائع کیا۔ اس نسخے اور غالب لکھنوی کے نسخے میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ بعد میں اس قصے کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے مطبع نے کئی منشیوں کو اس کام پر مامور کیا اور اس طرح ۴۶ جلدوں کا طویل سلسلہ مرقوم ہوا۔

چونکہ عبداللہ بلگرامی نے غالب لکھنوی والے قصے میں کوئی خاص ترمیم نہیں کی اس لئے غالب لکھنوی کے قصے کو ہی داستان امیر حمزہ کے طویل سلسلے کی بنیاد ماننا چاہئے۔ غالب لکھنوی بھی داستان امیر حمزہ کو اشک کی طرح ترجمے کا ہی نام دیتے ہیں اور سرورق پر لکھا ہے:

''ترجمہ داستان صاحبقران گیتی ستاں عم پیغمبر آخرالزماں امیر حمزہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔''[۱]

مطبع نول کشور نے جب عبداللہ بلگرامی سے داستان امیر حمزہ تصنیف کرائی تو انہوں نے غالب لکھنوی کی داستان امیر حمزہ کے چار دفتر کو اپنی زبان میں منتقل کر کے مطبع نول کشور سے شائع کروا دیا۔ بعد میں اس کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے نول کشور پریس نے ۴۶ جلدوں کا طویل دفتر تحریر کروایا جو ۱۸۸۱ء سے ۱۹۰۹ء اور پھر ایک جلد ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی۔ جس کی تفصیل گیان چند جین کی اردو کی نثری داستانوں میں درج ذیل ہے۔

دفتر	عنوان	جلدیں		نام مؤلف	سنہ اشاعت
۱۔	نوشیرواں نامہ	دو جلد	مؤلف	تصدق حسین	۱۸۹۳ء
	ہرمز نامہ	۱ جلد	''	تصدق حسین	۱۹۰۰ء
	ہومان نامہ	۱ جلد	''	احمد حسین قمر	۱۹۰۱ء
۲۔	کوچک باختر	۱ جلد	''	تصدق حسین	۱۸۹۲ء کے بعد
۳۔	بالا باختر	۱ جلد	''	''	۱۸۹۲ء کے بعد

[۱] داستان امیر حمزہ از غالب لکھنوی سرورق، ذاتی کتب خانہ شمس الرحمٰن فاروقی

۴۔ ایرج نامہ	۲ جلد	,,	,,	۱۸۹۲ء کے بعد
۵۔ طلسم ہوش ربا	جلد اول	,,	محمد حسین جاہ	۱۸۸۱ء
	جلد دوم	,,	محمد حسین جاہ	۱۸۸۹ء۔ ۱۸۸۴ء
	جلد سوم	,,	,,	۱۸۸۹ء،۱۸۸۸ء
	جلد چہارم	,,	,,	
	جلد پنجم حصّہ اول		احمد حسین قمر	۱۸۹۱ء
	جلد پنجم حصّہ دوم		,,	
	جلد ششم		,,	۱۸۹۲ء
	جلد ہفتم		,,	۱۸۹۲ء تا اوائل ۱۸۹۳ء
۶۔ صندلی نامہ	ا جلد		محمد اسمٰعیل اثر	۱۸۹۵ء
۷۔ تورج نامہ	جلد اول		پیارے اعانت تصدق حسین	
	جلد دوم		تصدق حسین بہ تصحیح اسمٰعیل اثر	
۸۔ لعل نامہ	دو جلد		تصدق حسین	۱۸۹۶ء
آفتاب شجاعت	۵ جلد		,,	۱۹۰۸ء۔۱۹۰۳ء
گلستان باختر	جلد اول و دوم		تصدق حسین بہ تصحیح اسمٰعیل اثر	۱۹۱۷ء بعد وفات مصنف
طلسم نور افشاں	۳ جلد		احمد حسین قمر	۱۸۹۶ء
بقیہ طلسم ہوشربا	۲ جلد		احمد حسین قمر	۱۸۹۷ء
طلسم ہفت پیکر	۳ جلد		,,	۱۹۰۰ء

طلسم نوخیز جمشیدی	۳ جلد	”	۱۹۰۱ء
طلسم زعفران زار سلیمانی	۲ جلد	احمد حسین قمر تصدق حسین ترتیب اسمٰعیل اثر [1]	۱۹۰۵ء

دفاتر مذکورہ کی فہرست دفتر اول نوشیرواں نامہ میں پہلے صفحہ پر بھی موجود ہے جس کا عکس اختتام باب میں منسلک ہے۔مگر شمس الرحمٰن فاروقی کے مطابق یہ کہ طلسم ہوشربا کی ایک نئی جلد دریافت ہوتی ہے۔اور نیز یہ کہ واقعات کے منظر نامے کے پس منظر میں داستان کی جلدوں کی ترتیب کچھ مختلف ہو جاتی ہے جو کچھ اس طرح ہے۔

۱۔	نوشیرواں نامہ	اول
۲۔	ہومان نامہ	
۳۔	نوشیرواں نامہ	دوم
۴۔	ہرمز نامہ	
۵۔	کوچک باختر	
۶۔	بالا باختر	
۷۔	ایرج نامہ	اول
۸۔	ایرج نامہ	دوم
۹۔	طلسم ہوشربا	اول
۱۰۔	”	دوم
۱۱۔	طلسم ہوشربا	سوم
۱۲۔	بقیہ ”	اول

[1] اردو کی نثری داستانیں از گیان چند جین، ص ۶۸۴ تا ۶۸۶ اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

۱۳۔	،، ،،	دوم
۱۴۔	،،	
۱۵۔	طلسم ہوشربا	چہارم
۱۶۔	طلسم ہوشربا	پنجم
۱۷۔	طلسم ہوشربا	ششم
۱۸۔	،،	ہفتم
۱۹۔	طلسم نور افشاں	اول
۲۰۔	،،	دوم
۲۱۔	،،	سوم
۲۲۔	طلسم ہفت پیکر	اول
۲۳۔	،،	دوم
۲۴۔	،،	سوم
۲۵۔	طلسم خیال سکندری	اول
۲۶۔	،،	دوم
۲۷۔	،،	سوم
۲۸۔	طلسم نوخیز جمشیدی	اول
۲۹۔	،،	دوم
۳۰۔	،،	سوم
۳۱۔	سلطان زعفران زار سلیمانی	اول
۳۲۔	،،	دوم
۳۳۔	صندلی نامہ	

۳۴۔	تورج نامہ	اول
۳۵۔	”	دوم
۳۶۔	بہ آفتاب شجاعت	اول
۳۷۔	”	دوم
۳۸۔	”	سوم
۳۹۔	”	چہارم
۴۰۔	”	پنجم اول
۴۱۔	بہ آفتاب شجاعت	پنجم دوم
۴۲۔	گلستاں باختر	اول
۴۳۔	”	دوم
۴۴۔	”	سوم
۴۵۔	لعل نامہ	اول
۴۶۔	لعل نامہ	دوم [۱]

گویا داستان امیرحمزہ داستانوں اور وقوعوں کا ایک مربوط سلسلہ ہے۔ ہر سلسلے کا اختتام ایک نئے سلسلے کی بنیاد ڈالتا ہے اور داستان سینہ بہ سینہ چلتی رہتی ہے۔ حمزہ کے بعد حمزہ ثانی عمروعیار کے بعد عمروثانی پھر لقا ثانی وغیرہ کا وجود ہوتا ہے اس لئے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر ماحول نہ بدلتا تو داستان امیرحمزہ میں لقا ثالث اور چہارم کی گنجائش بھی تھی جو آج تک اس داستانوی سلسلے کو برقرار رکھ سکتی تھی۔ اگر روایتی قصے کے نقطۂ نظر سے دیکھیں تو اشکؔ اور غالب لکھنوی کی داستان امیرحمزہ کے نقوش محض نوشیرواں نامہ میں دیکھے جا سکتے ہیں باقی جگہ ایجادات نو ہے اس لئے انہیں طبع زاد کہنا چاہئے اور قصہ گوئی کی روایات اور تقاضوں کے مدنظر تحریر کی گئیں چونکہ داستانیں زبانی بیانیہ ہیں اس لیے داستان گو موقع و محل

[۱] ساحری، شاہی، اور صاحبقرانی: جلد دوم از شمس الرحمٰن فاروقی، ص ۶۳ تا ۶۵، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء

کے لحاظ سے اضافے کرتا تھا اور داستان کو طویل سے طویل تر کر کے سحر، حسن وعشق، عیار و جنگ کا ایک مسلسل جال بُنتا تھا اور عمرو کے جال الیاسی کی طرح سامع اس میں پھنستا چلا جاتا تھا، جس میں قاری محصور ہو کر رہ جاتا تھا۔ یہ صفت کم وبیش سبھی داستان گویوں یا داستان نویسوں میں پائی جاتی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی بھی داستان کی اس صفت کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

> ''داستان امیر حمزہ کے لکھنے والوں نے اپنے عمل کو ''ترجمہ''، ''تحریر''، ''تالیف''، ''تصنیف''، ''ترتیب''، ''تدوین'' بتایا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب الفاظ کسی نہ کسی موقعے پر داستان کے مختلف اجزا پر صادق آسکتے ہیں۔ لیکن یہ بات کبھی واضح نہیں ہوتی کہ ان داستان گویوں کا طریق کار کیا تھا؟ یعنی داستان بنانے رسنانے کا عمل کس طرح ظہور پذیر ہوتا تھا؟ وہ داستان جو سنائی جاتی تھی، یا وہ جو سنائے جانے کے انداز میں لکھی جاتی تھی، وہ وجود میں کس طرح آئی تھی؟ امیر حسن نورانی نے نول کشور پریس کے بعض پرانے ملازموں کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ داستان امیر حمزہ کی تمام جلدیں داستان گویوں نے فی البدیہ تحریر کیں۔''[1]

داستان امیر حمزہ کی یہ ۴۶ جلدیں کسی ایک مصنف کی تصنیف کردہ نہیں ہیں۔ لہٰذا اس میں کہیں مخصوص امکانات کی تلاش بیجا ہوگی کیونکہ ان کا بنیادی مقصد تحریر نہیں بلکہ داستان گوئی کے سلسلے کو برقرار رکھنا تھا اس لئے قصہ در قصہ کی روایت یہاں بھی ملتی ہے۔ اگرچہ اس دور کی اپنی مخصوص زبان تھی اس لئے اس میں زبان و بیان کی کافی مماثلت ملتی ہے لیکن ہر داستان گو پہلے داستان گو سے سبقت لے جانے کی کوشش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔ داستان گو کے فن و ہنر کے سارے جوہر عیاروں کی عیاری اور ساحروں کے سحر ایجاد کرنے میں صرف ہوتے ہیں اور اسی لئے یہ داستان اشک و غالب کی داستانوں سے مختلف ہیں۔ اشک و غالب کی داستان امیر حمزہ میں قصے کا مرکزی کردار نوشیرواں ہے۔ مگر داستان امیر حمزہ کے طویل سلسلے میں جسے سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی وہ طلسم ہوشربا کے سات دفتر ہیں جنھیں محمد حسین جاہ اور احمد حسین قمر نے لکھا ہے۔ اس میں مرکزی کردار امیر حمزہ اور عمرو عیار ہیں۔

غالباً اس کی مقبولیت کی وجہ یہ تھی کہ داستان گوئی کے لیے لکھنؤ کی فضا سازگار تھی احمد حسین قمر ماہر

---

[1] ساحری، شاہی، صاحبقرانی: جلد اول از شمس الرحمٰن فاروقی، ص ۳۷-۳۴، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۹۹ء

داستان گو تھے انہیں عوام کے ذہن پر گرفت کرنے پر مہارت حاصل تھی اور پھر لکھنؤ سے بڑھ کر داستان گوئی کا چرچہ کہیں نہیں تھا۔ چنانچہ محمد حسین جاہ نے جس دلچسپی اور سحر آمیز انداز میں داستانوں کے چار دفاتر ترتیب دیے قمر نے اس میں مزید دلچسپی کے عناصر پیدا کیئے ظاہر ہے یہ کسی با کمال کے بس کی ہی بات تھی کہ طلسم ہوشربا کے قبل کے سلسلے ایرج نامہ میں جو باتیں وقوع پذیر ہو چکیں انہیں کو آگے بڑھاتے ہوئے طلسم ہوشربا کو قلم بند کیا جائے جس کے مصنف تصدق حسین تھے۔ لیکن جاہ اور قمر کے قلم سے یہ داستان جو کہ فارسی سے اردو میں آئی تھی اور اس کی اصل فارسی تھی اردو میں منتقل ہو سکی اور وہ قصہ جو تصدق حسین نے تحریر کرنا شروع کیا اسے چھ راقموں نے مل کر ایک مربوط داستانوی سلسلہ بنا دیا۔ چنانچہ داستان امیر حمزہ کی اہمیت پر گذشتہ لکھنؤ میں شؔرر یوں رقمطراز ہیں۔

''ان سے زیادہ قابل توجہ داستان گوئی ہے، جو دراصل فی البدیہہ تصنیف کرنے کا نام ہے۔ یہ فن اصل میں عربوں کا ہے، جہاں عہد جاہلیت میں بھی داستان گوئی کی صحبتیں مرتب ہوا کرتی تھیں لیکن ہندوستان گوئی کی نسبت ہم نہیں جانتے کہ عرب کی قصّہ خوانی سے ان کا کوئی رشتہ ہے یا نہیں۔ امیر حمزہ کی داستان جو داستان گویوں کی اصلی اور حقیقی جولاں گاہ ہے، وہ دراصل فارسی میں تھی اور کہتے ہیں کہ شہنشاہ اکبر کے زمانے میں امیر خسرو نام ایک قابل شخص نے اسے تصنیف کیا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ ملوک تغلق کے عہد میں بھی داستان امیر حمزہ موجود تھی۔

دہلی کے مشہور داستان گو لکھنؤ میں آنا شروع ہوے۔ یہاں افیونیوں نے اُن کی یہاں تک قدر کی کہ داستان سننے کو اپنی صحبتوں کا ایک عنصر اعظم قرار دے دیا۔ پس چند ہی روز میں لکھنؤ کے اندر اس کو اس قدر فروغ ہو گیا کہ کوئی دولت مند نہ تھا جس کی سرکار میں کوئی داستان گو نہ مقرّر رہو۔ سیکڑوں داستان گو پیدا ہو گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمارے آج کل کے مقبول سے مقبول اسپیکروں میں سے ابھی تک کسی کو قصہ بیانی میں وہ درجہ نہیں نصیب ہو سکا ہے جو قادر الکلام داستان گوئیوں کو حاصل تھا۔ دہلی میں بھی دو ایک صاحب کمال داستان گو آج تک پڑے ہیں، مگر لکھنؤ میں اُن کا شمار بہت زیادہ ہے اور ان کے طرز تقریر کا اثر عوام شہر کی زبانوں پر بے حد پڑ گیا ہے۔ ناولوں کا

ذوق پیدا ہونے کے بعد جب اِس بات کی کوشش کی گئی کہ داستان کو داستان گویوں
ہی کی زبان میں قلم بند کرا لیا جائے تو لکھنؤ ہی ایسے با کمال داستان گو پیش کر سکا
جنھوں نے ضخیم جلدیں لکھ کے اردو داں پبلک میں پھیلا دیں۔ چنانچہ جاہ اور قمر کے
تصانیف ملک میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔'' [1]

داستان امیر حمزہ کا مقبول ترین دفتر طلسم ہوشربا

داستان امیر حمزہ میں دفتر طلسم ہوشربا کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ طلسم ہوشربا ایک ایسی طلسمی حکومت کی کہانی ہے جس میں بدیع الزماں بن حمزہ ایک دن شکار کھیلتے ہوئے داخل ہو جاتے ہیں اور ایک ساحرہ تصویر جادو کے عشق میں گرفتار ہو کر مقید ہوتے ہیں۔ تصویر جادو بھی قید میں داخل ہوتی ہے اور سلسلہ آگے بڑھتا ہے۔ جب لشکر حمزہ میں یہ خبر پہنچی تو ان کے بھانجے اسد غازی ماموں کی رہائی کے لئے داخل طلسم ہوتے ہیں اور آغاز قصّہ ہوتا ہے اور ایک نئے طلسم کی داستان شروع ہوتی ہے۔ طلسم ہوشربا کا بادشاہ افراسیاب جادو ہے جو شریک لقا ہے۔ طلسم ہوشربا سے پہلے کے دفتر میں حمزہ لقا کا پیچھا کرتے کرتے کوہ عقیق سلیمانی تک پہونچتے ہیں وہاں کی ریاست کے مالک سلیمان عنبریں موی کو ہی کو افراسیاب لقا کے مدد مانگنے پر اس کی حفاظت کے لئے مامور کرتا ہے۔ طلسم ہوشربا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ پہلے سے طے شدہ ہے کیونکہ اس طلسم کو اسد غازی فتح کریں گے اور اسلام کا پرچم بلند کریں گے۔ مہرخ اور کوکب روشنضمیر جیسے بڑے ساحران کو یہ پہلے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی لئے وہ شریک اسد غازی ہوتے ہیں اور طلسم ہوشربا کا قصّہ پروان چڑھتا ہے۔ طلسم ہوشربا جلد اول ہی میں اس بات کی نشاندہی ہو جاتی ہے کہ بالآخر طلسم ہوشربا کو اسد غازی فتح کر لیں گے۔

''غرضکہ اسی طرح سب سخن سنج تھے کہ کوکب نے فہیم فاروس سے کہا تم بتاؤ کہ یہ کون
ہے کیونکہ تم کاہن اور ساحر زبردست ہو یہ کلام سُنکر اُسنے عرض کیا کہ بزرگان طلسم اس
طلسم کا زائچہ بنا کر جو کچھ حال کہ ہونے والا ہے لکھ گئے ہین اگر ارشاد ہو تو وہ زائچہ
لاؤن کیا بعید ہے کہ اسکا بھی حال لکھا ہو کوکب نے فرمایا کہ مجھے اسکا حال بخوبی معلوم

[1] گذشتہ لکھنؤ از عبدالحلیم شرر ص، ۱۴۸ تا ۱۴۹، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۱ء

ہے اور مین روشنضمیر اسی واسطے کھلاتا ہون سُنو یہ شخص عمرو عیار ہے اور اسکی توصیف خداوند سامری اپنی کتاب مین لکھ گئے ہین اسکا قدم جہان پہونچا پھر وہان دین سامری برباد ہوا بران نے بڑا غضب کیا جو اسکو یہان لائین اچھا تم زائچہ لاؤ دیکھون بانیان طلسم نے کیا لکھا فہیم حسب الحکم زائچہ طلسم لایا بادشاہ نے پڑھا اُسمین حکم نکلا کہ سال آخر طلسم ہوشربا سنہ جلوس سامری مین اسد غازی نواسہ حمزہ صاحبقران کا آئیگا اور طلسم ہوشربا فتح کریگا اور شاہ طلسم نور افشان قید عمرو کو چھڑائیگا پس لازم ہے کہ وہ عمرو کی شراکت کرے کیونکہ شاہ جادوان مارا جائے گا اور شاہ نور افشان کا بڑا رتبہ و مرتبہ ہوگا اور اگر شریک عمرو کے نہوگا تو مثل افراسیاب کے اسکو بھی ذلت ہوگی اور جان بھی جائیگی۔'' [1]

طلسم ہوشربا کی شروع کی چار جلدیں محمد حسین جاہ نے اور پانچویں، چھٹی اور ساتویں احمد حسین قمر نے، پانچویں کے دو حصّے ہیں اس طرح چار جلدیں احمد حسین قمر نے اور چار محمد حسین جاہ نے تحریر کی ہیں۔ ان آٹھ جلدوں کے علاوہ احمد حسین قمر کی تحریر کردہ دو بقیہ طلسم ہوشربا کی جلدیں یعنی مجموعی طور پر طلسم ہوشربا کی دس جلدیں تحریر ہوئیں۔ داستان امیر حمزہ کی یہ ۴۶ جلدیں نایاب تھیں اور ہند و بیرون ہند میں نیز چند ارباب ذوق کے ذاتی کتب خانوں میں گم تھی۔ لیکن ۱۹۸۸ء میں خدا بخش لائبریری پٹنہ نے طلسم ہوشربا کے ۱۰ نسخوں کی عکسی طباعت کرائی اور ایک بار پھر طلسم ہوشربا نیز داستان امیر حمزہ نے صاحب علم و فن کو اپنی طرف متوجہ کیا اور ایک بار پھر داستانوں پر کام کرنے کا شوق بڑھا چنانچہ شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے بے حد ریاضت کے بعد داستان امیر حمزہ کے تمام نسخوں تک رسائی ہی نہیں حاصل کی بلکہ اپنے کتب خانے میں رکھنے کا اعزاز بخشا داستان امیر حمزہ کے چار دفاتر پر مبنی یک جلدی ایڈیشن مجھے فاروقی صاحب کے فیضان سے ہی پڑھنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اس درمیان خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ سے طلسم ہوشربا کی ایک اور کاپی 'طلسم ہوشربا' جلد پنجم (ضمیمہ) کے نام سے شائع ہوئی اس کے مصنف محمد حسین جاہ ہیں۔ اس میں حبیب الرحمٰن چغتائی، ڈائرکٹر خدا بخش لائبریری پٹنہ کا حرف آغاز شامل ہے جس میں وہ رقم طراز ہیں۔

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۶۶۸ تا ۶۶۹، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

''حال ہی میں طلسم ہوشربا کی جلد پانچ کا ایک نادر و نایاب نسخہ ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی کی وساطت سے ہم تک پہنچا جو رفاقت علی شاہد صاحب نے انہیں پاکستان سے روانہ کیا تھا۔ فاروقی صاحب نے اس کی اشاعت کی ہم سے سفارش کی تھی اور ہم نے بھی یہی سوچا کہ اسے منظر عام پر آجانا چاہیے۔''[1]

اس سے یہ تو واضح ہے کہ یہ نسخہ رفاقت حسین کی بازیافت ہے اس نسخہ میں اس کے اشاعت اول کی تاریخ دسمبر ۱۸۹۰ء اور مطبع حسینی لکھنؤ تحریر ہے۔ قیمت اسّی روپے جو اس وقت کے حساب سے بہت زیادہ ہے پھر تعداد اشاعت ۲۰۰۰ ہے اس سے طلسم ہوشربا کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ غور طلب ہے کہ یہ جلد مطبع نول کشور سے نہیں چھپی یعنی یہ اس سلسلے سے الگ اور محمد حسین جاہ کے مطبع نول کشور سے نااتفاقی کے بعد چھپی ہے۔ رفاقت علی شاہد اس مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ۔

''جاؔہ نے ایسی دل نشیں زبان و بیان میں طلسم ہوش ربا لکھنی شروع کی کہ قارئین کو اگلی جلدوں کا انتظار رہنے لگا۔ جاؔہ نے طلسم ہوش ربا کی چار جلدیں تالیف کیں اور وہ مطبع منشی نول کشور سے شائع بھی ہوئیں کہ جاؔہ اور منشی صاحب میں مبینہ طور پر اَن بَن ہو گئی۔ چنانچہ منشی صاحب نے جاؔہ کو مطبع نول کشور سے علاحدہ کر دیا اور طلسم ہوش ربا کی تکمیل کے لیے لکھنؤ کے ایک اور داستان گو منشی احمد حسین قمؔر کو بقیہ جلدوں کی تالیف کا کام سونپ دیا۔''[2]

محمد حسین جاہ کا لکھا طلسم ہوشربا جلد پنجم حصّہ اول نول کشور سے الگ ہونے کے بعد تحریر ہوا لیکن اس کے چھپنے سے پہلے احمد حسین قمر کے حصّہ پنجم کے دونوں حصّہ بازار میں آ گئے۔ چنانچہ جاہ کے اس نسخہ کا کہیں ذکر نہیں۔ یہ ناقص الاول ہے اور اس کا اختتام ۲۴۰ صفحہ ہی میں ہو جاتا ہے لیکن انداز بقیہ جلدوں سے ملتا ہے۔ اس میں شروع کے صفحات حمد، نعت وغیرہ غائب ہیں اور یہ صفحہ ۵ سے شروع ہوتا ہے۔ رفاقت صاحب نے اس نسخہ کی بازیابی کی تاریخ تو نہیں لکھی لیکن مقدمے کے حاشیے میں جو حوالے ہیں اس میں ۱۹۹۶ء تک کی تاریخ رقم ہے۔ اس کا آغاز بھی افراسیاب اور اسد کے معرکے سے ہی ہوتا ہے۔

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصّہ اول ضمیمہ از محمد حسین جاہ، ص تین، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۸۹۰ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصّہ اول ضمیمہ از محمد حسین جاہ، ص پانچ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۸۹۰ء

غور طلب ہے کہ اتنی زیادہ قیمت کے نسخہ کی ۱۰۰۰ کاپی چھاپا جانا طلسم ہوشربا کی بے پناہ مقبولیت کی نشاندہی کرتا ہے۔[۱]

اس نسخہ کے ابتدائی چار صفحات تو غائب ہیں اس لئے مطلب تالیف تو نہیں ملتا لیکن التماس مؤلف کے عنوان سے آخر میں جاہ نے اپنا مطلب بیان کیا ہے۔

''یہ احقر جاہ ناظرینان ذیوقار کا کمال شکرگزار ہے کہ اُنھون نے اِس ہیچ مداں کی عزت افزائی فرمائی یعنی میرے کلام ناقابل کو پسند تحسین وآفرین پسند فرمایا ورنہ من آنم کہ من دانم فی الجملہ اس خاکپاے ارباب سخن نے بعد ترک ہونے جائے روزگار کے اپنا ذاتی مطبع کیا ہے اور اُسمین اسی سلسلہ سے کہ جسطرح جلد اول سے جلد چہارم تک مینے لکھا ہے جلد پنجم کو آغاز کیا اور اُسمین عمدگی کا زیادہ تر لحاظ رکھا اگرچہ نفس مطلب تو وہی ہے کہ اسدؔ کا لوح پاکر طلسم توڑنا مگر چیدہ داستانیں نئے طور پر ایسی اضافہ کی ہین کہ وہ کسی داستانگو پاس نہین کیونکہ یہی دفتر ہوش ربا کا تین طور پر اس حقیر کے پاس ہے ایک منشی انبہ پرشاد صاحب جو نامی داستان گو تھے اُنکا لکھا ہوا اور میر احمد علی صاحب سرآمد داستان گویان ہند کا تصنیف دوسرا امیر خانصاحب کا کہ وہ بھی داستانگوئی مین یکتا ہین اور اُنکی دفتر کا تمام عالم کو از حد اشتیاق ہے تیسرا دفتر جو نوابصاحب والی رامپور نے بصرف زرکثیر تیار فرمایا تھا چنانچہ یہ ہرسہ دفتر بتائید ایزدی اس کم مایہ کے ہاتھ آ گئی پس انھین دفاتر مذکورہ سے عمدہ عمدہ داستانین نئے رنگ کی منتخب کر کے درج کی ہین اور انشاء اللہ اسی رنگ سے جلد ہفتم تک تحریر کرونگا بشرط آنکہ ناظرینان عالیمقدار نے اُسیطرح قدردانی فرمائی اور اس حصّہ کو ہاتھون ہاتھ خرید فرمایا ورنہ حصّہٗ دوم جلد پنجم کا لکھنا بھی دشوار ہے اور اگر داستان ہی کی اشاعت منظور ہوگی تو اور دفاتر مثل نوشیروان نامہ وایرج نامہ وغیرہ بموجب اپنے طرز کے ترجمہ کر کے طبع کرونگا اگر وفور شوق طلبان بدستور رہا تو میرے دل بڑھنے اور جان لڑانے دینے کا باعث ہوگا ورنہ اللہ کے بس باقی ہوس فقط جاہ تو ہے خاکپائے اہل علم۔''[۲]

---

[۱] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصّہ اول ضمیمہ از محمد حسین جاہ، ص ۷، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۸۹۰ء

[۲] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصّہ اول ضمیمہ از محمد حسین جاہ، ص ۲۴۰، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۸۹۰ء

اس طرح طلسم ہوشربا کی کل ۱۰ جلدیں تحریر ہوئیں۔ بعد میں احمد حسین قمر، تصدق حسین قمر اور اسمٰعیل اثر وغیرہ داستان نویس نے اس سلسلہ کو آگے بڑھا کر داستان امیر حمزہ کی تاریخ ساز روایت رقم کی۔ رفاقت حسین کا دعویٰ ہے کہ مطبع نول کشور میں کچھ غیر مطبوعہ نسخے بھی ہیں جو شائع نہ ہوسکیں اگر شائع ہوجاتیں تو ان کی تعداد پچاس تک پہونچ جاتی۔[۱]

اور اگر رفاقت حسین کے دریافت کردہ محمد حسین جاہ کے جلد پنجم کے نسخے کو بھی شامل کرلیں تو طلسم ہوشربا کی کل ۱۱ جلدیں منظر عام پر آئیں اور مقبول ہوئیں۔ طلسم ہوشربا میں داستانوی پیکر تراشی کے تمام خصائل نظر آئیں گے۔ یوں تو ہوشربا کا نام آتے ہی ذہن میں ایک مسحور کن فضا کا تصور ابھرتا ہے جہاں سحر، ساحر، عیار اور عیار بچیاں، حسن وعشق وغیرہ تو ہیں ہی لیکن ان کے ساتھ ایک مخصوص تہذیبی وراثت بھی ہے جس کے بیان سے قاری یا سامع کے ذوقِ لطیف کو تقویت ملتی ہے وہ کسی دوسری صنف ادب میں شاید نہ مل سکے۔ آج اس طویل داستان سے دلچسپی رکھنے والے افراد شاذ و نادر ہی نظر آئیں گے لیکن پھر بھی اگر کوئی طلسم ہوشربا کا مطالعہ شروع کردے تو دو چار صفحات پڑھ کر چھوڑ نہیں سکتا۔ ایسی دلچسپ اور دلآویز داستان کو ادب نواز حلقے میں مقبولیت تو ملی لیکن اس پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ اگرچہ اس کی اہمیت اردو کی طویل داستانوں میں سب سے زیادہ ہے جب اردو کے داستانی ادب کا تذکرہ ہو تو داستان امیر حمزہ اور اس کے دفتر طلسم ہوشربا کا ذکر ضروری ہوجاتا ہے۔

دس جلدوں اور تقریباً دس ہزار صفحات میں پھیلی طلسم ہوشربا ایک ایسی طلسمی داستان ہے جس کے مصنف محمد حسین جاہ اور احمد حسین قمر ہیں جسے انھوں نے ۱۸۸۷ء سے ۱۸۹۷ء میں مطبع نول کشور کی فرمائش پر سپردِ قلم کیا۔ اس کا مطلب یہ کہ ایک جلد لکھنے میں اوسطاً ایک سال کا وقفہ لگا۔ یہ داستان صرف اپنے دور ہی میں یا اپنے قاری کے درمیان ہی مقبول نہیں ہوئی بلکہ عمر وعیار کی زنبیل جیسے محاورے بھی دے گئی۔ شاید ہی کوئی اردو والا ایسا ہو جو عمر وعیار کے کردار سے ناواقف ہو۔ حالانکہ کردار کوئی نیا نہیں تھا مگر اس کردار کو مقبولیت اور زندگی طلسم ہوشربا نے ہی دی، چنانچہ غالبؔ جیسا شاعر بھی داستانِ امیر حمزہ کی اہمیت کو قبول کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان کے پاس داستانِ امیر حمزہ کی جلدیں اور بادۂ ناب کی بوتلیں ہیں

[۱] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصّہ اول ضمیمہ از محمد حسین جاہ، ص چھ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۸۹۰ء

اور کیا چاہئے۔ایک شعر میں بھی اس کے زندہ جاوید کردار عمرو اور لقا کا ذکر کرتے ہیں ۔

در معنی سے میرا صفحہ لقا کی داڑھی
غم گیتی سے میرے شعر عمرو کی زنبیل

یہاں ایک خاص بات محسوس ہوتی ہے جہاں میر امّن سے لے کر دوسری تمام داستان گویوں یہاں تک کہ منظوم داستانوں میں بھی سبب تالیف داستان باعرضی مؤلف کے عنوان سے داستان کی تحریر کا سبب اور اس محسن کا ذکر ہوتا ہے جس کے کہنے سے یہ داستان رقم ہوئی لیکن یہاں منشی نول کشور کا ذکر کہیں بھی نظر نہیں آتا جب کہ انہیں کی کرم فرمائی سے یہ کام پہلے محمد حسین جاہ اور پھر احمد حسین قمر کا ذریعہ معاش بنا۔شمس الرحمٰن فاروقی بھی اس امر کی جانب ''ساحری، شاہی اور صاحبقرانی'' میں توجہ مبذول کراتے ہیں ۔

''یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی کہ داستان (طویل) کی پہلی داستان جو نول کشور پریس سے طبع ہو، اس میں حمد و نعت و منقبت تو کجا، خود پنڈت نول کشور کے بارے میں کچھ نہ ہو۔دیگر تمام داستانوں میں ان باتوں کا التزام ہے۔''[1]

چنانچہ روایتی انداز میں طلسم ہوشربا کا دفتر اول کا آغاز ہوتا ہے ابتدا حمد یہ عبارت سے ہوتی ہے۔ کسی کسی جلد میں حمد کے بعد نعت کے کلمات بھی ہیں یعنی انداز بیان منظوم داستانوں سے مستعار ہے چنانچہ حمد اور نعت کے مختصر کلمات کے بعد پھر آغاز داستان کی سرخی کے ساتھ جس انداز میں داستان کی شروعات ہو وہ اپنے آپ میں قاری کی توجہ مبذول کرانے کے لیے کافی ہے ۔

''ساقیان خمخانۂ اسماء و جرعۂ نوشان جام افکار بادۂ ارغوانی شنجرف تحریر سے ساغر قرطاس کو اس طرح مملو کرتے ہیں کہ جب زمرد شاہ باختری نے طلسم ہزار شکل سے رہائی پائی اُسکے وزیر نے صلاح بتائی کہ ملک کوہ عقیق گلزار سلیمانی کا بادشاہ عالیجاہ فوج بیکران و پہلوانان دوران رکھتا ہے اور اسی ملک سے ڈانڈا طلسم ہوشربا کا ملا ہے حاکم طلسم افراسیاب جادو شہنشاہ ساحران نہایت زور آور جو کہ نہیب شمشیر سے اُس کے سرکشان دہر کانپتے اور تھراتے ہیں اور سحر آزمائی سے سامری عہد اور جمشید روزگار

[1] ساحری، شاہی اور صاحبقرانی، جلد پنجم از شمس الرحمٰن فاروقی، ص ۱۸۹، ایم۔آر پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۲، ۲۰۲۰ء

کان پکڑتے ہیں۔‘‘[1]

اور قاری پوری توجہ سے آگے آنے والے حالات جاننے کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے۔ اس ابتدائی اقتباس سے ہی زمرد شاہ باختری طلسم افراسیاب اور کوہ عقیق کا منظر سامنے آجاتا ہے۔ یہ وہ قصّے ہیں جو پچھلے چار دفاتر سے فتح وشکست کی بازیگری دکھاتے چلے آرہے ہیں۔ زمرد شاہ باختری طاقتور بادشاہ ہے اور خدائی کا دعویٰ کرتا ہے پھر بھی اسے حمزہ سے لڑنے کے لیے طلسمی معاونت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اگرچہ وہ حمزہ سے طلسم کے باہر جنگ کر رہا ہے لیکن اس کی مدد کے لیے افراسیاب برابر مسافروں اور ساحرنیوں کو بھیجتا ہے۔ اس کے پاس بھی عیار ہیں لیکن لشکر اسلام کے عیاروں کے آگے وہ بہت کمزور ہیں کیونکہ لشکر اسلام کے عیاروں کے پاس تحفہ ہائے پیغمبران ہیں جن پر نہ تو جادو اثر کرتا ہے اور نہ دشمنوں کا وار۔

یہ عجیب اور قابلِ غور بات ہے کہ ’’داستان امیر حمزہ‘‘ جس حمزہ نام کے کردار سے موسوم ہے وہ کردار داستان امیر حمزہ کے چار دفاتر پر مبنی یک جلدی داستان امیر حمزہ اور طویل سلسلوں میں نوشیرواں نامہ، رموز حمزہ وغیرہ میں تو مرکزی حیثیت کا حامل ہے لیکن طلسم ہوشربا میں حمزہ کا کردار طلسم ہوشربا کے دوسرے اہم کرداروں کے مقابلے میں پسِ پشت پڑ جاتا ہے، اگرچہ طلسم ہوشربا میں جنگ حق و باطل اور رزم کفر و اسلام ہے۔ اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں نکالنا چاہئے کہ اس کا مقصد تبلیغ اسلام ہے۔ جیسا کہ گیان چند نے لکھا ہے۔ یہ حمزہ لشکر اسلام کے سپاہ سالار حضرت امیر حمزہ نہیں بلکہ محض ایک فکشن ہے۔ جس کے کردار میں ہر داستان گو اپنے ڈھنگ سے رنگ آمیزی کرتا رہا۔ امیر حمزہ کی اولادیں جنگ میں جامِ شہادت پیتی رہیں۔ لیکن خود حمزہ بچ جاتے ہیں کیونکہ ان کے پاس اسم اعظم ہے جو ہر طرح کے سحر کو رد کرتا ہے۔ لیکن کوئی بھی بڑا ساحر اسم اعظم بند کر دیتا ہے ایک طائرِ سحر حمزہ کے سر کے اطراف چکر کاٹتا ہے اور انھیں اسم اعظم فراموش ہو جاتا ہے اور قاری یا سامع سکتے میں آجاتا ہے کہ اب کیا ہوگا یہی تجسس داستان کی جان ہے اس پرندے کو ساحر ایک شیشہ میں بند کر کے رکھتا ہے کوئی عیار آتا ہے شیشہ توڑتا ہے اور حمزہ کو اسم اعظم یاد آجاتا ہے اس کے ساتھ ساحر کا طلسم ختم ہو جاتا ہے اور قاری راحت کی سانس لیتے

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

ہیں۔ ہر مصیبت کا خاتمہ ایک نئی مصیبت کا پیش خیمہ ہوتی ہے لیکن لشکر حمزہ کسی مصیبت سے نہیں گھبراتا کیونکہ بالآخر طلسم فتح ہونا ہے، افراسیاب کا خاتمہ ہونا ہے اور اسد غازی کے ہاتھوں طلسم کشائی ہونی ہے جس کی پیشن گوئی جلد اول میں یوں مذکور ہے۔

''بعد فراغت اس امر کے حکم کیا کہ پسران خواجہ بزرچمہر کو بلاؤ حسب ارشاد خواجہ زادے حاضر ہوئے امیر نے تعظیم کی اور بعزت تمام بٹھایا اور فرمایا کہ آپ ملاحظہ کرین قرعہ پھینک کر کہ طلسم ہوشربا کون فتح کریگا اور افراسیاب کس بہادر کے ہاتھ سے مارا جائیگا خواجہ زادون نے موافق سوال امیر کے قرعہ پھینکا اور زائچہ کھینچا اور بڑی فکر کر کے حال اشکال رمل کی سعادت و نحوست کا دریافت فرما کر کہا کہ یا صاحبقران علم غیب سوائے خدا کے کوئی نہین جانتا لیکن ہم از روے قواعد رمل کے عرض کرتے ہین کہ اس طلسم کے فتح کرنے کو نواسا آپ کا شاہزادہ اسد بن کرب غازی تشریف لیجائے اور اسکے ساتھ پانچ عیار بھی ہون کہ ایک ان مین مہتر قران نظر کردہ مولانا علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہو اور دوسرا برق فرنگی تیسرا عیار شہزادہ اسد کا کہ خود اپنے آقا کے ساتھ جائیگا اور وہ ضرغام شیر دل ہے اور چوتھا عیار جسے جانا چاہیے وہ جانسوز بن قران ہے اور پانچوین عیار کا نام ہم نہین عرض کر سکتے مگر سر نام پر اُسکے حرف عین ہے عمرو سمجھ گیا۔''[1]

دراصل طلسم ہوشربا کی کہانی کا اصل مقصد طلسم کشائی ہے ایک بات قابلِ غور ہے کہ اس کہانی میں معرکہ حسن و عشق محض لطف و انبساط نہیں بلکہ ضرورت بن کر سامنے آتا ہے کیونکہ اس کے بغیر کہانی کا آگے بڑھنا ممکن ہی نہیں اگر ساحر اور ساحرنیاں لشکر اسلام کے شریک کار نہ ہوتے تو طلسم کشائی ممکن نہیں تھی۔ ہوشربا میں لشکر اسلام کی سردار ملکہ مہرخ کے علاوہ ملکہ بہار، ملکہ مخمور سرخ چشم، ملکہ سرخمو کاکل کشا، ملکہ براں، ملکہ تصویر جادو وغیرہ نا معلوم کتنے ساحرانہ کردار ایسے ہیں جو بوجہ عشق شریک لشکر اسلام ہوئے کیونکہ ساحر سے نبرد آزما ہونے کے لئے ساحر ہی ضروری ہے اور اسلام سحر کی اجازت نہیں دیتا لہٰذا یہ غیر معمولی طاقتوں کے حامل ہیں۔ ساحر طلسم کشائی میں مدد کرتے ہیں ورنہ اسد غازی تو بار بار

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۵۱، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

گرفتار کر لئے جاتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ طلسم کشائی کے لئے آتے وقت حمزہ نے اسد غازی کے ساتھ پانچ عیّار بھیجے تھے جن کے سردار عمر و عیار ہیں۔ ان کے علاوہ مہتر قراں، برق فرنگی، ضرغام، شیر دل اور جانسوز ہیں چالاک بن عمر و لشکر حمزہ میں عیاریاں کرتا پھرتا ہے بعد میں سرحد ہوشربا میں بھی داخل ہوتا ہے۔ ان عیاروں کی عیاری اور طلسم کشائی کی مثال ملاحظہ ہو:

''خرسان ساحر بولا اے پتلی کیا بکتی ہے بھلا یہ چھت پردے کُرسی میز وغیرہ کیونکر کھا گیا پتلی بولی کہ سامری کی قسم مین سچ کہتی ہون سب اسباب اسنے پیٹ مین رکھ لیا ہے عمرو نے کہا اے خرسان تجھے قسم جمشید کی ہے سچ کہہ کہ کہین انسان بھی اتنی بڑی چیزین کھاتے ہین بھلا یہ مال زادی پتلی جھوٹی ہے کہ نہین خرسان کہ حیرت ناک تھا بولا کہ تو سچ کہتا ہے اچھا چل مین تیرے ساتھ چلتا ہون یہ کہکر ساتھ ہوا سحر اپنا عمرو پر سے دفع کر دیا عمر واسکو ایک غار پر لایا اور کہا اسمین اُتر وہ اُترنے لگا عمرو نے پشت پر سے خنجر ایسا مارا کہ سر کٹ کر دور گرا غل اور شور ہوا کہ کشی ساحر خرسان را عمرو نے اُسکے بت وغیرہ جھولا سحر کالے کر آگے کا راستہ لیا کہ یکا یک آواز مہیب آئی اور ایک ساحر اور پیدا ہوا عمرو کو اُسنے بزور سحر گرفتار کیا اور لیکر چلا اُس وقت اور عیار بھی اس طلسم مین پھنس گئے ہین اُن مین سے مہتر قران ادھر آ نکلا اور عمرو کو گرفتار دیکھ کر اپنی صورت مثل ایک ساحر کے بنا کر اُس ساحر کے پاس آیا اُسنے پوچھا تو کون ہے جواب دیا کہ جو ہین سو ہین تجھے کیا اپنی فکر کر دیکھ پیچھے تیرے کوئی کھڑا ہے اور تجھے مارا چاہتا ہے اُسنے یہ سن سُنکر پیچھے پھر کر دیکھا۔ قران نے بغدہ مارا کہ سر کے سو ٹکڑے ہوئے تڑپ کر یہ بھی ہلاک ہوا آندھی آئی صدا پیدا ہوئی کہ مارا خون ریز جادو کو عمرو نے قران کو گلے سے لگایا اُسنے کہا استاد سب طرف پھرتا ہون راستہ نہین ملتا ہے اور میرا دل خوف سے از خود دھڑکتا ہے پریشان پھر رہا ہون خدا بچائے معلوم ہوتا ہے کہ طلسم مین پھنس گئے ہین یہ کہتے کہتے ایکبار جست کر کے بھاگا اور درۂ کوہ مین جا کر غائب ہو گیا عمرو حیران ہوا کہ کوئی آگے نہ پیچھے یہ کون بھاگ گیا اسی سوچ مین تھا کہ ایک ساحر نے آ کر سلام کیا اور کہا اے عمرو تو کیا تمام عالم کو مار ڈالے گا ارے ظالم تو زرا تو رحم کر اور یہ مقام ساحرون سے بھرا ہے تو کہانتک قتل کریگا مثل مشہور ہے سو دن سُنار

کی تو ایک دن لوہار کی کبھی نہ کبھی تو بھی دھرا جائیگا عمرو اسکی تقریر سُنکر سوچا کہ یہ اچھے ناصح مجھے ملے انسے کہو سنو نہین اپنا کام کرو یہ سمجھکر گلیم اوڑھ کر غائب ہو گیا۔''[1]

عبدالحلیم شررؔ نے داستان کے چار جز ورزم، بزم، حسن وعشق اور عیاری بتائے ہیں چنانچہ داستان نویس حسن وعشق کے جادو اور پانچوں عیاروں سے مقابلے کے لئے پانچ عیار بچیاں صرصر، صبا رفتار، صنوبر، شمیمہ اور تیز نگاہ خنجر زن کی تخلیق کرتا ہے مگر عیاروں کے کردار کے مقابلے عیار بچیاں کمزور ہیں وہ عیاری تو کرتی ہیں لیکن عمرو یا ان کے شاگردوں کے ہاتھوں پکڑی جاتی ہیں۔ ہر عیار بچی کسی ایک عیار کی منظورِ نظر ہے۔ عیار بچیاں کمزور اس لئے بھی ہیں کیونکہ عیاروں کے پاس پیغمبروں اور بزرگوں کے دئے ہوئے تحفہ جات ہیں۔

عمرو عیار کی زنبیل کا ذکر پہلے آچکا ہے اس کے علاوہ بھی ان کے پاس بہت سے تحفے ہیں جن میں ان کی گلیمِ عیاری، جال الیاسی، کمند آصفی وغیرہ ہیں تو قراں کے پاس ایک بغدہ ہے جس کے ایک ہی وار سے دشمن ساحر کا کام تمام ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ عیاری کے لئے نیمچہ کمند دار، سفوف بے ہوشی، بیضۂ بیہوشی اور حباب بیہوشی استعمال کر کے دشمن کو بے ہوش کر دیتے ہیں جو دشمن کا حشر کرتے ہیں اس کا نمونہ عمرو عیار کی عیاری میں ملاحظہ ہو۔

> ''عمرو جو گلیم اُوڑھکر غائب ہو گیا تھا آگے جا کر گلیم اوتاری دیکھا کہ ایک چوبدار کسی طرف جاتا ہے اُسکے پاس آکر پوچھا میان مرد ہے صاحب کہان جاتے ہو اُسنے کہا میری چوکی باران کی ڈیوڑھی پر ہے اس وقت پہرا بدلا کر اپنے گھر جاتا ہون عمرو نے یہ سُنکر ایک پھل اپنی کمر سے نکال کر اسے دیا اور کہا بھائی اس جنگل مین ایسے پھل ہزارون لگے ہین ذرا کھا کر دیکھو ایسے مزے کے ہین کہ کوئی میوہ ایسا نہوگا اُسنے یہ تعریف سُنکر وہ پھل کھایا اور بیہوش ہوا عمرو نے اُسے غار مین ڈال دیا اور اسکے کپڑے لیکر اُسی کی صورت بنکر باران کی درگاہ مین پرآ کر ٹھہرا اُسوقت ایک ساحر اندر سے بارگاہ کے نکلا اس سے پوچھا کہیے کچھ فرمایا ہے اُسنے کہا میان مرد ہے ایک صندل کی چوکی حضور مانگتے ہین خمار جادو اُسپر بیٹھکر سحر پڑھینگی عمرو یہ سنکر خاموش رہا

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۴۳۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

اوروہ ساحر چوکی لیکرآیاجب اندر بارگاہ کے چلاعمروگلیم اوڑھکر اسکے ساتھ اندرآیا۔‘‘[1]

ساحروں کے کردار کو تراشنے میں بھی داستان نویس اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ وہ ساحر جو شروع میں مطیع اسلام ہوتے ہیں ان میں پہلے سے بعض اسلامی خصائل موجود رہیں۔ یہ قصّہ مافوق الفطری بنیادوں پر مبنی ہے یہاں تک کہ جو انسانی کردار ہیں ان کے خصائل بھی بعض اوقات مافوق الفطری ہوتے ہیں اور ان سے بھی غیر انسانی حرکتیں سرزد ہوتی ہیں ساتھ ہی وہ کردار جو اسلامی ہیں ان سے بھی بہت سی نامعقول اور غیر انسانی حرکتیں سرزد ہوتی ہیں اس لئے ہم انھیں اسلامی عینک لگا کر دیکھیں گے تو پوری داستان بے معنی اور بے بنیاد نظر آنے لگے گی کیونکہ صرف حمزہ کی موجودگی سے اسلام کی نمائندگی نہیں ہوتی حضورؐ کی بعثت اور لقا کا خاتمہ آخری جلد داستان امیر حمزہ میں ہوتا ہے چنانچہ تاریخی نقطۂ نظر سے بھی اسے اسلام سے جوڑنا مناسب نہیں اور بیانیہ صنف ادب کے نقطۂ نظر سے دیکھیں گے تو ہمیں ان کی پیکر تراشی کا قائل ہونا پڑے گا۔ کردار تراشتے وقت داستان میں اس کی حیثیت اس کے ماحول وغیرہ کا خاص خیال رکھا گیا ہے جیسے لشکر حمزہ میں نسوانی کرداروں کی عدم موجودگی، ساحروں کا رعب ودبدبہ، مسلمانوں کا بہادر ہونا۔ لقا جس کا نام زمرد شاہ باختری ہے اس کافر نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے اس کی ایسی منحوس حیثیت اتارنا کہ نفرت ہو۔ بختیارک جو لقا کا وزیر اور شیطان ہے وہ پستہ قد بندر جیسی ہیئت والا بہت ذلیل، مکّار، خطرناک اور ڈرپوک ہے۔ عمرو کا سامنا ہو جائے تو پیرومرشد کہہ کر بہت آؤ بھگت کرتا ہے۔

طلسم ہوشربا میں تین طرح کی طلسمی دنیا آباد ہے ایک پردۂ ظلمات دوسری طلسم باطن اور تیسری طلسم ظاہر۔ طلسم ظلمات تاریکی کے معنی میں یہ دنیا تاریک ہے اور سب کی نظروں سے چھپی ہے اس میں افراسیاب کے اجداد اور بہت بڑے بڑے ساحر رہتے ہیں جو بوقت ضرورت افراسیاب اپنی اندھیری دنیا سے باہر نکلیں گے۔ یہ بہت خوفناک ساحر ہیں ظلمات جادو کے علاوہ حجرۂ ہفت بلا کی ساتوں بلائیں بھی پردۂ ظلمات میں رہتی ہیں۔ طلسم باطن محفوظ ہے اور سحر کے ذریعہ حصار میں ہے یہیں باغ سیب بھی ہے افراسیاب اور ملکہ حیرت جادو اور ان کے خاص ساحر یہاں متمکن

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۱ ۳۳، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

ہیں۔طلسم ظاہر میں بھی ساری ریاستیں طلسمی ہیں۔ یہاں افراسیاب کی جانب سے حفاظت پر مامور ساحراوران کی فوج ورعایا رہتے ہیں۔افراسیاب کی یہ سلطنت بہت بڑی ہے جلد اول میں اس کی طرف اشارے ہیں۔

''اب حال افراسیاب جادو مالک طلسم سُنیے کہ اس کی عملداری میں ساٹھ ہزار ملک جادوگراور جادوگرنیوں سے آباد ہین اورانکے بادشاہ سب اُسکے مطیع ومفقاد ہین اور اس طلسم مین تین مقام ہین اورایک پردہ ظلمات ایک طلسم باطن ایک طلسم ظاہر پردہ ظلمات مین بزرگ افراسیاب کے مثل ماہی زمرد وآفات چہار دست وغیرہ رہتے ہین کہ ذکرانکا وقت فتح طلسم آئیگا اورطلسم باطن مین وزرا امرا مقربان شاہ یعنی افراسیاب کے رہتے ہین مثل ملکہ حیرت وغیرہ اورطلسم ظاہر مین رعایااورا کابران شہر ساکن ہین۔''[1]

طلسم ہوشربا کا بادشاہ افراسیاب جادوگر ہےاس کی بیوی ملکہ حیرت جادو ہے جواس مہم میں اس کے ساتھ شریک بلکہ آگے رہتی ہے۔ یہ ویلین کے کردار ہیں۔افراسیاب کے پاس کتاب سامری اور اوراق جمشیدی ہے جس سے وہ غیب کی باتیں معلوم کرتا ہےاس کی حکومت سے ملی حکومت طلسم نورافشاں ہے جہاں کا بادشاہ کوکب روشنضمیر ہے، ملکہ براں اس کی بیٹی ہے جوشہزادہ ایرج کی عاشق ہوکر مائل بہ اسلام ہوئی یہ طلسم ہوشربا کا ایک اہم کردار ہے۔اس حکومت میں ہزاروں کی تعداد میں ساحرہ اورساحر ہیں ان کے علاوہ سحر سے بنائی پتلیاں اور پتلے، بیر،سحر کے پرندے بھی ہیں۔لیکن داستان نویس کا یہ کمال ہے کہ اس بھیڑ میں اصل قصّے کا زورکم نہیں ہونے دیتے اس لئے وہ کچھ مخصوص اور دلآویز حصّوں کی طرف سامع یا قاری کی توجہ مرکوز رکھتے ہیں اوراس طلسمی دنیا میں افراسیاب، حیرت جادو، ملکہ مہرخ، سردار لشکراسلام بہار، سرخمو کاکل کشا، ملکہ مخمور سرخ چشم ،تصویر جادو، رعدو برق وغیرہ اورطلسم کے باہر حمزہ، لقا، بختیارک جیسے کردار خلق کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی دنیا ہے جس کا تخلیق کار داستان نویس ہے جو سامع کے ذوق کے مطابق داستان میں تبدیلی کرتا ہے۔طلسم شکنی کے لئے حجرۂ ہفت بلا ہیں جب تک ہفت بلاؤں کا حجرہ کھول کران کا طلسم توڑا نہ جائے گا تب تک طلسم شکنی ممکن نہیں۔ یہ بلائیں انتہائی مہیب اورنفرت انگیز ہیں

[1] طلسم ہوشربا، جلداول ازمحمد حسین جاہ، ص۱۵، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

ان بلاؤں میں ایک بلا ملکہ تاریک شکل کش ہے اس کا بیان داستان گو اس طرح کرتے ہیں ۔

''ایک جانب آگ جل رہی ایک جانب پلٹ کر ایک دیونی کو دیکھا حقیقت میں
دیونی قالب انسان میں سمائی ہوتی تھی سر مثل گنبد فام سیاہ چہرہ نیلی کرتی کئی تھان کا
لہنگا از سر تا ناخن پا بصورت دل کافر سیاہ مثل پردۂ ظلمات سراسر خطا ہے حقیقت میں
الٹا توا ہے زبان منھ مین نکلی ہوئی رال ٹپک رہی یہ دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکے ہوئے
جھوم رہی ہے دس جوان ایک جانب سر جھکائے مثل برگِ بید مٹکا شراب کا اٹھایا منہ
سے لگایا غٹ غٹ پی گئی ایک جوان کی ٹانگ کھا چکی تب طرف خواجہ عمرو کے متوجہ
ہوئی دیکھتے ہی اس کی صورت نحس قریب تھا کہ عمرو کو غش آ جائے کانپ گیا۔''[1]

طلسم ہوشربا میں جو کچھ ہے وہ مافوق الفطری ہے۔ یہ زوال پذیر معاشرہ کی یادگار ہے جو تاریخ کے دامن پر داغ ہیں۔ یہ فرار کی راہ ہے وغیرہ جیسے جملے ہمیشہ طلسم ہوشربا کے سلسلے سے ہمارے سامنے آتے رہے ہیں اور یہ بیان کسی حد تک حقیقت پر مبنی بھی ہیں مگر تمام تر نہیں۔ اگر طلسم ہوشربا کا ہم بغور مطالعہ کریں تو اور بھی بہت سی حقیقتیں سامنے آئیں گی جو مذکورہ بالا حقیقتوں سے کہیں زیادہ ٹھوس ہیں۔ اس میں ایک بہت بڑی سچائی یہ ہے کہ عورت آج جس آزادی، خودمختاری اور طاقت کے سوال اٹھا رہی ہے اور جو باتیں ہم اکیسویں صدی میں کر رہے ہیں وہ باتیں ایک صدی پہلے طلسم ہوشربا میں اٹھائی جا چکی تھیں اس سلسلے میں جو نسوانی کردار سب سے پہلے ہمارے سامنے آتا ہے وہ ملکہ حیرت جادو کا ہے جو اپنے شوہر افراسیاب سے زیادہ طاقت اور ہمت کا مظاہرہ کرتی ہے مگر اس طاقت سے اس کی وفاداری اور شوہر پرستی پر حرف نہیں آتا۔ اس کی نسوانیت پر آنچ نہیں آتی جبکہ دوسری طرف لشکر حمزہ میں نسوانی کرداروں کے فقدان ہیں تو لشکر ہوشربا میں اکثر ساحرنیوں کے جادو بھی نسوانی خصوصیات کے حامل ہیں۔ جیسے سرخمو کاکل کشا کا اپنی زلفوں کا اسیر کرنا یا ملکہ بہار کا کردار جو اپنے جادو سے سب کو اپنے عشق میں اس حد تک گرفتار کر لیتی ہے کہ فوج غنیم خود ہی اپنے کو ہلاک کر لیتی ہے۔ اس کے جادو کا ایک منظر پیش نظر ہے ۔

''بہار اسلام کی طرف دار ہوگئی افراسیاب کی طرف سے شدید جادوگر آتا ہے شدید کا
پکارنا سنا فوراً تخت آگے بڑھا اور ایک گلدستہ اٹھا کر جنگل کی طرف مارا کہ ایک ظلمت

[1] طلسم ہوشربا جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۱۶۴، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

مثل شب دیجور پیدا ہوئی اور تاریکی تمام عالم میں چھا گئی۔۔۔۔۔بہار نے دوسرا گلدستہ مارا اور پکاری اے بہار آ ؤ جھونکے ہوائے سرد کے آنے لگے اور لشکر شدید کے ساحر تالیاں بجانے لگے کہ بہار نے تیسرا گلدستہ مارا ہزار ہا عورت نازنین مہ جبین ہاتھوں میں ساز اور باجا لئے پیدا ہوئیں۔۔۔''[1]

طلسم ہوشربا میں اول تا آخر جو خاصیت قاری کو سب سے زیادہ اپنی طرف متوجہ کرتی ہے وہ ہے لکھنؤ کی تہذیبی وراثت جس کے نمونے مذکورہ داستان کی ہر جلد میں سینکڑوں مقامات پر نظر آئیں گے جس کا ذکر راہی معصوم رضا نے اپنی تصنیف ''طلسم ہوشربا کا تہذیبی پس منظر'' میں بہ تفصیل کیا ہے۔خدا بخش لائبریری سے مطبوعہ طلسم ہوشربا میں عابد رضا بیدار نے درست لکھا ہے۔

''تہذیب، سماج اور زبان تینوں کے لئے طلسم ہوشربا ایک اہم ماخذ ہے۔''[2]

چنانچہ اس جملے کے پس منظر میں یہ بات مصدقہ ہے کہ طلسم ہوشربا کہ مقبولیت کا ایک اہم سبب یہی ہے کہ اس کے ذریعہ سے اس وقت کے تہذیب، سماج اور زبان کی حقیقی تصویر سامنے آتی ہے۔ چاہ زمرد کے میلے اور گنبد نور کے میلے میں 'گذشتہ لکھنؤ' میں مذکور لکھنؤ کے اس میلے اور تہذیب کی جھلکیاں نمایاں ہیں جہاں چلنے میں کندھے سے کندھا چھلتا ہے۔

''غرض جماؤ میلے کا کہاں تک بیان کیا جائے مجملاً چند فقرے لکھکر اصل مطلب لکھا جاتا ہے یعنے عیار اُن کو دیکھ رہے ہین کہ مہاجن نیچے جامے پہنے لڑکون کو ساتھ لئے سیر کراتے پھرتے ہین ہندنیان اپنا اپنا بناؤ کئے پھر رہی ہین اُن مین رام جنیان بھی ہین کہین طوائف بناؤ کئے آشناؤن کو ساتھ لئے بیٹھی ہین کلیجی کے کباب بُھن رہے ہین کہین ایک رنڈی پر دو عاشق ہین اُسپر قصہ ہوا ہے کہین لونڈے پر جھگڑا ہوا ہے تلوار چلی ہے دوڑ گئی ہے لاگین لگ رہی ہین نٹ تماشہ کر رہے ہین نٹنیان ناچ رہی ہین جھولے پڑے ہین سانون ہوتے ہین درختون کے نیچے دریان بچھی ہین شریف لوگ بیٹھے ہین ایک سمت افیونی بیٹھے ہین افیون گھلتی ہے گنے چھلتے ہین حقے توے کے بھرے رکھے ہین ایک امرود چھیلا ہے اُسکے ٹکڑے کر کے سب کو باہم تقسیم کیا ہے

[1] طلسم ہوشربا جلد اوّل از محمد حسین جاہ، ص ۱۷۱، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء
[2] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، (پیشگفتار) ص ۷، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

کوئی کہتا ہے کہ مین گنا ایسا چھیلتا ہون کہ جیسے شمع کسی نے مزعفر کی بوٹی نکالی ہے
ایک ایک ریشہ باہم دیا تعریف ہورہی ہے کہ جلیبی کی کڑکڑاہت ہے بعض اونگھ رہے
ہین مَن مِنا کر بات کرتے ہین تالاب مین جابجا لوگ نہاتے ہین۔۔۔۔۔۔''[1]

چاہ زمرد اور گنبد نور کے میلے کے بیان میں غرق ہونے کے بعد جب ہم عبدالحلیم شرر کی ''گذشتہ لکھنؤ'' کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ تصویریں جانی پہچانی لگتی ہیں۔ یہاں بھی ایک عالم کا مجمع ہے وہاں بھی راستہ چلنے میں کندھے سے کندھا چھلتا ہے تو ہمیں یہ حقیقی دنیا بھی ساحرانہ ماحول سے معمور نظر آتی ہے۔ طلسم ہوشربا کے تین میلے خاص طور قابل ذکر ہیں۔لقا کے نوروز کا میلا، چاہ زمرد کا میلا اور اسد غازی کے قتل کا میلا۔اس میلے کے بیان کا ایک منظر پیش ہے۔

اس سال ہے میکشون کا میلا ۔۔۔ رندون کا ہے ہر جگھ یہ جلسا
پھر بادہ کشون کے جمگھٹے ہین ۔۔۔ میخانے مین رند پھر ڈٹے ہین
میلا نئے رنگ کا ہے ساقی ۔۔۔ جلسا نئے ڈھنگ کا ہے ساقی
دوکانین شراب کی لگی ہین ۔۔۔ کیا دل کو سرور دے رہی ہین
ہر سمت ہین مہوشون کے جمگھٹ ۔۔۔ ہر جا ہین تماش بینون کے ٹھٹ
ہنگامۂ عیش ہر طرف ہے ۔۔۔ میخانے مین بجتے ہین دف و نے
شیشے مے سرخ کے چنے ہین ۔۔۔ سیخون پہ کباب بُھن رہے ہین
ہے باغ کھلا ہوا ہر اک سو ۔۔۔ شمشاد قدون مین گل کی ہے بو[2]

یہ وہی لکھنوی ہیں جن کے لئے مشہور ہے کہ اگر اچکن کا بٹن کھلا رہ جائے تو گھر کے باہر بند کرنا وضع کے خلاف جانتے ہیں۔طلسم کے کھانے پینے دسترخوان پہننے اوڑھنے کے طریقے ہمیں جعفر حسین کی ''قدیم لکھنؤ کی آخری بہار'' اور صفدر حسین کی ''لکھنؤ کی تہذیبی میراث'' سے ملتے جلتے نظر آتے ہیں۔ مصروفیات ناچ رنگ جشن اور ہنگامہ آرائیاں ہمیں واجد علی شاہ کے دور کی یاد دلاتی ہیں تو سخاوت آصف الدولہ کی۔مختصراً یہ کہ ہمیں طلسم ہوشربا کی ساحرانہ فضا میں ہر ہر قدم پر لکھنؤ کی مسحور کن فضا نظر آئے گی۔

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۸۷۵، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء
[2] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۷۹۹، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

ساتھ ہی اس تہذیب کے کچھ ایسے نمونے بھی دکھیں گے جو بظاہر عیوب نظر آئیں گے جیسے کٹنیوں اور دلالوں کا سماج میں ایک اہم رول تھا۔ طلسم ہوشربا میں ہوشیار کٹنی جو کہ لشکر مہرخ کا حال ملکہ حیرت تک پہنچاتی ہے اس کا ایک منظر ملاحظہ ہو:

''مہرخ نے سب حال بیان کیا وہ ایک فقیرنی ہے مین نے رکھ لیا ہے اُسنے کہا سامنے بلواؤ ہوشیار حسب الطلب سامنے آئی عمرو نے صورت بغور دیکھکر کہا کہ عیار بچی ہے تو نہین مگر کٹنی معلوم ہوتی ہے بڑی چالاک ہے تیور بد ہین یہ کہکر فرمایا کہ میری طرف اے نیکبخت ذرا دیکھ تو سہی کٹنی نے آنکھ سے آنکھ ملائی عمرو نے بُھلا وا دیکر بعد لمحے کے پھر کہا دیکھون تیری آنکھ اُسنے پھر اُنکی جانب دیکھا عمرو نے کہا دیکھیے پہلے جس نگاہ سے اُسنے دیکھا تھا ابکی وہ نظر نہ تھی اتنے ہی عرصے مین تیور اور ہو گئے مقرر یہ کٹنی اور اس کی مان کٹنی اگر کہو تو کوڑے مار کر قبول کرادون یہ کہکر زنبیل سے کوڑا نکالا ہوشیار نے دیکھا کہ بیڈھب اسوقت مار پڑیگی جان جاتی رہے تو عجب نہین دوڑ کر قدمون پر گر پڑی اور عرض رسا ہوئی کہ خواجہ سبحان اللہ کیا کہنا آپ کا مثل نہین خوب پہچانا مین ہوشیار کٹنی ہون افراسیاب نے لاکھون روپے دیکر مخمور کے پکڑنے کو بھیجا ہے لیکن اب عہد کرتی ہون کہ کسی طرح کی دغا نہ کرونگی میرا جی نہین چاہتا کہ ملکہ مہرخ کے قدم چھوڑ کر کہین جاؤن۔''[1]

طلسم ہوشربا کی کامیابی اور حسن صرف ان تہذیبی نکات اور ساحرانہ صلاحیتوں کے بیان میں ہی مضمر نہیں ہے اس کی خوبصورت زبان اور دلکش انداز اس کے بیانیہ وصف کو دوبالا کرتا ہے مگر یہ حسن کبھی کبھی گراں بھی گزرتا ہے جب داستان نویس اپنی زبان دانی کے جوہر دکھانے کے لئے بے جا طوالت پیدا کرنے سے گریز نہیں کرتا حالانکہ یہاں بھی ہمیں یکسانیت نہیں ملتی اور بقول شمس الرحمٰن فاروقی ''داستان امیر حمزہ میں دو طرز تحریر ہے ایک با تکلف اور رنگین، فسانۂ عجائب کی ڈھنگ کی اور دوسری سادہ'' یہ بھی ممکن ہے کہ جسے ہم بے جا طوالت کہہ رہے ہیں وہ داستان گوئی کی ضرورت رہی ہو جس کا ہمیں آج احساس باقی نہیں رہا لیکن یہ بیانیہ زبان و بیان کا جادو ضرور چلاتی ہیں۔ اس کی زبان میں ایک

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، جلد اول، ص ۶۳۵، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

اور وصف ہے اس میں عورتوں کی زبان یعنی ریختی کا استعمال بھی کثرت سے ہوا ہے۔ ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

''یاقوت جو لیٹی ہوئی تھی اوس نے پوچھا کیا ہے سیوتی نے عرض کیا کہ شہنشاہ آتے ہین یہ سننا تھا کہ وہ گھبرا کر اوٹھ بیٹھی اور کہا اری سیوتی تجھے خدا کی مار موئی غارت ہوئی مالزادی ارے جلدی فرش وغیرہ آراستہ کر کیون میری ناک کٹوایا چاہتی ہے کشتیان نذر کے لیے جواہر کی لا تو تو ایسا بیٹھی ہے جیسے چھلے کی بھینس ارے موئی تو اُڑ کیون نہین جاتی ہے مالزادی گھورتی ہے یہان مسند بچھا کر تکیے گرد میرے لگا دے کہ مین بھی پلنگ سے اوتر کر بیٹھون۔''[1]

جیسا کہ پہلے ہی مذکور ہے کہ نسوانی کردار طلسم ہوشربا میں زیادہ مضبوط ہیں اور خود مختار بھی ہیں لیکن انہیں کرداروں سے طلسم میں رنگ آمیزی بھی ہے اور شاید نسوانی کرداروں کی عدم موجودگی نے بیرونی طلسم حمزہ اور لقا کے درمیان ہو رہے معرکے میں دلچسپی کا عنصر کم کر دیا جب کہ ملکہ مہرخ اور افرسیاب کے لشکر کے معرکے بے حد دلچسپ ہیں۔ حالانکہ یہاں دلچسپی کا عنصر پیدا کرنے کے لئے بختیارک کے مضحکہ خیز کردار کی تشکیل ہوتی ہے مگر پھر بھی ایک کی مضبوطی دوسرے کی کمزوری کی دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا مرد کردار کمزور ہیں ہاں عیاروں کے معاملے میں یہ بات الٹی ہے۔ پانچوں عیار بچّیاں عیاری میں پیچھے ہیں۔

دراصل طلسم ہوشربا کی کشش اس کے مافوق الفطری عناصر پر مشتمل ہیں یہ عناصر دو قسم کے ہیں۔ اوّل تو پوری حکومت کی بنیادیں مافوق الفطری نظریے پر ہے۔ ساحر اور ساحرنیاں پھر دیو، عفریت، بھوت اس کے علاوہ سحر کے بنائے پرندے اور پتلیاں جو ساحروں کا حکم بجا لاتے اور انھیں ہر پل کی خبر پہونچاتے ہیں۔ جادو سے بنی ندیاں پہاڑ سرنگیں شعلہ اگلتے کنویں ہیں، جادوئی پیڑ ہیں، سحر سے اڑنے والے تخت ہیں اور نہ جانے کیا کیا طلسم کہ عقل محو حیرت مگر اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ان کرداروں کے علاوہ جو فطری اور حقیقی کردار ہیں ان کے بھی خصائل مافوق الفطری ہیں یہ وہ عیار ہیں جن کے اکثر اعمال و افعال انسانوں سے مشابہ نہیں ہوتے۔ یہ ٹھیک ہے کہ عمرو یہ سب اپنے تحفہ جات سے کرتے ہیں۔ جس میں ان کی زنبیل بھی ایک اہم رول ادا کرتی ہے جس میں دوست کو محفوظ رکھنے کے

[1] طلسم ہوشربا جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۲۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

لئے ڈالا جاتا ہے۔دشمن کو قید کرنے کے لئے اور اس لئے جو سات ملک ان کی زنبیل میں آباد ہیں دوست وہاں عیش کرتے ہیں تو دشمن محنت مزدوری کرتے اور سزائیں بھگتتے ہیں۔ جال الیاسی میں دشمن الٹا لٹک جاتا ہے کمند آصفی پھینک کر مال غنیمت لوٹتے ہیں اور گلیم اوڑھ کر غائب ہو جاتے ہیں۔ جہاں کسی بڑی ساحرہ کے پاؤں نہیں جمتے وہاں یہ عیار آسانی سے میدان مار لیتے ہیں۔

طلسم ہوشربا کی اہمیت کا بہت حصّہ محمد حسین جاہ اور احمد حسین قمر کی قصّہ گوئی سے وابستہ ہے اگر چہ یہ قصّہ داستان امیر حمزہ سے ماخوذ ہے لیکن اس کی طوالت ہی میں ان دونوں داستان گویوں کا بہت حصّہ ہے جو منشی نول کشور کی باذوق نظر انتخاب کی دین تھے۔لکھنوی عہد میں مرزا طور اور میر فدا علی نام کے دو داستان گو تھے اگر چہ ان کی مرقوم کوئی داستان موجود نہیں لیکن ان کی قصّہ گوئی کے چرچے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے۔ان کی زبان بہت فصیح تھی۔محمد حسین جاہ میر فدا علی کے شاگرد تھے میر فدا علی بڑے منشی کہلاتے تھے چنانچہ جاہ چھوٹے منشی کہلائے۔

> ''لکھنؤ کی اہم داستانیں وہ ہیں جو لکھنوی اوصاف کی کسی نہ کسی شکل میں ترجمانی کریں۔جعفر علی شیون کی داستان جو بجائے خود داستان کی حیثیت میں نہایت کمزور ہے بعض لکھنوی اوصاف سے متصف ہے لہٰذا اسے اسی زمرے میں رکھا گیا۔
>
> دبستان لکھنؤ کے قیام کے ابتدائی دور میں مرزا طور اور میر فدا علی دو مشہور داستان گو گزرے ہیں۔ان کی لکھی ہوئی داستان موجود نہیں ہے۔ میر فدا علی بڑے منشی کہلاتے تھے۔محمد حسین جاہ لکھنوی انھیں بڑے منشی کے شاگرد تھے اور خود چھوٹے منشی کہے جاتے تھے۔طلسم فصاحت محمد حسین جاہ لکھنوی نے ۱۸۷۴ء میں تصنیف کی۔ یہ داستان شائع بھی ہوئی لیکن سچ پوچھیے تو بڑے منشی کے شاگرد چھوٹے منشی کی شہرت کا سبب منشی نول کشور کے مطبع کی ملازمت ہے۔منشی بھی (منشی نول کشور) نے ان کو طلسم ہوش ربا لکھنے کا حکم دیا۔اکثر اہل لکھنؤ یہ بات بخوبی جانتے اور بیان کرتے ہیں کہ جاہ نے طلسم ہوش ربا کی چار جلدیں تصنیف کی تھیں کہ منشی جی سے جھگڑا ہو گیا۔''[۱]

منشی نول کشور اور محمد حسین جاہ سے نا اتفاقی ہو جانے کے بعد جب انہوں نے گلاب سنگھ لاہوری

---

[۱] دبستان لکھنؤ کے داستانی ادب کا ارتقا از ڈاکٹر آغا سہیل،ص،۱۴۰ تا ۱۴۱،مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،لاہور،۱۹۸۸ء

کے مطبع میں ملازمت کر لی تو احمد حسین قمر کو منشی نول کشور نے اس کام پر لگایا۔ احمد حسین قمر کے پاس ۱۸۵۷ء کی تباہی کے بعد کوئی روزگار نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے داستان گوئی کو اپنا پیشہ بنایا اور داستان امیر حمزہ کی کئی جلدیں مرقوم کی طلسم ہوشربا چار جلدیں اور دو باقی طلسم ہوشربا انہیں کی لکھی ہوئی ہے۔

''منشی احمد حسین قمر لکھنوی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں ان کے دو بھائی کام آئے، وکالت کا امتحان دے کر روزگار حاصل کرنا مقصود تھا نا کام ہوئے اور داستان گوئی کو بطور پیشہ اختیار کرنا پڑا۔ نول کشور نے جاہ کے خلاء کو پُر کرنے کے لیے قمر سے کام لیا اور انھوں نے بدرجہ احسن اس کام کو نبھایا۔ وہ بیحد زود نویس تھے۔ سحر اور رزم آرائی دونوں پر بے پناہ قدرت رکھتے تھے۔ یہ دونوں اوصاف حمیدہ داستان نویس کے لیے نہایت ضروری تھے اور انھیں کی مدد سے مرصوف نے دفتر کے دفتر تخلیق کر ڈالے۔ بیان کی بے پناہ طاقت، مواد کی فراوانی، کرداروں کی افراط، زبان کا اتنا بڑا ذخیرہ اکٹھا کر دینا تو ایک کمال ہے۔ دوسرا بڑا کمال یہ ہے کہ اگر یہ معلوم کیا جائے کہ مذکورہ بالا مواد کا منبع اور مخرج کہاں ہے تو ظاہر ہے کہ وہ لکھنؤ کا معاشرہ ہے جو ٹوٹ پھوٹ کر بکھر چکا تھا۔ ان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو بلکہ سنگریزوں کو جمع کر کے ایک نہیں، متعدد خوبصورت مالائیں تیار کر دینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ دوسرے لفظوں میں جاہ اور قمر دونوں کو آپ ماہرین عمرانیات بھی قرار دے سکتے ہیں اور عوام کی اجتماعی نفسیات پر نگاہ رکھنے والا بھی۔ جس لکھنؤ کا اور اس کے عروج کا ذکر گذشتہ ابواب میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اس کا زوال بیحد المناک تھا۔ جاہ اور قمر دونوں نے اس کی اندوھنا کی کی شدت کو خود سہہ لیا اور اپنے سحر اور طلسمات کی چھاؤں میں عوام کو بٹھا دیا۔ جس طرح سمندر کا سارا زہر شنکر نے پی کر امرت سمندر میں متھ دیا اسی طرح جاہ اور قمر نے اس المیہ کی کڑی دھوپ کو خود انگیز کر لیا اور عوام الناس کو اپنے سحر اور طلسمات کی گھنی اور ٹھنڈی چھانوں میں بٹھا دیا۔''[1]

محمد حسین جاہ اور احمد حسین قمر کے ماہر داستان گو ہونے کی دلالت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ طلسم ہوشربا کی طباعت سب سے پہلے ہوئی جبکہ وہ داستان امیر حمزہ کا دفتر پنجم ہے یعنی اور چار دفاتر وہ

[1] دبستان لکھنؤ کے داستانی ادب کا ارتقا از ڈاکٹر آغا سہیل، ص ۴۲ تا ۴۳، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء

لوگوں کو بیان کر چکے تھے اور لکھ بھی چکے تھے لیکن چھپی نہیں تھیں۔ طلسم ہوشربا کے حسن بیان کو مدنظر رکھتے ہوئے طلسم ہوشربا کی اشاعت ۱۸۸۱ء سے شروع ہو کر ۱۸۹۳ء تک جاری رہی جبکہ پیشتر دفاتر کی طباعت ۱۸۹۲ء سے شروع ہو کر ۱۹۰۱ء تک جاری رہی مطلب محمد حسین جاہ اگر ایک منجھے ہوئے داستان گو تھے نول کشور کامیاب ناشر۔ ان دونوں داستان گویوں نے صرف طلسم ہوشربا میں نہیں داستان گوئی کے فن کو خوب عروج بخشا اور زبان وتہذیب کی خدمت کے نئے باب وا کئے طلسم ہوشربا داستانوں کا دور عروج ہے چنانچہ کلیم الدین احمد داستان گوئی میں لکھتے ہیں ۔

> ''اردو میں داستان گوئی کی معراج ''داستان امیر حمزہ'' ہے۔ فرصت کہاں کہ کوئی اس کبھی نہ ختم ہونے والے سلسلے کا مفصل جائزہ لے سکے۔ اسلئے ''داستان امیر حمزہ کی صرف ایک کڑی یعنی ''طلسم ہوشربا'' پر کچھ تفصیل کے ساتھ لکھا جائے گا۔ لیکن یہ تفصیل بھی مجمل سی ہوگی۔ ''طلسم ہوش ربا'' میں ''داستان امیر حمزہ'' اپنے اوج کمال پر ہے اس لئے ''طلسم ہوش ربا'' پر جو بحث ہوگی اس سے ''داستان امیر حمزہ'' کی خصوصیتیں واضح ہو جائیں گی۔ ''طلسم ہوش ربا'' کی سات جلدیں ہیں۔ اگر اس کے سارے محاسن ومعائب پر روشنی ڈالی جائے تو ایک بھاری بھرکم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔''[۱]

یوں تو داستان پر ہی بہت کم کام ہوا ہے لیکن داستان امیر حمزہ کے اس طویل سلسلہ پر شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کی ''ساحری، شاہی اور صاحبقرانی'' اتنا اعلیٰ پائے کا کام ہے جس میں منجملہ فن داستان گوئی اور فن داستان نویسی کے داستان مذکورہ کے تمام خصائص پر محققانہ اور عالمانہ گفتگو کی گئی ہے۔ داستان پر ہوئے تمام دانشوران کی تحقیق کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ زیر نظر مقالے کی تکمیل تک ''ساحری، شاہی، صاحبقرانی'' کی جلد چہارم اور پنجم بھی آ گئی جس میں داستان امیر حمزہ کے تمام تر دفاتر اور جلدوں کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے لیکن پانچویں جلد کے مطالعے طلسم ہوشربا جلد چہارم پر ختم ہو گئے طلسم ہوشربا جلد ششم اور ہفتم کی سحر سازیاں ہنوز تشنۂ قدردانی ہیں۔ چنانچہ اسے ابھی تک کا حرف آخر بھی مانا جائے گا کیونکہ گیان چند جین نے مختصراً ہی اپنی تحقیق میں تاریخی اعتبار سے تمام داستانوں کا تعارف

[۱] اردو زبان اور فن داستان گوئی از کلیم الدین احمد، ص ۳۳، ادارہ فروغ اردو، امین آباد پارک لکھنؤ، ۱۹۶۵ء

پیش کیا ہے باقی ڈاکٹر سہیل بخاری اور ڈاکٹر آغا سہیل کے مطالعے بھی بہت مفید ہے مگر اس میں زیادہ تر گیان چند جین سے ہی استفادہ ہے اور اسی طرز کی تحقیق ہے جہاں اختلاف کی گنجائش ہے وہاں اختلاف بھی ہے لیکن داستان امیر حمزہ کے مقبول ترین دفتر طلسم ہوشربا کا تفصیلی مطالعہ آج بھی تشنۂ تحریر ہے اگر چہ طلسم ہوشربا پر راہی معصوم رضا کا خصوصی مطالعہ بہت اہم ہے اس سے طلسم ہوشربا کی فنکارانہ خصوصیات سامنے آتی ہیں لیکن وہ تصویر کا محض کا ایک رُخ ہے اور اس میں طلسم ہوشربا محض تہذیبی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے سماج کی تفصیلات اس کا لباس، رہن سہن، دربار، زبان وغیرہ کا جائزہ لیا گیا ہے چنانچہ یہاں بھی مکمل تصویر نہیں دستیاب ہوتی۔ حسن عسکری نے انتخاب طلسم ہوشربا چھاپ کر اس کا مقدمہ لکھا وہ کافی اہم ہے لیکن طلسم ہوشربا کے مطالعے کے نقطۂ نظر سے یہاں بھی تشنگی ہے کیونکہ یہ تمام جلدوں سے چنندہ انتخابات میں جس میں ان کی پسند ملحوظ نظر ہے اس سے طلسم ہوشربا کے صرف انداز کا پتا چلتا ہے۔ اس کی فنی اور افسانوی خصوصیات سامنے نہیں آتیں پھر ان انتخابات میں جلد تو درج ہے صفحات نہیں تو قاری کو اس کے پیش منظر یا پس منظر کو جاننا ہو تو یہ معاونت نہیں کرتیں۔ 'کلیم الدین احمد' نے 'اردو زبان اور فن داستان گوئی' اور 'گیان چند جین' نے 'اردو کی نثری داستانیں'، 'وقار عظیم' نے 'ہماری داستانیں' میں بھی طلسم ہوشربا کا محض تعارف ہے۔ 'شفق' کی 'اردو داستانوں میں ویلین کا تصور' میں طلسم ہوشربا کے کافی حوالے ہیں لیکن یہاں بھی ایک رُخ ہے ویلین کا۔ 'قمر الھدیٰ فریدی' نے 'طلسم ہوشربا: تنقید و تلخیص' لکھ کر طلسم ہوشربا کے مطالعہ میں ایک بڑا اضافہ کیا لیکن یہ مطالعہ بھی صرف طلسم ہوشربا کے جلد اول کو مدنظر رکھ کر لکھا گیا ہے۔ لہٰذا طلسم ہوشربا کے جو دلآویز اجزا جلد سوم جلد پنجم حصّہ دوم اور جلد ششم و ہفتم میں ہیں وہ سامنے نہیں آسکے خصوصاً طلسم نور افشاں کوکب روشنضمیر، ملکہ براں اور حجرۂ ہفت بلاؤں کی بلاؤں کے کردار سے قاری متعارف نہ ہو سکا اور تشنگی باقی رہی۔ زیرِ نظر مطالعہ اس کو پُر کرنے کی ایک ادنیٰ کوشش ہے۔ طلسم ہوشربا کے کردار و واقعات میں بہت تکرار ہے۔ چنانچہ یوں تو کرداروں کی تعداد بے شمار ہے لیکن ان میں سے نمائندہ کردار و واقعات کو ضابطۂ تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ طلسم ہوشربا کی مجموعی تصویر مختصراً صاحبِ ذوق اشخاص کے سامنے آسکے۔

طلسم ہوشربا ایک طرف ہمارے ادبی سرمائے میں ایک گراں قدر اضافہ ہے تو دوسری طرف

ہماری تہذیبی وراثت کا بیش بہا ذخیرۂ الفاظ زبان اردو کو دئے۔ اس لئے اگر ہم یہ کہیں کہ طلسم ہوشربا مافوق الفطری اور غیر حقیقی روایتوں میں اول ہونے کے باوجود حقیقت کی تصویر بھی ہے تو یہ بات بھلے ہی نا قابل قبول ہے پھر بھی اس میں سچائی کا عنصر ہے کیونکہ جب ہم تاریخ اودھ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ لکھنؤ کے نوابی عہد میں کچھ ایسی ہی ساحرانہ فضا تھی۔ وہاں کی تہذیب میں کچھ ایسی مصنوعیت تھی اور الگ انداز زندگی تھا۔ اسے ہم اس ساحرانہ فضا سے تعبیر کر سکتے ہیں اور اگر علامتی نقطۂ نظر سے دیکھیں تو یہاں ایک طرف لکھنوی نوابوں پر سحر کر کے ان کی حکومت ہڑپ کرنے والے انگریز ہیں تو دوسری طرف اپنی نظروں کے سحر اور زلفوں کے جادو میں گرفتار کرنے والی لکھنؤ کی طوائفیں ہیں اور یہ نقطۂ نظر ہمیں داستان کی زندگی سے قربت کا احساس دلاتا ہے۔ شاید اسی لئے محمد حسین جاہ، احمد حسین قمر کو صف اول کے داستان گو اور طلسم ہوشربا کو مقبول ترین داستان کا مقام حاصل ہے۔ تہذیب و ادب کی اعلیٰ ترین مثال ہونے کے ساتھ ساتھ داستان امیر حمزہ خصوصاً طلسم ہوشربا اردو زبان کے ارتقا کا ایک بہت بڑا ذریعہ بھی ہے اور اس سے اردو زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں نہ صرف بیش بہا اضافہ ہوا بلکہ ایک مخصوص طرز بیان اور پُر کشش لب و لہجہ کو بھی فروغ ملا اس کی اسی خاصیت پر شکیل الرحمٰن رقمطراز ہیں ۔

> ''داستان امیر حمزہ ہو یا 'طلسم ہوش ربا' زبان کے تعلق سے بھی ماضی کی اردو زبان کا بہت بڑا تحفہ اور اس کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اِن داستانوں کو پڑھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو نے اس منزل تک آتے آتے کتنا بڑا سفر کیا ہوگا! لکھنؤ کی زبان کی یہ صورت اردو کے ماضی کی جانب بار بار دیکھنے کے لئے اکساتی ہے۔''[1]

---

[1] داستان امیر حمزہ اور طلسم ہوشربا از ڈاکٹر شکیل الرحمٰن، ص ۱۹، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۹ اے گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲، ۱۹۹۵ء
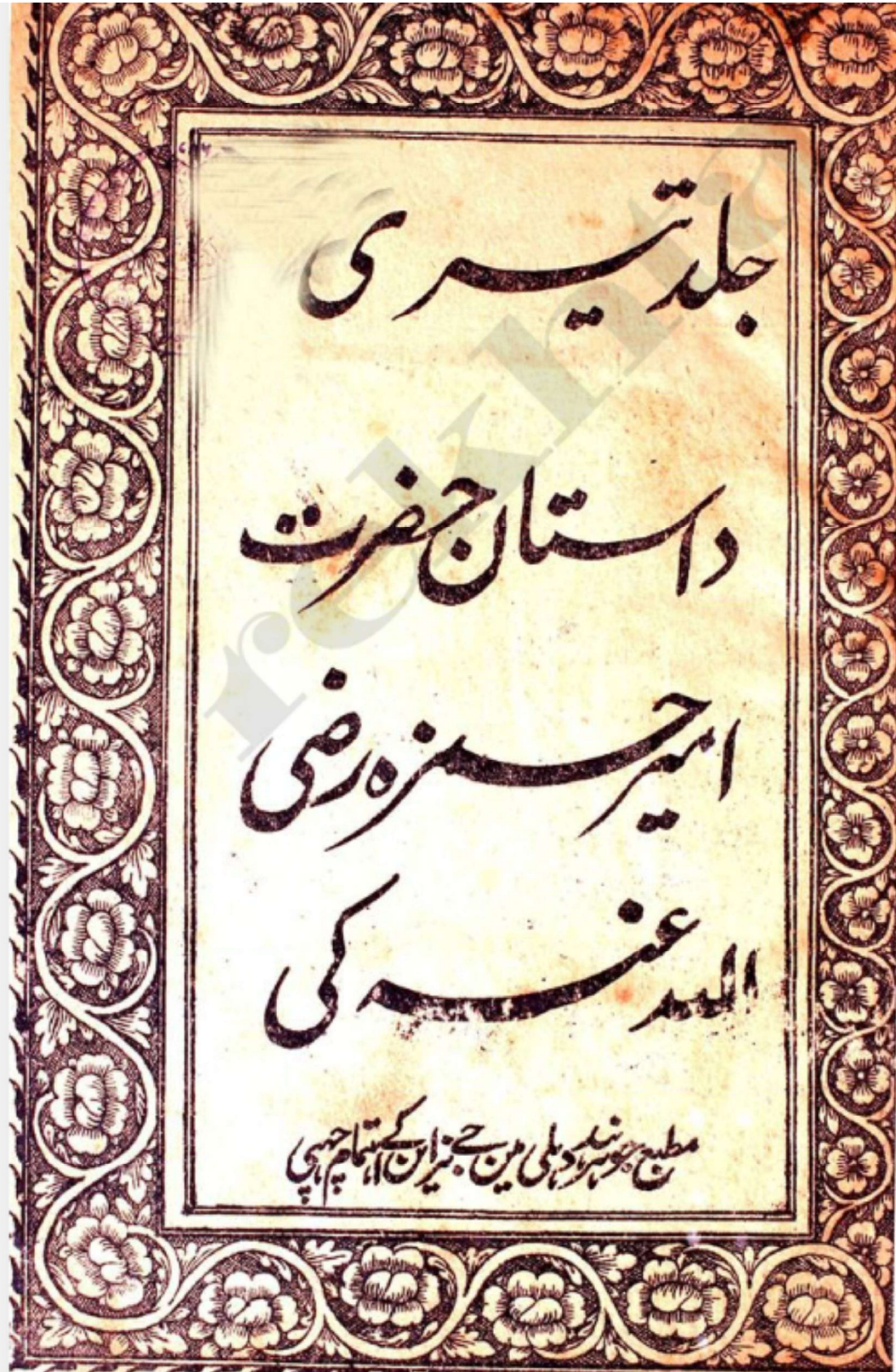
یک جلدی داستان امیر حمزہ مطبع جوہر ہند دہلی
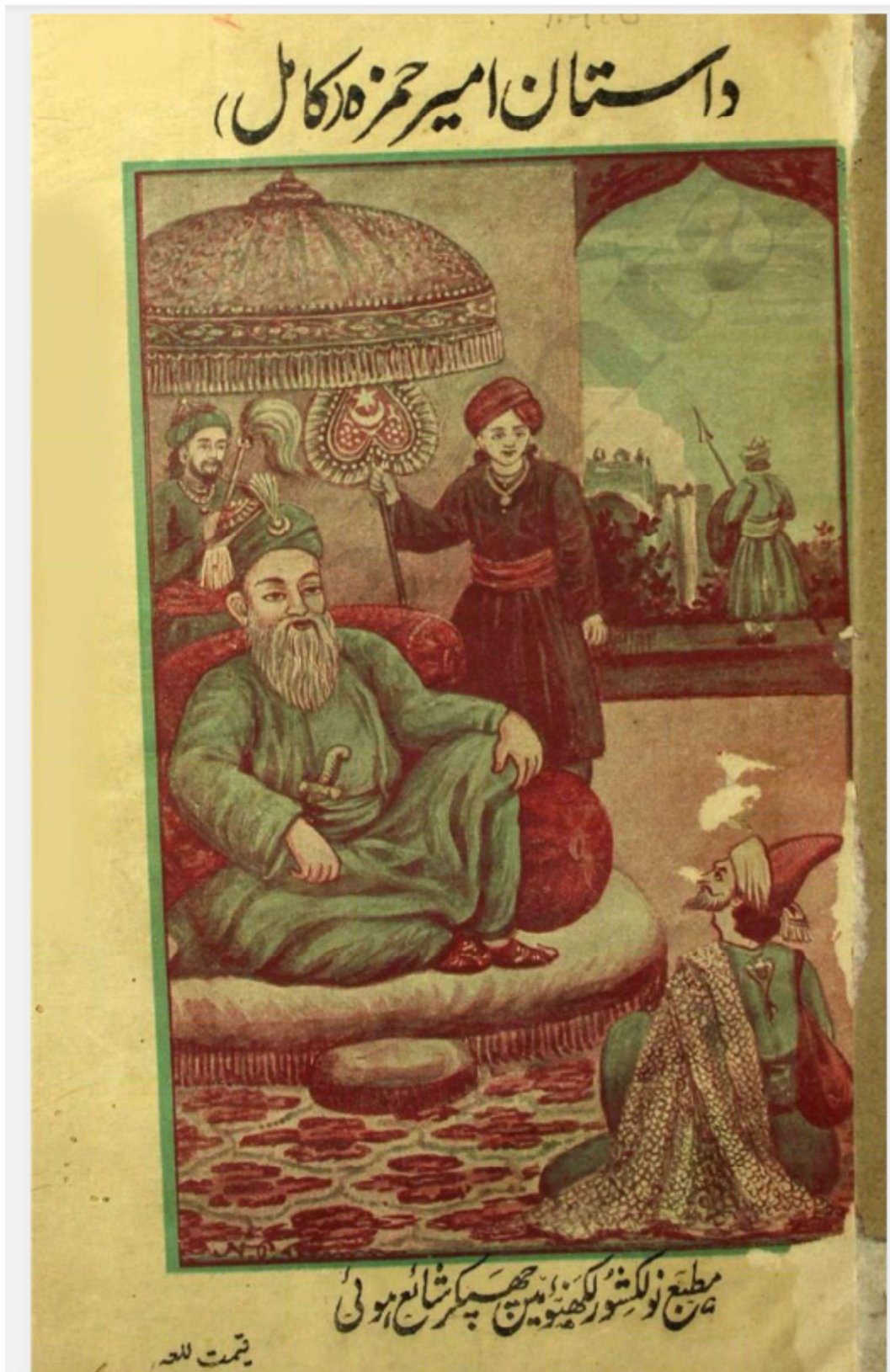
یک جلدی داستان امیر حمزہ مطبع نول کشور
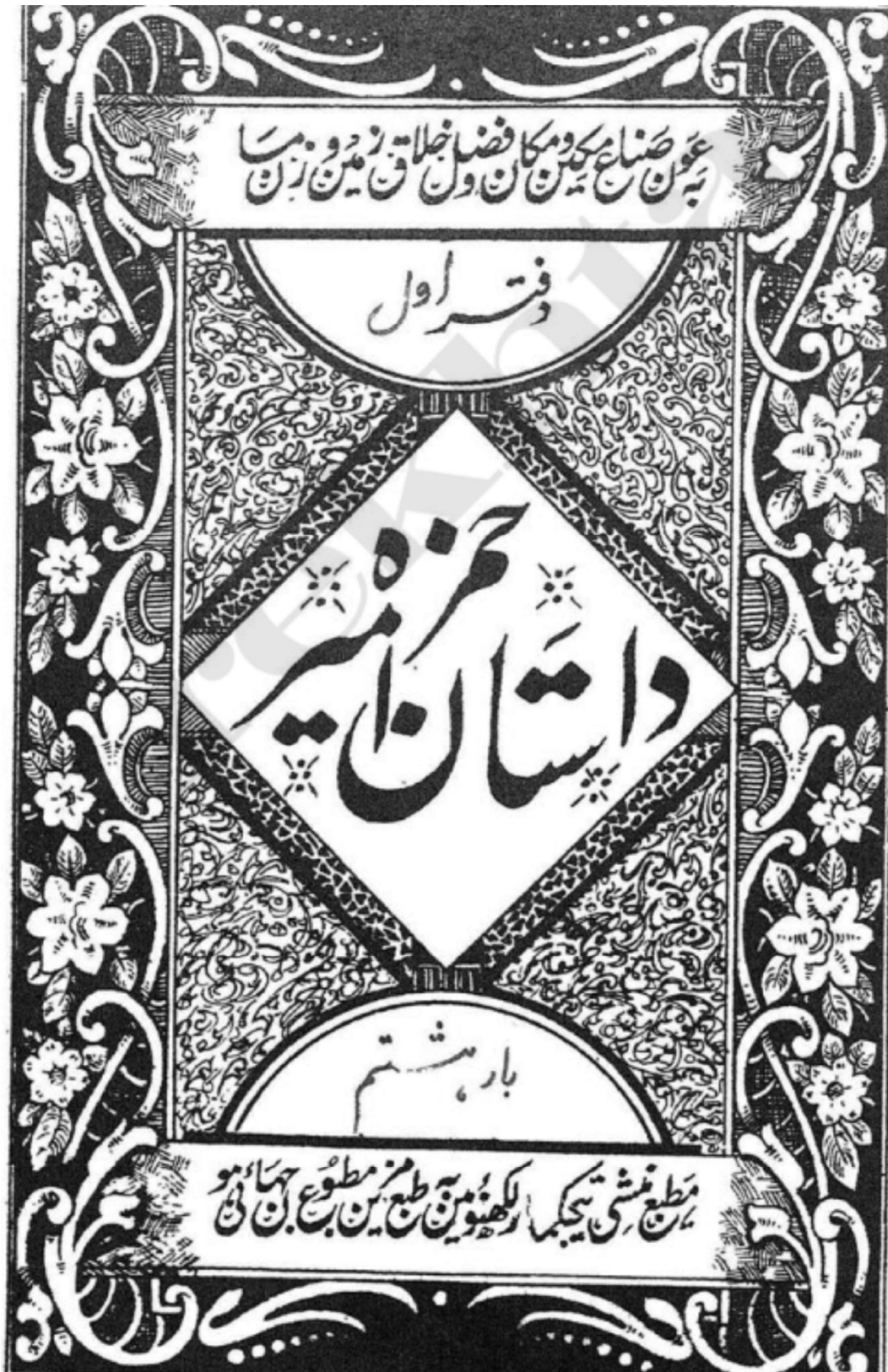
چہار دفاتر پر مبنی یک جلدی داستان امیر حمزہ

نوشیروان نامہ

دفتر اوّل

داستان امیر حمزہ صاحبقران

واضح ہو کہ داستان امیر حمزہ صاحبقران وہ بحر زخار ہے جسکے منتہای قعر تک زنجیر فکر کا پہونچنا نہایت دشوار ہے
جن صاحبون نے یہ داستان ملاحظہ فرمائی ہے وہ خوب جانتے ہین کہ انمین سے ہر ایک داستان کا کسقدر حجم
بزرگ ہے اور انکی اصول فارسی کے مصنف غلام شیخ ابوالفیض فیضی نے جوان داستانون کو واسطے تفریح طبع جلال الدین محمد اکبر
بادشاہ کے تصنیف فرمایا انکی تصنیف مین کسقدر خون جگر کھایا ہوگا۔ اسکے آٹھ دفتر ہین اور بعض دفتر کی کئی جلدین حسب تفصیل ذیل

تعداد دفتر	نام داستان	تعداد جلد	تعداد دفتر	نام داستان	تعداد جلد
اول	نوشیروان نامہ	۲ جلد	پنجم	طلسم ہوش ربا	۷ جلد
دوم	کوچک باختر	۱ 〃	ششم	صندلی نامہ	۱ 〃
سوم	بالا باختر	۱ 〃	ہفتم	تورج نامہ	۲ 〃
چہارم	ایرج نامہ	۲ 〃	ہشتم	لال نامہ	۱ 〃

ان داستانون مین سے طلسم ہوش ربا کی پوری ساتون جلدین طبع ہو کر ملاحظہ ناظرین مین گذرین باقی [illegible] وہ بھی
انشاءاللہ تعالی بہت جلد ہدیہ ناظرین باتمکین ہونگی۔ بالفعل نوشیروان نامہ جو دو جلدون پر منقسم ہے اسکی

جلد اوّل جسکو

گل گلزار فصاحت بلبل شاخسار بلاغت ماہر خوش بیان کامل شیرین زبان شیخ تصدق حسین صاحب داستان گو نے
حسب تحریک شیخ حامد حسین صاحب از جانب نولکشور پریس بڑی جانکاہی سے بزبان اردو نہایت فصیح و بلیغ

ترجمہ فرمایا بار دوم

مطبع نامی منشی نولکشور واقع کانپور مین طبع ہوئی

شہ۱۸۹۸ء

اعلان ۔ حق تالیف اس ترجمہ کا بحق نولکشور پریس محفوظ و مخدور ہے۔

۴۶ جلدی داستان امیر حمزہ کے دفتر اول نوشیرواں نامہ کا اندرونی صفحہ

هو اللہ تعالی

هذا
کتاب مستطاب
داستان امیر حمزۂ صاحب
قران رضی اللہ عنہ موسوم
برموز حمزہ بر حسب فرمایش عالیجاہ
آقا میرزا محمد ملک الکتاب شیرازی
المخاطب من طرف دولت فخیمہ انگلیسیہ
بہ خان صاحب در بندر
بمبئی زیور طبع در آمد

شانہ العزیز

ممبئی کے مطبع سپہر مطلع مظفّری سے چھپی فارسی کی تیسری جلد رموز حمزہ کا پہلا صفحہ

239 ۲۳۶

اورا ملائکہ گرفتہ اند آنگاہ این آیہ نازل شد وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ قریشی شادخاطر شدہ باپریان مراجعت بکوہ
قاف نمود واللہ اعلم بالصواب

بعون اللہ تعالی وحسن توفیقہ داستان امیر حمزہ
صورت انجام وسمت اختتام پذیرفت برحسب فرمایش
عالیجاہ رفیعجایگاہ مجدت ونجدت ہمراہ عمدۃ الاعیان

میرزا محمد خان ملک الکتّاب

ملقّب بہ خان صاحب زیدعزّہ

ودر مطبع سپہر مطلع مظفّری واقع در معمورۂ بمبئی
بحلیہ طبع آراستہ واز ہر عیبی پیراستہ گردید وکان
الفراغ فی شہر ربیع الثانی من شہور ۱۳۲۷ من الہجرۃ المقدسۃ

رجسٹری شدہ

ممبئی کے مطبع سپہر مطلع مظفّری سے چھپی فارسی کی تیسری جلد رموز حمزہ کا آخری صفحہ

غالب لکھنوی کی داستان امیر حمزہ کا سرورق

داستانِ امیر حمزہ

داستانِ امیر حمزہ اردو زبان کی سب سے زیادہ مقبول داستان ہے۔ غالب لکھنوی کی تالیف کردہ داستانِ امیر حمزہ پہلی مرتبہ ۱۸۵۵ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ یہ داستان اپنے بیانیے کی خوبیوں کی بنا پر، اردو نثر میں دستیاب دوسری تمام داستانوں میں ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ امتدادِ زمانہ سے یہ ضخیم داستان نایاب رہی اور ڈیڑھ صدی سے زائد مدت گزر جانے کے بعد اس کی اشاعتِ ثانی ہو رہی ہے۔

مؤلف کے بارے میں: نواب مرزا امان علی خاں بہادر غالب لکھنوی نے دیباچے میں خود کو شہزادہ فتح حیدر خلف اکبر ٹیپو سلطان کا داماد تحریر کیا ہے۔ عبدالغفور خاں نساخ نے اپنے تذکرے سخنِ شعرا میں غالب لکھنوی کو ''عظیم آبادی'' لکھا ہے۔ ممکن ہے غالب لکھنوی کا مولد عظیم آباد (پٹنہ) ہی ہو اور بعد میں وہ لکھنؤ آ کر بس گئے ہوں۔ نساخ کے مطابق غالب لکھنوی طویل مدت تک ''ڈپٹی کلکٹر'' رہے۔ نساخ نے غالب لکھنوی کا ذکر زندہ شخص کے طور پر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سخنِ شعرا کی تکمیل ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۵ء) تک غالب لکھنوی زندہ تھے اور کلکتہ میں مقیم ہو چکے تھے۔ حکیم سید احمد اللہ ندوی نے تذکرۂ مسلم شعرائے بہار میں غالب لکھنوی کو مرزا محمد حسن قتیل کا شاگرد لکھا ہے۔

اوکسفورڈ پریس کراچی سے شائع غالب لکھنوی کی یک جلدی داستان امیر حمزہ کا تعارفی صفحہ

باب چہارم

طلسم ہوشربا کے طلسمی اور غیر طلسمی کرداروں کا تجزیہ

(۱) امیر حمزہ اوران کا خاندان
(۲) خاندان حمزہ میں نسوانی کرداروں کا فقدان
(۳) عیاران لشکر اسلام
(۴) شریک اسلام ساحر اور ساحرنیاں
(۵) افراسیاب جادو اور حیرت جادو
(۶) خداوند لقا اور شیطان بختیارک
(۷) عیار بچیاں
(۸) طلسم کے دیگر ساحران

کسی بھی فکشن کی کامیابی میں سب سے اہم حصّہ کردار نگاری کا ہوتا ہے۔ خالق حقیقی نے جب کائنات تخلیق کیا تو اس کی تمام تر اساس آدمؑ ،حوا اور ابلیس پر رکھی۔ کرداروں کی یہی تخلیق قصۂ آدم کو آج بھی رنگین بنائے ہے اور اسی لیے اقبالؔ کے یہاں ابلیس دعویٰ کرتا ہے کہ قصۂ آدم کو رنگین کر گیا کس کا لہو؟ اگر بہ نظر غائر دیکھیں تو کسی بھی قصہ کو دلچسپ رنگین یا جادو بیاں بنانے میں کرداروں کی امتیازی حیثیت ہوتی ہے اور طلسم ہوشربا کی کامیابی کا تو تمام تر دارومدار کرداروں کی تخلیق میں ہے۔ ایسا شاہکار شاید ہی دنیا کے کسی ادب میں ہو۔ کرداروں کی تعداد یہاں تقریباً ہزار سے بھی اوپر ہے اور کمال کی بات یہ ہے کہ دو مصنفین کے تحریر کرنے اور ہزاروں کی تعداد کے باوجود کرداروں میں نام اور سحر کی یکسانیت نہیں ہے۔ غور طلب ہے کہ ایک نام کے لیے ہزاروں بار سوچنا اور تلاش کرنا پڑتا ہے اور یہاں ہزاروں نام اس خوبصورتی سے تراشے گئے ہیں کہ ان کے سحر کی خصوصیت ان کے نام میں پوشیدہ ہے۔ سرخمو زلفیں بکھیرتی ہے تو بہار بہار لا کر دنیا کو دیوانہ بناتی ہے۔ یہاں ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ اگر ساحر ہے تو وہ رعد ہے، شکیل ہے، اخگر ہے، برق ہے یعنی جلالت، دبدبہ اور طاقت کی علامت عورت ساحرہ ہے تو وہ بھی طاقتور تو ہے اور اکثر مرد سے بھی زیادہ حسن کے فتنوں سے بھی جادو کرتی ہے۔ داستان گو اسے بہت بہادر بناتا ہے لیکن اس کی نسوانیت پر حرف نہیں آنے دیتا اور اس چابکدستی سے کرداروں کو تراشتا ہے یہ بھی کسی سحر سے کم نہیں۔ یہ کردار کئی طرح کے ہیں۔ اولاً امیر حمزہ کے خاندان کے لوگ، یہ تعداد میں بہت کم ہیں۔ طلسم ہوشربا کا یہ بہت بڑا نقص ہے کہ جس کے ذمہ دو جنگ ہے ایک لقا شاہ باختری سے دوسری طلسم ہوشربا اور افراسیاب سے اس کی جانب تعداد اتنی کم ہے۔ ایک لاکھ چوراسی ہزار عیاروں کا ذکر تو ہے لیکن جو عیار لشکر حمزہ اور لشکر طلسم میں عیاریاں کرتے پھرتے ہیں ان میں نمایاں دس پندرہ سے زیادہ نہیں ہیں جن کے نام درج ہیں اور عیاری نظر آتی ہے۔ عورتوں کا کردار تو گرد یہ بانو کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ شاید داستان گو سامعین کے ذوق سے واقف ہے کہ انہیں عام انسانوں کے کردار و اوصاف پسند نہیں آئیں گے۔ اسی لیے وہ محض ساحر اور ساحرنیوں نیز چند عیاروں پر اپنا زور قلم صرف کرتا ہے کیونکہ ان کے ہاتھوں عجائبات سرزد ہوتے ہیں اور داستان گو کا مقصد ہی یہی ہے کہ سامع آنکھیں پھاڑ دہشت اور تجسس

کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ہمہ تن گوش ہو کر اس کی بات سنیں اور داستان گو کی چرب زبانی کسی کو اپنی جگہ سے ہلنے نہ دے۔ چنانچہ اسے صرف عجیب و غریب جادو یا معجزات دکھا کر لوگوں کے دماغ پر اپنا قبضہ رکھنا ہے یا پھر عیاروں کی شعبدہ بازیاں اور حمزہ کے معجزات سے انہیں سامان تفریح فراہم کرانا ہے۔ یہ مقاصد عام انسانوں کے کردار کے ذریعہ پورے نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ تین قسم کے کردار ہی طلسم ہوشربا کی پوری کہانی پر حاوی ہیں۔حمزہ کے خاندان میں صرف حمزہ کیونکہ بدیع الزماں طلسم ہوشربا کی شروع کی جلدوں میں صرف قید رہتے ہیں۔کبھی دشمن ساحروں کی قید میں، کبھی مہرخ کی، صرف طلسم کشائی کے وقت نظر آتے ہیں۔بس حمزہ اسم اعظم اور نقش سلیمانی سے شکست کو فتح میں بدلتے ہیں اور طلسم کے باہر لقا سے جنگ میں ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ دوسری قسم عیاروں کی ہے جس میں عمرو عیار اور ان کے شاگردان خاص ہیں۔اس کے بعد دونوں جانب کے ساحر اور ان کے سحر ہیں۔داستان میں کردار نگاری کا ذکر کرتے ہوئے شمس الرحمٰن فاروقی یوں رقمطراز ہیں۔

> ''کردار نگاری کے کئی طریقے ہیں۔ایک طریقہ، جو ہمارے نقادوں کے نزدیک مستند اور بہترین ہے، یہ کہ کردار کو وقت کے ساتھ ارتقا کرتا ہوا دکھایا جائے۔یعنی امتداد زمانہ کے ساتھ اس کے عادات، خواص، علم وغیرہ میں تھوڑی یا بہت تبدیلی ہو، جیسی کہ سچ مچ کے انسانوں میں ہونا فرض کی جاتی ہے۔ایسی کردار نگاری کو دوزمانی diachronic کہہ سکتے ہیں۔داستان مین کردار نگاری اس طرح نہیں ہوتی۔ داستان کے کردار بہت چھوٹی عمر میں اپنی پوری قوتوں (اور کمزوریوں) کو حاصل کر لیتے ہیں اور پھر ہمیشہ ویسے ہی رہتے ہیں۔ ایسی کردار نگاری کو یک زمانی synchronic کہہ سکتے ہیں۔اصولاً ایک طرز کو دوسری پر فوقیت نہیں۔''[1]

امیر حمزہ اور ان کا خاندان

طلسم ہوشربا داستان امیر حمزہ کا پانچواں دفتر ہے اور اس کی کہانیاں امیر حمزہ کے نام سے موسوم کردار کے ارد گرد گھومتی ہیں جو کہ آخری پیغمبر اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے لیکن جیسا کہ شروع

[1] ساحری، شاہی، صاحبقرانی، جلد اول، از شمس الرحمٰن فاروقی ص۸۲، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۸۸

میں مذکور ہے کہ ان کے کردار کی خصوصیات حضرت امیر حمزہ سے مماثلت نہیں رکھتیں بلکہ صرف نام کا استعمال غالباً داستان کی مقبولیت بڑھانے کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ داستان کا بنیادی قصہ امیر حمزہ اور لقا کے مابین تصادم پر مبنی ہے لیکن اس جنگ میں لقا جس نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا ہے وہ طلسمی طاقتوں کا سہارا لے کر جنگ جیتنے کی کوشش کرتا ہے جبکہ امیر حمزہ اسلام کے ماننے والے ہیں جس میں سحر و ساحری حرام ہے لیکن انہیں بھی ساحروں سے نبرد آزما ہونے کے لئے کسی طاقت کی ضرورت ہے چنانچہ ان کے پاس لوح سلیمانی ہے اور اسم حمزہ ہے۔ لقا کے لشکر میں لاتعداد طلسمی اور غیر طلسمی کردار شامل ہیں۔ کئی طلسمی حکومتیں ہیں جو مطیع لقا ہیں اور حمزہ سے جنگ کرنے کی صورت میں لقا کے طلب کرنے سے حاضر ہو جاتی ہیں۔ حمزہ کے لشکر ہیں، ان کی بہادر فوج ہے اور کچھ عیار ہیں جو طلسمی قید کو توڑنے میں اپنی عیاری کے ذریعہ سے کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں۔ دونوں ہی طرف کے یہ کردار یکسانیت سے لبریز ہیں یہ داستان کو طویل کرنے میں بہت معاون ثابت ہوتے ہیں لیکن قصے میں جمود کی کیفیت طاری کرتے ہیں اور ضخامت بڑھاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان داستانوں کا تعلق داستان گوئی سے ہے نہ کہ داستان نویسی سے، چونکہ ضخامت زیادہ ہے اس لئے کرداروں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ طلسم ہوشربا کی ہر جلد میں کچھ نئے طلسمی کردار سامنے آتے ہیں اگرچہ ان میں یکسانیت کا عنصر غالب ہے لیکن ان کے سحر سے جڑی ہوئی ان کی شخصی خصوصیات ان کو ماقبل کرداروں سے ممیّز کرتی ہے لیکن اسلام کے لشکر میں کرداروں کا فقدان ہے جو کردار شروع میں متعارف ہو گئے ہیں وہ ہی آخر تک موجود ہیں خواہ وہ عیار ہوں یا حمزہ ہوں یا ان کے بھتیجے ہوں یا ان کے فوج کا اور کوئی قریبی۔ ان سب میں یکسانیت ہے یہ فوت نہیں ہوتے کسی نہ کسی طرح بچ جاتے ہیں۔ اگرچہ آگے کے دفاتر میں ان میں سے کچھ فوت ہوتے ہیں تو ثانی اور ثالث کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ طلسم ہوشربا میں پیش کردہ اسلامی کردار زیادہ تر وہ ہیں جو داستان امیر حمزہ کے ابتدائی حصے سے چلے آرہے ہیں اور ان سب میں مرکزی حیثیت حمزہ کی ہے۔ طلسم ہوشربا داستان امیر حمزہ کے سلسلے کا دفتر پنجم ہے اس سے پہلے کے چار دفاتر اور آٹھ جلدوں میں بھی حمزہ کا کردار مرکزی رہا ہے اور تمام ۴۶ جلدیں داستان امیر حمزہ کی معرکہ آرائیوں سے مرکب ہے اور اس میں ان کے ساتھ بہت سارے عیار اور ان کے رشتہ دار، ان کے اہل کنبہ شریک معرکہ ہیں لیکن ابتدائی چار دفاتر کے

برخلاف طلسم ہوشربا میں لشکر اسلام میں اسلامی کرداروں کا فقدان ہے یہ امیر حمزہ ان کے چند رشتہ دار اور ان کے لشکر کے عیاران پر مشتمل ہے۔ باقی کردار جو ہیں ان کا بھی بہت کم ذکر آیا ہے زیادہ حصہ طلسم ہوشربا میں اول تا آخر اسلامی ناموں میں حمزہ اور حمزہ کے بعد اسد غازی کا ہے۔ بدیع الزماں سے کہانی کی شروعات ہوتی ہے اور ایرج کا مختصر ذکر اور شادی ہے۔ باقی وہ ساحران اور ساحرنیاں ہیں جو شریک اسلام ہوئے۔اب ان کرداروں کا جائزہ ان کی کردار سازی کی روشنی میں پیش کیا جا رہا ہے۔

امیر حمزہ: جیسا کہ اوپر تحریر ہے امیر حمزہ ہی داستان کا محور ہیں ان کی حیثیت سپہ سالار لشکر اسلام کی ہے اس لئے بہر کیف ان کو دشمن پر فتح حاصل ہونی ہے اور طلسم کشائی کرنی ہے۔حمزہ کے پاس نقش سلیمانی کی شکل میں خدائی عطیہ ہے اور اس میں اسم اعظم ہے۔نقش سلیمانی وہ نقش ہے جس کے استعمال سے کسی بھی ساحر کا سحر لشکر حمزہ پر اثر نہیں کرتا اور اسم اعظم کا ورد فوری طور پر طلسم کو باطل کر دیتا ہے اس لئے کسی بھی ساحر کو اگر حمزہ کے اوپر برتری حاصل کرنی ہوتی ہے تو وہ سب سے پہلے ان کی اس طاقت پر قابو پاتا ہے اور اس کے لئے وہ ان کی زبان کو طلسمی سوزن سے بند کر دیتا ہے۔نتیجہ میں وہ اسم اعظم کا ورد کرنے سے معذور ہو جاتے ہیں اور ساحر اپنا کام کر جاتا ہے لیکن یہ ساحر کبھی حمزہ کے قتل کا ارادہ نہیں کرتے اس کی وجہ داستان گو کا محتاط رویہ ہے کیونکہ اگر داستان گو حمزہ کا اسم اعظم بند کرا کے انہیں خداوند لقا کے سامنے لے جا کر قتل کروا دیگا تو داستان ہی ختم ہو جائیگی۔حمزہ نہیں تو داستان امیر حمزہ کیسے۔ چنانچہ لشکر اسلام کا کوئی جانباز عیار عیاری کرتا ہے ساحر کو مارتا ہے اور اس طرح اس کے سحر کو ختم کر دیتا ہے۔نتیجتاً حمزہ کی زبان اسم اعظم کے لئے آزاد ہو جاتی ہے اور وہ یا تو اپنے لشکر کے ساتھ فرار اختیار کرتے ہیں اپنے خیمے میں چلے جاتے ہیں یا پھر اپنی اگلی طلسمی مہم کے لئے قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ داستان نویس کا قلم ایسے مقامات پر اپنا جادو بکھیرتا نظر آتا ہے۔ فارسی آمیز مسجع و مقفیٰ عبارت میں وہ منظر کشی ہی نہیں کرتے الفاظ کا جادو بکھیرتے ہیں۔حمزہ کی فتح کا ایک منظر ملاحظہ ہو جس میں اہلیل جادو نے حمزہ کا اسم اعظم بند کر دیا ہے اور عیاران اہلیل جادو کو مارنے اور اسم اعظم یاد کرانے کی تیاری میں ہیں کیونکہ امیر حمزہ کی لشکر میں سب سے زیادہ اہمیت ہے۔

''جس وقت کے زاہد قدرت نے شعلہ ہائے تنویر شعاع مہر کو یہ آیۂ واللیل اذا عسعس

سے فرد کیا اور تیغ کہکشان کو میدان سپہر میں چمکایا لشکر لقا میں طبل امان بجا اور لشکر
جانبین کا خیمہ گاہ کی طرف پھرا اہلیل جادو چلتے وقت کہتا گیا کہ اے مسلمانون آج
میں حمزہ کا اسم اعظم بند کر کے تم سب کو قتل کرون گا ورنہ آکر خداوند کو سجدہ کرو سرکشی
سے باز آؤ غازیون نے اس تقریر کے جواب میں لعن طعن لقا پر کی لیکن امیر اپنے
بیٹون اور سردارون کے قید ہو جانے سے رنجیدہ و دل کبیدہ پھرے لشکر نے کمر کھولی
اور کشتون کو دفن کرایا زخمیون کا علاج ہونے لگا بادشاہ نے شب کی خستگی کا خیال کر کے
رات کا دربار معاف کیا ہر ایک بہادر اپنی اپنی جگھ پر آرام گزین ہوے طلایہ پھرنے
لگا امیر نے عبادت کرنے کا سرانجام کیا بادشاہ سمت عیش محل تشریف لے چلے سردار
اور عیار جلوخانے تک پہونچانے ہمراہ آئے راہ مین بادشاہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک
عمرو کے نہونے سے ساحرون کا لشکر پر غلبہ ہوتا ہے سردار گرفتار ہو جاتے ہیں ایک
لاکھ چوراسی ہزار عیار نام کو ہین لیکن کسی سے کچھ نہین ہوسکتا یہ فرما کر شاہ تو داخل
شبستان ہوے مگر عیارون نے غیرت میں آکر تہیہ کیا کہ چل کر ساحران نابکار اہلیل و
تحلیل کو قتل کر کے اپنے سردارون کو چُھڑانا چاہیے ایسا کچھ مشورہ کر کے ابوالفتح
اصفہانی و چالاک بن عمرو گلباد عراقی چار عیار قنطورۂ زربفتی و پیتاوے سقرلاتی لگا کر
حیلہاے ناحق سے چست و چالاک ہو کر روانہ ہوے اس طرف لقا جب اپنی بارگاہ
مین پھر کر آیا واسطے اُن دونون ساحرون کے حکم دیا کہ حوالی قلعہ کوہ عقیق مین جو باغ
باغ مینا کہلاتا ہے وہان جشن کا سامان مہیّا کیا جاے اور آج سے اُس باغ کی ایسی
تیاری ہو کہ اُسے ہم جنت قرار دینگے اس حکم کو سُنکر سلیمان نے باغ کی آرایش کرائی
اور سامان عشرت مہیّا کیا دم بھر مین یہ عالم ہو گیا کہ نونہالان گلشن تاج پوش تھے جام
مئے نزارت وتراوت نوش تھے ہر شجر جو بن مین پری تھا آسیب خزان سے بری تھا
زمین وہان کی فلک تھی۔'' [1]

معجزات کے علاوہ بھی امیر حمزہ بہت بہادر ہیں۔ اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر وہ لشکر لقا سے نبرد آزما
ہوتے ہیں کبھی فرار کی راہ اختیار نہیں کرتے۔ کبھی کبھی عیاروں کے منع کرنے کے باوجود دشمنوں کے

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۷۰۶ تا ۷۰۷، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

نرغے میں چلے جاتے ہیں ان کے سامنے محض ان کا مقصد ہے۔مصیبت کے وقت عیاروں کی مدد سے رہائی پاتے ہیں لیکن پھر اپنے مقصد میں لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ عمرو انہیں بے مروت کہتا ہے۔شمس الرحمٰن فاروقی انہیں قدیم سیاست داں اور دانشور چانکیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

''عمرو نے مختلف موقعوں پر بار بار امیر حمزہ کو بے مروت کہا ہے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ امیر حمزہ کے کردار میں کچھ شائبہ چانکیہ کے سکھائے اصولوں کا ہے، کہ رعایا کو محکوم رکھنے اور اپنا مقصد پورا ہوتے رہنے کے لئے لازم ہے کہ حاکم کسی عزیز یا قریب کا خیال نہ کرے۔''[1]

اس لیے لشکر ساحران ہمیشہ مقابلے کے لیے حمزہ کو للکارتے ہیں۔

''اس طرف امیر چالیس قدم آگے بڑھکر کھڑے ہوئے علم اژدہا پیکر کے چھتیس شقے ابوالمعدان گردوطوق حران گردنے سر پر کھول دیے تمام میدان پر از مشک وعنبر ہو گیا اور اُن کلہ ہائے ہیجان سے آواز یا صاحبقران یا صاحبقران کی بلند ہوئی قلب لشکر مین تخت بادشاہ جمجاہ قائم ہوا اب قہرمان بن اژدرنگاہ نے اژدر اپنا اُڑا کر بیچ میدان مین آکر نعرہ مارا کہ یا حمزہ صاحبقران کسی کو ہمارے مقابلہ کے لیے بھیجے یہ نعرہ سنکر ملک قاسم لال خفتان خونریز خاور سپاہ نے اپنے مرکب شبرنگ زہرہ جبین سلیمانی کو نکالا سردار لشکر کے پا پیادہ ہوئے اُنھون نے سبکو بسہل وآسانی رخصت کیا علم لشکر کے جلوہ دکھانے لگے اور یہ سامنے بادشاہ لشکر اسلام کے آئے بادشاہ نے جام کلۂ عفریت عنایت کیا اور خلعت سے مخلع فرما کر سپرد خدا فرمایا شہزادہ گھوڑا اڑا کر برائے مقابلۂ قہرمان بن اژدرروانہ ہوے۔''[2]

بدیع الزماں: بدیع الزماں ہی وہ کردار ہے جس سے طلسم ہوشربا کی شروعات ہوتی ہے۔ یہ امیر حمزہ کے بیٹے ہیں اور جس وقت لقا اور حمزہ کے مابین جنگ کے درمیان لشکر حمزہ مع اپنے خاندان کوہ عقیق کی سرحد پر خیمہ زن ہیں اس وقت یہ والد ماجد سے شکار پر جانے کی اجازت طلب کرتے ہیں اجازت نہ ملنے پر اپنی

---

[1] ساحری، شاہی، صاحبقرانی: جلد پنجم از شمس الرحمٰن فاروقی، ص ۲۲۹، ایم۔آر۔پبلی کیشنز، نئی دہلی۔۱۱۰۰۰۲، ۲۰۲۰

[2] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۷۶۹، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

ماں ملکہ گردیہ بانو سے سفارش کرواتے ہیں اور انہیں ایک دن کی اجازت مل جاتی ہے۔اور وہ شکار کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں۔ وہاں پر ایک ہرن کا پیچھا کرتے کرتے جو کہ حقیقتاً ایک ساحر غزال جادو ہے اور حکومت افراسیاب طلسم ہوشربا کا ہے اور طلسم ہوشربا کی حفاظت پر مامور ہے۔ داخل سرحد طلسم ہوشربا ہو جاتے ہیں۔ بدیع الزماں کا کردار ایک ضدّی انسان کا کردار ہے اور کسی حد تک غیر فطری ہے جب باپ دشمنوں سے جنگ میں مشغول ہوں اور وہ بھی ساحروں کے ساتھ جنگ ایسے میں شکار پر جانے کی ضد ظاہر ہے مصیبت کو دعوت دینے کے مصداق ہے۔ لہٰذا والد کے اجازت نہ دینے پر ناراض ہونا بالکل نامناسب ہے۔ بدیع الزماں کا کردار تراشتے وقت داستان گو نے ایک نافرمان لڑکے کا کردار پیش کیا ہے جسے نافرمانی کی سزا میں ساحروں کی قید بھگتنی پڑتی ہے۔ چنانچہ بدیع الزماں ہرن کا پیچھا کرنے پر غزال جادو کے ہاتھوں قید کئے جاتے ہیں اور یہیں پر داستان کی شروعات ہوتی ہے۔

''سامنے کچھار سے ایک آہو مثل معشوق طناز سراپا ناز اٹھکھیلیاں کرتا طرارے بھرتا پیدا ہوا بدیع الزمان اسکی رعنائی اور زیبائی دیکھکر شیفتہ اور فریفتہ ہوئے سرداران کو اپنے حکم دیا کہ اسکو زندہ گرفتار کرو خبردار جانے نہ دو بہ مجرد حکم ہمراہیون نے حلقہ باندھکر اُسے گھیرا مگر ہرن سنبھلکر کنوتیان بدلکر طرارہ بھر سر پر سے شاہزادہ کے نکلکر چلا بدیع الزمان نے اُسکے پیچھے گھوڑا اُٹھایا اور کئی کوس نکل آیا سب ساتھی چھٹ گئے اور یہ اکیلے رہے اُس وقت کہ جب ہرن پر دسترس نہ پہونچا اور وہ زندہ گرفتار نہوا فوراً ترکش سے تیر مار وہ مشت عقاب پر شستہ سوفار بہر کمان مین پیوستہ کر کے لگایا تیر اسکے دوسار ہوا وہ ہرن زمین پر گرا شاہزادے نے مرکب سے کود کر اُسے ذبح کیا جیسے ہی وہ ہرن ہلاک ہوا ایک صدائے مہیب پیدا ہوئی کہ جس سے دل ثور فلک کا ہلگیا اور ماہ و ماہی تک زلزلہ پڑ گیا کہ اے فرزند حمزہ تو نے بڑا غضب کیا کہ قتل کیا غزال جادو کو یہ سرحد طلسم ہوشربا ہے یہان سے بچکر جانا اب دشوار ہے۔''[1]

لیکن یہاں داستان گو کو قصّہ کا آغاز کرنے کے لئے ایسے ہی کردار کی ضرورت تھی چنانچہ جب بدیع الزماں قید ہوتے ہیں ساحران کا ایک پتلا بنا کر سرحد کے باہر ڈال دیتے ہیں تا کہ لوگ عبرت حاصل

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۵ تا ۶، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

کریں اور آئندہ کوئی داخل سرحد طلسم نہ ہو۔ یہ ماجرا دیکھ کر حمزہ کے لشکر کے عیار قبول کرنے کو تیار نہ ہوئے اور بدیع الزماں کی تلاش میں نکل پڑے۔ ادھر بدیع الزماں جس کی قید میں ہے وہ شرارہ جادو ہے اور عمرو عیار اپنا بھیس بدل کر ایک شہزادی کے ساتھ اس کے سامنے تلاش بدیع الزماں کے لئے پہنچا۔ یہ شہزادی بیٹی بادشاہ طلسم افراسیاب جادو اور زوجہ حیرت جادو کی ہے۔ اور شرارہ جادو جس کی نگرانی میں بدیع الزماں کو رکھا گیا ہے اس کی بھانجی لگتی ہے۔ تصویر جادو نے شرارہ جادو سے بدیع الزماں کو دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ بدیع الزماں سحر اور زنجیروں میں گرفتار، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں سامنے تصویر جادو کے لایا گیا۔ تصویر جادو نے جب اس کو دیکھا تو اس پر جو کیفیت طاری ہوئی اس کا منظر ملاحظہ ہو:

> ''تصویر نے صورت زیبا اور طلعت جہان آرا کو شہزادہ والا تبار کی دیکھا کہ ایک نوجوان حسین جمیل آفتاب عالمتاب سپہر زیبائی گوہر آبدار محیط خوش ادائی یہ دیکھتے ہی ایک خانہ ابرو سے کمان شاہزادے کے تیر عشق جو رہا ہوا ملکہ تصویر کے سینہ سے پار گزرا جینا دشوار ہوا۔''[1]

اور اس سے اصل قصّہ کی طوالت کا آغاز ہوتا ہے یکے بعد دیگرے عشق اور جنگ کی مہمات قصّہ کو حیرت انگیز دلچسپ اور طویل بناتی ہیں۔ بدیع الزماں کا یہ کردار اسلام کے لشکر کے سپہ سالار امیر حمزہ سے مماثلت نہیں رکھتا بلکہ نوابین اور شاہان اودھ اور ان کی اولادوں کے غیر ذمہ دارانہ رویوں سے مماثلت رکھتا ہے۔

اسد غازی: یوں تو داستان امیر حمزہ میں مرکزی حیثیت لقا اور حمزہ کے معرکہ کی ہے لیکن اسد غازی کی دفتر طلسم ہوشربا میں مرکزی حیثیت ہے کیونکہ داستان کی شروعات ہی اسد غازی کے شہزادہ بدیع الزماں کی تلاش کے لئے داخل طلسم ہوشربا ہونے سے ہوتی ہے۔ جو کہ امیر حمزہ کی بیٹی ملکہ زبیدہ کے بیٹے، حمزہ کے نواسے اور بدیع الزماں کے بھانجے ہیں۔ ان کے ساتھ سات عیار بھی داخل طلسم ہوتے ہیں اور اب یہ آٹھ لوگ مل کر طلسم ہوشربا کی طلسم کشائی کرینگے تبھی بدیع الزماں کو رہا کرایا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے ایک طرف سات لوگ ہیں اور دوسری طرف نہ جانے کتنی طلسمی ریاستیں ہیں جو حکومت طلسم ہوشربا کو استحکام

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۱۰، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

بخشتی ہیں ساتھ میں طلسم نورافشاں ہے جو طلسم ہوشربا کے ساتھ ہے۔ان دونوں طلسموں کو فتح کئے بغیر بدیع الزماں کی رہائی ممکن نہیں۔لہذا اسد غازی جب مہم پر نکلتے ہیں تو اپنے ساتھ ساحروں کو کہیں بزور بازو کہیں عشق سے اپنا مطیع بناتے ہیں۔یہاں پر عشق عیش پرستی سے زیادہ ضرورت بن کر سامنے آیا لیکن کیونکہ اگر عشق نہ کرتے تو لشکر کیسے تیار ہوتا چنانچہ ساحروں کے علاوہ زیادہ تر بزور عشق شامل لشکر اسد غازی ہوئے۔دھیرے دھیرے کرکے اسلامی لشکر تیار ہو جاتا ہے جو کہ عیاروں کے علاوہ تمام تر ساحروں اور ساحرنیوں پر مشتمل ہیں۔جو بھی ساحر اسد غازی کا مقابلہ کرنے کے لئے آتا ہے اس کو یا تو بزور اس کی زبان میں سوئی لگا کر مطیع اسلام کرلیا جاتا ہے یا پھر وہ خود کسی کے عشق میں گرفتار ہو کر شریک اسلام ہو جاتا ہے۔لہٰذا ایک ضخیم لشکر اسد غازی کے پاس تیار ہو جاتا ہے جس میں شامل ساحر اور ساحرنیاں شریک اسلام تو ہوئے لیکن انہوں نے قبول اسلام نہیں کیا کیونکہ اگر وہ قبول اسلام کرلیں تو اسلام میں سحر حرام ہے اور یہاں اسد غازی کے ساتھ اسم حمزہ نہیں ہے اور نہ نقش سلیمانی ہے اس لئے بغیر سحر کے ساحروں سے مقابلہ کرنا ناممکن ہو جائیگا۔چنانچہ اسد غازی کا کردار بھی جو اسلام کے نام پر آگے بڑھ رہا ہے اس سے بھی متعدد بار ایسی حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو اسلام میں جائز نہیں جن میں بغیر نکاح کے جسمانی تعلقات بنانا تک شامل ہے مگر داستان گو ایسے معاملات میں سامعین کے ذوقِ جمال کی تسکین کی خاطر گلکاریاں کرتا ہے جبکہ اسد غازی کا کردار ابتداً بہت مہذب اور اسلامی تہذیب کا حامل نظر آتا ہے۔ماں سے رخصت ہوتے وقت پوری عقیدت سے ان سے صرف اجازت ہی نہیں طلب کرتے بلکہ جنگ پر نکل رہے ہیں اس لیے اپنی خطاؤں کی معافی بھی مانگتے ہیں اس وقت کا اسد غازی کا تعارف ملاحظہ ہو:

> ’’رہروان جادۂ اقلیم معانی وفتاحان طلسم خوش بیانی سیاران منازل غرائب وندرت طرازان حکایات عجائب طلسم مضامین بدیع کو بدستیاری لوح میدان قلم یون فتح کرتے ہین اور عالم خیال مین سر بجیب تفکر ہو کر اس طرح قدم دھرتے ہین کہ اسد دلاور نے اپنی جگہ پر آ کر چالیس ہزار سواران جرار کو حکم دیا کہ طیار ہو کر واسطے فتح کرنے طلسم کے چلین بجر دحکم شاہزادۂ گردون وقار بارگاہین اور خیمے چھکڑون پر بار ہوئے اور بہادرافسران فوج مسلح مکمل ہو کر چلنے پر تیار ہوے اسد محلات عظمیٰ مین آیا

اور پائے ادب کو اپنی مادر مہربان دختر صاحقران ملکہ زبیدہ شیر گیر کے بوسے دیکر آنکھون سے لگایا اور عرض کیا کہ اے والدہ ماجدہ یہ غلام آپکا طرف طلسم کے واسطے رہائی مامون جان شاہزادہ بدیع الزمان کے جاتا ہے آپ بھی بدل مجھے رخصت فرمایئے اور خطائین جو کچھ مجھسے عمداً یا سہواً ہوئی ہون انکو معاف فرمایئے ملکہ زبیدہ شیر گیر ایک تو بھائی کے غم مین مبتلا تھی اب فرزند کے جانے سے آنسو آنکھون مین بھر لائی اور اسد کو گلے سے لگایا پیشانی پر بوسہ دیا یہ خبر تمام محلات مین ہوگئی کہ شاہزادہ اسد چھوڑانے بدیع الزمان کو جاتے ہین اسوقت سب بیبیون نے صاحبقران کی آ کر اسد کی بلائین لین اور نذر امام ضامن مانین اشرفیان بازو پر باندھین ملکہ گردیہ بانو کہ اسد کی حقیقی نانی ہین مفارقت سے اسد کی بے قرار ہو کر خوب روئین آخر سب نے دعاے حرز جان پڑھ کر شاہزادے پر دم کی اور دعا دیکر رخصت کیا۔''[1]

اسد غازی داخل طلسم ہوتے ہیں ملکہ مہ جبین پر عاشق ہوتے ہیں اور گرفتار ہوتے ہیں۔ ملکہ مہرخ جانتی ہے کتاب سامری سے جانا ہے کہ اسد غازی فاتح طلسم ہیں چنانچہ وہ مہ جبیں کا ساتھ دیتی ہے کیونکہ افراسیاب اس کے لڑکے شکیل جادو سے پہلے ہی ناراض تھا اور اسے مہرخ سے دور کر رکھا تھا۔ ایسے میں جلد افراسیاب سے باغی ہوگئی اور مطیع اسد ہوئی۔ ملکہ بہار، سرخمو کاکل کشا، رعد جادو وغیرہ ابتداً جلد اول میں ہی شریک اسد غازی ہوئے اور چونکہ یہ تمام ساحر اور ساحرنیاں جو شروع میں اسد غازی کے ساتھ شریک ہوئے وہ بڑی طلسمی ریاستوں کے نگراں تھے تو ان کے ساتھ ان کی ماتحت بہت سارے چھوٹے چھوٹے ساحر مع اپنے عملے کے ان کے شریک ہوئے اور اگر شریک نہیں ہوئے تو ان سے تصادم میں مارے گئے۔ چنانچہ اسد غازی نہ صرف مہ جبیں کی وجہ سے تحفظ میں ہے بلکہ بہت سارے ساحروں اور ساحرنیوں کا ساتھ حاصل کر کے اپنی طاقت کو بھی اس نے بڑھا لیا ہے۔ یہ وہ ساحر اور ساحرنیاں ہیں جن کی طلسم میں بھی خصوصی اہمیت تھی اور جن کے شامل اسلام ہونے سے افراسیاب اور اس کی زوجہ حیرت جادو کو زبردست نقصان پہنچا ہے کیونکہ یہ لوگ طلسم کے کچھ رازوں کو جانتے ہیں۔ چونکہ عمرو نے اسد غازی کے والد ماجد کرب کو اپنا بیٹا مانا ہے اس لئے اسد غازی عمرو کو دادا کہتا ہے اور عمرو ہر جگہ اسد

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۵۲ تا ۵۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

غازی کی ساحروں سے حفاظت کرتے ہیں اور اسد کے ساتھ عمرو عیار اور ان کے ساتھیوں کو امیر حمزہ نے اسی لیے بھیجا ہے۔ اسد کو ان پر پورا یقین ہے جب شہزادی مہ جبیں اسد کے عشق میں گرفتار ہو کر اس کا ساتھ اختیار کرتی ہے تو اس کی نانی مہرخ کو افراسیاب تنبیہ کے لیے بھیجتا ہے۔ وہ شکیل جادو کے ساتھ آتی ہے۔ اسد کو نہیں معلوم اس کے دل میں کیا ہے۔ اس موقع پر نفسیات کی اتنی خوبصورت تصویر کشی کا ایک منظر ملاحظہ ہو:

''اسد نے کہا اے ملکہ طلسم فتح ہو جائیگا دادا جان آ گئے کیا غم ہے انشاء اللہ پہلوانون کو مین گرفتار کرونگا اور ساحرون کو یہ فی النار کرینگے ملکہ یہ باتین سُنکر خوش ہوئی لیکن حال سُنیئے کہ مہرخ جو چوبیس ہزار ساحر کا لشکر لیکر چلی تھی اسد کو ڈھونڈھتی لشکر سے آگے اکیلی بڑھ آئی اور شکیل جادو سے کہا کہ تم لشکر عقب مین لیکر آ ؤ غرضکہ مہرخ بھی آ کر قریب اسی درہ کوہ کے پہونچی جہان اسد وغیرہ تھے دلارام جو پہرے پر کھڑی تھی اُسنے مہ جبین کو خبر دی کہ نانی جان آ پکی آتی ہین یہ سنتے ہی ملکہ سمجھی کہ ہم سبکو گرفتار کرنے کو آتی ہے کہا اب بڑا غضب ہوا اسد نے کہا مین جا کر قتل کرتا ہون اور تلوار لیکر اُٹھا اور عمرو گلیم اوڑھکر پوشیدہ ہو گیا کہ مبادا گرفتار نہو جاؤن تو کچھ نہو سکے گا لیکن جب اسد تلوار لیے سامنے مہرخ کے آیا اسنے کہا کہ اے شاہزادی عالی تبار یہ کس لیے آپ مع شمشیر برہنہ تشریف لائے ہین مین آ پکی دوست ہون اور اطاعت کرنے آئی ہون مہ جبین کی نانی ہون میری بچی کہان ہے یہ باتین سُنکر مہ جبین اُٹھکر دوڑی اور مہرخ کے قدم پر گری اُسنے سر اُسکا سینے سے لگایا اور کہا اے فرزند دیکھیے انجام ہمارا تمھارا کیا ہوا افراسیاب بڑا زبردست ہے مین بگڑ کر چلی تو آئی ہون لیکن مقابلہ شہنشاہ نہین کر سکتی وہ چاہے گا تو ایک آن مین ہم سبکو برباد کر دیگا اسد نے کہا وہ کیا گیدی ہے جو برباد کر دیگا خدا ہمارا حافظ و نگہبان ہے تم باطمینان تمام یہان بیٹھو ہم جانبازی و سرفروشی کو حاضر ہین اگر تم ہماری شریک ہوئی ہو تو خدا کی رحمت پر تکیہ و بھروسا کرو مہرخ نے کہا یہ سب جو تم نے کہا سچ ہے مگر ظاہر بھی کچھ دیکھا جاتا ہے اسد بولا کہ ریش تراشدہ مُنکران و سر برندۂ جادوگران یہان تشریف لائے ہین ایک دن افراسیاب کو بھی مثل سگ نجس کے مار ڈالینگے مہرخ نے کہا سب کو دیکھا ہے افراسیاب

ایسا زبردست ہے کہ کوئی مقابلہ نہین کرسکتا لیکن مین جو آئی ہون تو کیا اب پھر تھوڑی
جاؤنگی چاہے جان رہے یا نرہے مقابلہ کرونگی۔'' [1]

ملکہ گردیہ بانو: یہ شہزادہ بدیع الزماں کی والدہ ماجدہ ہیں جو کہ ملک اردبیل کی شہزادی ہیں بدیع الزماں جب شکار کھیلنے نکلے تو انہیں سے انھوں نے اجازت طلب کی تھی کیونکہ والد نے انہیں اجازت دینے سے منع کر دیا تھا۔ طلسم ہوشربا کے ابتدائی حصہ میں ان کا ذکر آیا ہے اور بہت تفصیل سے ان کا ذکر نہیں ہے جب شہزادہ کو شکار کی خواہش ہوئی تو انہوں نے امیر سے اجازت چاہی تو امیر خاموش رہیں اور انہیں اجازت نہیں ملی اور اس کے بعد وہ والدہ کے پاس گئے اس موقع کا بیان کچھ اس طرح ہے۔

''بدیع الزماں اپنی والدہ ملکہ گردیہ بانو شہزادی ملک اردبیل کے پاس گئے اور گزارش کیا کہ آپ مجھے والد ماجد سے اجازت شکار کے لئے جانے کی لا دیں ملکہ نے منظور کیا اور جب امیر بارگاہ میں ملکہ کے تشریف لائے ملکہ نے شاہ زادے کی سفارش کی امیر نے بناچاری رخصت دی مگر فرمایا کہ یہ صحرا تمام ساحران جہان کا مسکن ہے اس لئے میں اجازت نہیں دیتا تھا کہ شاہ زادہ کسی آفت میں مبتلا نہ ہو لیکن تمہارے کہنے سے ایک روز کی اجازت دیتا ہوں کہ بعد ایک روز کے پھر آئیں زیادہ عرصہ نہ لگائیں بدیع الزماں نے ارشاد صاحبقران قبول کیا۔'' [2]

گردیہ بانو کے اس چھوٹے سے تعارف سے ہندوستانی عورت اور ماں کے کردار کی بہت ہلکی سی جھلک ملتی ہے ساتھ میں بچوں کے نفسیات کی بھی کہ والد کی اجازت نہ ملنے کی صورت میں والدہ سے سفارش کروانا ہندوستانی تہذیب کا فطری انداز ہے۔ گردیہ بانو کا بس یہی تعارف طلسم ہوشربا میں ہے اس کے بعد آگے طلسم ہوشربا رزمیہ اور عشقیہ داستان بن گئی۔

نورالدہر: شہزادہ نورالدہر جو بدیع الزماں کے بیٹے ہیں اور جو سمن بر پر عاشق ہو جاتے ہیں۔ جب امیر حمزہ کے بیٹے بدیع الزماں کے کردار میں عیش پرستی ہے تو ظاہر ہے ان کے بیٹے نورالدہر کا بھی اسی چلن پر چلنا کوئی حیرت کی بات نہیں ہے چنانچہ نورالدہر بھی داخل طلسم ہوتے ہی عشق میں گرفتار ہوتے ہیں۔ گویا

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۹۵ تا ۹۶، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء
[2] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۵، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

داستان کے آگے بڑھنے کا دارومدار عشق پر ہے۔ پہلے عشق کرتے ہیں پھر گرفتار ہوتے ہیں، اس کے بعد عیار چھڑاتے ہیں اور یہی مہمات داستان کو آگے بڑھاتی ہے۔ یہ عشق عموماً ایک نظر کا عشق ہوتا ہے۔

''آنکھین جو شہزادے سے چار ہوگئین رعب حسن و جمال سے قلب تھرّ ایا لڑکھڑا کر گرے غش آیا نگار سمن بر بھی کشتۂ تیغ ابرو اسیر طرۂ گیسو ہے آہ کر کے بیٹھ گئی کنیزین جو کوس رہی تھین اُنکو منع کیا ارے کمبختو چپ رہو جانور کے واسطے انسان کو کوستی ہو دیکھو وہ بیچارہ خوف کے مارے بیہوش ہو کر گر پڑا ہے ہے کیا صدمہ پہونچا ایڑیان رگڑ رہا ہے تمھارے کہنے سے اب ضد ہوئی آہو کو اس پر نثار کیا اس غریب کا علاج کرونگی گلاب کیوڑا لاؤ جب کنیزین گلاب کیوڑا نہ لائین مست مے محبت قریب اپنے بیمار کے بیٹھ گئی سر اُٹھا کر زانو پر رکھ لیا اس طرح جو کبھی کسی کو غش مین نہ دیکھا تھا آنکھون سے آنسو برابر جاری ہوے سر جھکا کر آواز دی اے شخص نہ گھبراؤ اپنے آہو کو تجھپر نثار کیا تیر مارنے کی خطا معاف ہوئی ہم کچھ نہ کہین گے ان سب کو بکنے دو اسی دن کیلیے آہو کو پرورش کیا تھا یہ سب بدزبانین خطاوار ہین گلے سے آہو کے کیون رسّی کھولی تھی اشک گرم جو عارض پرنور الدہر کے ٹپکے بوے زلف مشکین جو دماغ مین پہنچی لخلخے کی تاثیر حاصل ہوئی آنکھ کھول دی زیر سر تکیۂ زانو سے محبوب پایا دماغ کو عرش اعلیٰ پر پہونچایا اُٹھ بیٹھے حیران حیران آئینہ رخسار پر نگاہ ڈالی ملکہ شرما کے اُٹھی پشت پھیر کر طرف بارہ دری کے چلی آب روان کا دوپٹہ سر سے ڈھلکا ہوا اور کھجوری چوٹی گندھی ہوئی نور الدہر نے دوڑ کر ہاتھ تھام لیا کہا اے مسیحاے زمان اپنے مریض کا علاج تو کیجئے اس گنہگار کو بھی ساتھ لیجیے۔''[1]

ایرج و قاسم: بدیع الزماں کے علاوہ نور الدہر، ایرج اور قاسم بھی اسد کی مدد کو داخل طلسم ہیں۔ یہ سب ہی بے حد بہادر ہیں اور ان سب کا نبیرۂ حمزہ سے تعلق ہے۔ قاسم خصوصاً غیر معمولی طاقت رکھتے ہیں۔ ان تینوں کا تعارف پیش نظر ہے۔ قاسم کی بہادری کا ایک منظر ملاحظہ ہو:

''اے فیروزہ بن عمرو و جواہر بن عمرو سے کہدو کہ ہر کارون کو فوراً روانہ کرین اثنائے راہ مین ہمکو خبر ملے کہ لڑائی کا کیا طور ہے میخانے ہوش ربا مین ساقیان اسلام کا دور

[1] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۶۸۹ تا ۶۹۰، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

ہے فیروزہ نے کہا حضور جملہ عیار سردار بھی یہی چاہتے ہین کہ پر پرواز پیدا کرین بہ تعجیل جا کر اسد نامدار سے ملاقات کرین یہ خبر مفصل مل چکی کہ نورالدہر و قاسم لڑ بھڑ کر وہان پہونچ گئے ایسے وقت مین جا کر شریک ہوے کہ طلسم کشا کو بڑی ضرورت تھی افراسیاب جادو نے کنارے دریائے نیل کے صفین باندھی تھین ان شیرون کے جانے سے وہ صفین ٹوٹین اسد نامدار کے جا کر سب صاحب شریک ہوے قاسم و بدیع الزمان گرد لشکر شکن ہمچشمی کر کے خوب لڑے اب افراسیاب جادو بھی بڑی بڑی لڑائیان لڑ رہا ہے اتنا بڑا ساحر زبردست ہے کہ سوا اسد نامدار کے کسی سے منھ نہین پھیرتا ایک سحر مین آپ کے لشکر کا کیا حال کیا تھا حضور یہ آجتک نہ ثابت ہوا کہ اسم اعظم حمزۂ صاحبقران کیونکر کُھلا بادشاہ نے فرمایا خواجۂ عمرو نے اُسے مارا ہوگا یا اسد نامدار کا پنجہ قابض ہو گیا ہوگا''۔[1]

ایرج کی بہادری کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

''شیشہ مہ نوش بہت اچھا کہتی ہوئی نیمچہ کھینچے ہوے طرف ایرج نوجوان کے چلی لوگ سمجھے واسطے قتل کے جاتی ہے جسوقت کہ شیشہ مہ نوش مہ لشکر پہونچی تو ملکہ بران شمشیر زن نے پوچھا تھا یہ کسکی سواری آئی ملکہ انجم ماہ رخسار نے کہا تھا کہ حضور یہ دختر مرأت جادو ہے مگر تعجب یہ ہے کہ جرم عشق نوجوان مین قید تھی یا اب آمادۂ قتل ایرج نامدار ہے ملکہ بران شمشیر زن نے فرمایا اسمین بھی کچھ اسرار ہے یہ تو بخوبی آگاہ ہین کہ اُسنے مجکو اطلاع دی ورنہ یہان خاتمہ ہو گیا ہوتا یہ دیکھ کر ملکہ بران نے بھی دباؤ ڈالا سحر کرتی ہوئی بڑھین انجم سے کہا یہ وقت جنگ و جدل ہے مصیبت طلسم کشا مین دل بیکل ہے شیشہ مہ نوش قتل کرتے جاتی ہے انجم نے بھی اپنے لشکر کو بڑھایا لیکن ملکہ شیشہ مہ نوش قریب ایرج نوجوان پہونچی یہ سحر مین سہمناک کے مبتلا حیران پریشان ارا بے پر بیہوش پڑے ہین ملکہ شیشہ مہ نوش نے پڑھکر لوح طلسمی نکالی گلے مین ایرج نوجوان کے پہنائی مرأت نے دور سے دیکھا کہ شیشہ مہ نوش یا تو قتل کرنے کے لیے گئی تھی یہ کیا ستم ہوا وہ شیر بیشۂ جوات اپنے مقام سے اُٹھا قبضۂ

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، ص ۶۰۷، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

شمشیر پر ہاتھ ڈالا صدائے شیر آئی زمین تھرائی نعرہ کر کے شاہزادہ پشت مرکب پر سوار
ہوا ہز بر بیشہ جرأت آمادۂ حرب و پیکار ہوا سب نے دیکھا لوح طلسمی گلے مین مثل
ستارہ سحری چہرہ آفتاب عالمتاب دست زبردست مین تیغہ برق تاب زیر ران
مرکب رشک عقاب ایرج لڑتے ہوے آگے بڑھے ملکہ شیشہ مہ نوش مع بارہ ہزار
ساحران ہمراہ رکاب ایرج یہ دیکھکر مرأت نے سر پیٹ لیا کنیزون نے بڑھکر خبر دی
حضور صاحبزادی لوح طلسمی لیکر آ ئین طلسم کشا کو پہنا دی لوح محفوظ کی کیا حقیقت
ہے اب طلسم کشا کا کون سامنا کریگا۔'' [1]

غضنفر: اسد غازی کا بیٹا ہے اور لشکر حمزہ سے معرکے میں شریک رہتا ہے۔ بہت بہادر ہے چنانچہ لقا کی مدد کے لیے جو بھی ساحر آتے ہیں ان کو غضنفر کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور دھوکے سے اسے قید کر لیتے ہیں یہ ملکہ ماہ طلعت جادو کے عاشق ہیں جنہیں عمرو عیار نے مطیع اسلام کر کے شامل لشکر مہرخ کیا تھا۔

''غضنفر وہانکی سیر کر کے نہر پر باغ کی آئے اور وضو کر کے دوگانہ نماز کا پڑھا اور شکر خدا
بجالائے پھر باغ کا میوہ کھایا اور آگے بڑھے لیکن دروازہ اُس باغ کا نہ ملا ناچار یہ
ایک درخت پر چڑھ کے دیوار باغ پر پہونچے اور اُس طرف کود پڑے چوٹ ذرا بھی
نہ لگی یہ وہان سے چلے تو آگے بڑھ کر دیکھا کہ اِن کا گھوڑا بھی چر رہا ہے وہ انکو ملا یہ
اُس پر سوار ہوے اور چلے یہانتک کہ راستہ طے کرتے ہوئے قریب ایک پہاڑ کے
پہونچے انکے پاس تیغۂ سحر اور انگشتر مہر و ماہ اور اسپ بادخور ہے غرض اُنھون نے اُس
پہاڑ کے قریب ایک گوزن کو آتے دیکھا تیر کمان مین رکھکر جو مارا وہ گوزن تو چرنے
مین مشغول تھا تیر اُسکو توڑ گیا وہ گوزن ہلاک ہوا اور آواز آئی کہ مارا گوزن جادو کو اب
یہ حیران ہوے کہ مین نے گوزن کو مارا اور وہ ساحر نکلا یہ عجب طرح کا تماشا ہے اسی
حیرت مین کھڑے تھے کہ ایک برق تڑپ کر گری اِنکو اور اِنکے گھوڑے کو لپیٹ کر اُڑا
لیگئی اور اُس نے ایک پہاڑ پر لیجا کر انکو اُتارا یہ اُس بجلی کی چمک سے اور اُڑ کر آنے
سے بیہوش ہو گئے تھے اور یہ برق ساحرہ ہے کہ نام اسکا دراز چشم جادو ہے بس اُسنے
تیغہ اور انگوٹھی اُس بیہوشی مین لے لی اور ہوشیار کر کے ان سے کہا کہ او موئے تو نے

[1] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصہ دوم از احمد حسین قمر ص ۳۰۰، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

میرے خاوند کو مارا اب تجھے مین زندہ نچھوڑونگی غضنفر نے یہ سُنکر چاہا کہ مین اس ساحرہ پر حملہ کرون لیکن دست و پا قابو مین نہ تھے ناچار دعا کرنے لگا اُسوقت روے ہوا پر غلغلہ ہٹو بچو کا ہوا اور دیکھا تو ملکہ شمشاد قامت جادو ایک تخت پر سوار گرد اُسکے ساحرون کو حکم دیا کہ جاؤ اور اُس جوان کو لے آؤ اُن ساحرون مین سے ایک ساحر مکار جادو نام اُس نے جا کر عرض کیا کہ مین جا کر لاتا ہون ملکہ شمشاد قامت نے کہا کہ اچھا جاؤ۔۔۔غضنفر کو سامنے بُلا کے اُسنے پوچھا کہ تمھارا مکان کہان ہے اور کیا دین اور آئین تمھارا ہے غضنفر نے فرمایا الحمدللہ مین مسلمان ہون یہ کہکر کلمہ پڑھا ملکہ نے کہا خیر معلوم ہوا ہم تمھارے گھر بھیجدین گے کیونکہ افراسیاب دشمن ہو رہا ہے کہین ایسا نہ ہو کہ کوئی ساحر تم کو گزند پہونچائے مگر اس شرط سے کہ جو طلسم کشا اور صاحبقران کے عزیزدار نہ ہو یہ کہہ کر سارا حال قید بران اور اسد کا آنا ملکہ مہ جبین کا عاشق ہونا شمشاد قد نے بیان کیا غضنفر نے کہا کہ اے شمشاد قد تم کہتی ہو کہ صاحبقران کے عزیز تم نہ ہو مین تو بیٹا ہون اسد کا کہ جو طلسم کشا ہے اور حمزہ صاحبقران میرے نانا ہین مین افراسیاب کو قتل کرونگا۔'' [1]

خاندان حمزہ میں نسوانی کرداروں کا فقدان

لشکر اسلام کے سماج میں نسوانی کرداروں کا فقدان ہے کیونکہ مصنفین نے داستان امیر حمزہ کو اسلام اور چچا امیر حمزہ سے جوڑا ہے اس لئے داستان گو نے کوشش کی ہے کہ کردار سازی میں جہاں تک ممکن ہو اسلام کے اصول وقوانین کی پابندی کی جائے اگر وہ اسلامی لشکر اور امیر حمزہ کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں تو وہاں موجود کرداروں میں کوئی ایسی خصوصیت نہ ہو جو اصول اسلام کے منافی ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے داستان میں نسوانی کرداروں کا فقدان۔ اس سلسلے میں علی عباس حسینی رقمطراز ہیں۔

''وہ گھر میں بیٹھنے والی بہو بیٹیوں سے عشق نہیں کرتا بلکہ غیر قوموں کی بے پردہ آوارہ عورتوں سے۔ ان کے نزدیک پردے میں بیٹھنے والیاں اتنی عفت مآب ہوتی تھیں

[1] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۷۵۲ تا ۷۵۳، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

کہ ان کا ذکر رومانوں میں ناممکن تھا۔ وہ معشوق کو مذکر بنا کر امرد پرستی کا الزام اپنے
سر اوڑھ سکتا تھا لیکن وہ اپنی خواتین کا ذکر کر کے بیحیائی کا مرتکب نہیں ہوسکتا تھا۔''
(اردو ناول کی تاریخ اور تنقید از علی عباس حسینی، ص ۱۴۹، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۷ء)

طلسم ہوشربا میں قصہ کی دلچسپی کی ترویج وارتقا کا زیادہ تر دارومدار اس میں موجود نسوانی کرداروں سے ہے لیکن حمزہ کے لشکر میں یا ان کے خیمے میں کسی نسوانی کردار کی موجودگی نظر نہیں آتی ہے نسوانی کردار کے نام پر صرف ملکہ گرد یہ بانو کا ذکر ہے جو کہ بدیع الزماں کی والدہ ہیں۔ ان کا کردار ایک شفیق ماں اور وفادار بیوی کا ہے لیکن یہ وفادار بیوی اپنی اولاد کے لئے شوہر سے بھی بحث کر کے اسے ہم رائے بنا لیتی ہے۔ حالانکہ اس کا یہ فیصلہ اولاد کے حق میں چنداں سود مند نہیں ہوا اور اس کے نتیجے میں اسے اولاد کی دوری نصیب ہوتی ہے لیکن یہاں بھی حمزہ اس فیصلہ کی تنقیص کرتے نظر نہیں آتے کیونکہ اسے طلسم کشائی کا وسیلہ مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ لشکر حمزہ میں جو نسوانی کردار ہیں وہ ساحرنیاں ہیں جو کہ شامل لشکر اسلام ہوئیں لیکن انہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا ہے اس لئے کہ اگر وہ اسلام قبول کر لیں گی تو ان کے لئے سحر کرنا حرام ہو جائے گا اور بغیر سحر کے طلسمی لشکر سے نبرد آزما ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ داستان طلسم ہوشربا سحر و ساحری اور حسن و عشق کی دلکش داستان ہے جہاں ایک کے بعد ایک منظر بدلتے ہیں کبھی جنگ کے کبھی رقص و موسیقی کے کبھی حسن و کے کبھی سحر و ساحری کے میلے ٹھیلے کھان پان سب کی ایک پُرکشش مرصع کاری ہے جو طلسم ہوشربا کو بھی ایک ساحری بس بنا دیتی ہے لیکن خاص بات یہ ہے کہ یہ منظر کسی دور کی دنیا کے نہیں بلکہ لکھنؤ کے نظر آتے ہیں۔

''دراصل یہ ہے لکھنؤ۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک رومانی تصویر ہے۔ پھر بھی اس میں اس تہذیب کے خد و خال دیکھے جا سکتے ہیں اور اس معاشرے کے تار و پود پہچانے جا سکتے ہیں۔ جسے ہم لکھنوی تہذیب یا لکھنوی معاشرت کہتے ہیں۔ ''طلسم ہوشربا'' میں دراصل اس معاشرت کی کارفرمائی ہے۔ یہ معاشرت واجد علی شاہ سے پہلے بھی تھی۔ ان کے بعد رہی۔''[1]

[1] طلسم ہوشربا ایک تہذیبی مطالعہ از ڈاکٹر راہی معصوم رضا، ص ۱۷۳، خیاباں پبلی کیشنز، ممبئی، ۱۹۷۹ء

عیارانِ لشکرِ اسلام

داستان میں عیاروں کا کردار خصوصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ عیار فن داستان کے خاص اجزا میں ایک ہیں۔ طلسم ہوشربا میں جہاں تک لشکر امیر کے عیاروں کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ جب امیر کے یہاں شہزادی سے بیٹا پیدا ہوتا تھا تو اس کی وزیرزادی سے عمرو کے یہاں بیٹا پیدا ہوتا تھا اس طرح عمرو عیار کے بیٹے امیر حمزہ کے بیٹوں کے عیار ہیں اور جس شہزادے کے ساتھ عمرو کے یہاں جو بیٹا پیدا ہوتا تھا وہ اسی کا عیار ہوتا تھا۔ لشکر امیر حمزہ میں ایک لاکھ چوراسی ہزار عیار ہیں جو ہر وقت خدمت پر مامور رہتے ہیں اور امیر حمزہ کو پل پل کی خبر بھی دیتے ہیں اور ساحروں سے ان کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ ان تمام عیاروں کے سردار عمرو عیار ہیں جس کا ذکر طلسم ہوشربا جلد اول میں یوں مذکور ہے ۔

> ''یہ سب عیار ایک لاکھ چوراسی ہزار ہین اوران سب عیارون مین چودہ افسر ہین اور ان افسرون کے چار شخص افسر ہین اوران چار افسرون کا ایک شخص افسر ہے اور اُس افسر کا ایک استاد اور مالک عمرو ہے۔''[1]

جس قدر محیر العقول لشکر ساحران کی سحر سازیاں ہیں اتنی ہی حیرت انگیز ان عیاروں کی عیاریاں بھی ہیں۔ یہ عیار ہر موقع پر ہیبت ناک ساحروں کی فتح کو اپنی عیاری سے شکست میں بدل دیتے ہیں اور لشکر اسلام کے مجاہدوں کو دشمن کے نرغے سے عیاری دکھا کر آزاد ہی نہیں کراتے بلکہ طاقتور سے طاقتور ساحروں کو انجام تک پہنچاتے ہیں۔ سرحد طلسم ہوشربا میں اس کی مدد کے لیے جو پانچ عیار داخل طلسم ہوتے ہیں، ان کے سردار عمرو عیار ہیں۔

عمرو عیار: طلسم ہوشربا میں عیار بھی انسانی کردار ہیں لیکن ان سے سرزد ہونے والی حرکات وسکنات عام انسان کی نہ ہو کر مافوق الفطری ہیں کیونکہ انہیں پیغمبروں کے تحفہ ملے ہوتے ہیں۔ طلسم ہوشربا کے عیاروں کے کردار میں عیاروں میں سب سے اہم نام بھی عمرو عیار کا ہے۔ طلسم ہوشربا جلد اول میں ان کا تعارف ملاحظہ ہو:

> ''امیر نے عمرو کو بلایا اور بہت کچھ زروجواہر دیکر واسطے خبر گیری شاہزادۂ نامور کے

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۴۸، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

مامور کیا عمرو نے بانہاے عیاری سے اپنے جسم کو آراستہ کیا زنبیل اور جال الیاسی اور
گلیم عیاری اور کمند آصفی اور دیو جامہ اور قنطوری پیتا دے منڈہی دانیالی وغیرہ کو
سنبھالا اور سب تحفہ اور تبرک جو کوہ سراندیپ پر تھے ساتھ لیے راوی کہتا ہے کہ جب
لشکر امیر حمزہ ہندوستان کو تسخیر کرنے آیا تھا اُسی زمانے مین عمرو نے مزار انبیا علیہم
السلام کی زیارت کی اور وہان عمرو کو ایک غنودگی آئی عالم خواب مین جمال با کمال چند
انبیا کا دیکھا اور عمرو سے اُنھون نے فرمایا کہ ہمارے مزار کے روضہ مین زنبیل وغیرہ
اشیائے عیاری رکھے ہین اُنھین کے لیے زنبیل ایک کیسہ ہے کہ علاوہ اس دُنیا کے
ایک عالم اُسمین بھی آباد ہے جب تم چاہو گے اُسمین سے ہر چیز مانگو گے نکلے گی اور
جو چاہو گے وہ اُسمین رکھلو گے گلیم عیاری ایسی ہے کہ جب تم اُسے اوڑھ لو گے تم
سب کو دیکھو گے اور تمھین کوئی نہ دیکھیگا اور جال الیاسی یہ صفت رکھتا ہے کہ اگر
کرورون من کے وزن کی چیز ہو مگر جب تم جال پھینکو گے وہ سوا سیر کی ہو کر اُسمین
آجائیگی اور جہان کہین منڈھی کھڑی کرو گے اور اُسکے نیچے بیٹھو گے کوئی گرفتار نہ کر
سکیگا جو اُس کے اندر آئیگا اُلٹا ہو کر لٹک جائیگا اور کمند آصفی کو پھینک کر جتنا کہو گے
گھٹ جائیگی اور بڑھنے کو کہو گے بڑھ جائیگی اور کسی چیز سے وہ نہ کٹے گی نہ ٹوٹے گی
اور دیو جامہ جب پہنو گے سات رنگ بدلے گا کبھی سبز ہو جائیگا اور کبھی سُرخ کبھی
زرد وغیرہ اس طرح سے جتنی چیزین ہین سب کرامت رکھتی ہین عمرو کو جب یہ
بشارت ہوئی ان اشیاء کو لے لیا ذکر اُسکا دفتر اول مین ہو گیا۔''[1]

مزار انبیا علیہم اسلام پر عالم غنودگی کے خواب میں جو تحفے عمرو عیار کو ملے ان میں سب سے اہم ان کی زنبیل جس میں سات ملک آباد ہیں اس زنبیل کی یہ خاصیت ہے کہ انہیں جب جس چیز کی ضرورت ہو وہ اس میں مل جائیں گی اور ایسے انداز میں داستان نویس ان کا نقشہ کھینچتا ہے کہ ان کی شکل وصورت جو کہ اچھی نہیں ہے۔ کاندھے پر ٹنگی زنبیل کے ساتھ سامنے آجاتی ہے۔ اس زنبیل کی خاصیت یہ بھی ہے کہ چونکہ اس میں سات ملک آباد ہیں اس لئے دوران جنگ اگر عمرو کسی دشمن کو گرفتار کرتے ہیں اور بہ مصلحت اسے مارنا نہیں چاہتے کیونکہ ساحر کے مرنے پر غل ہوتا ہے جس سے دشمن ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ نیز

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۷، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

عیاری کا کمال دکھا کر فتح حاصل کرنے کے لئے بھی ساحر کو زندہ رکھنا ضروری ہوتا ہے تو عمرو اسے اپنی زنبیل میں ڈال دیتے ہیں اس کے علاوہ اگر کسی مطیع اسلام پر خطرہ ہوتا ہے اور عمرو اسے چھپانا چاہتے ہیں تو بھی وہ اسے زنبیل میں ڈال دیتے ہیں۔ زنبیل میں چونکہ سات ملک آباد ہیں تو ملکی نظام کی ہر ضرورت بھی وہاں درپیش ہے۔ چنانچہ جب وہ کسی دشمن کو زنبیل میں ڈالتے ہیں تو وہاں پر اسے سخت محنت مزدوری کرنی پڑتی ہے، کوڑے کھانے پڑتے ہیں اور مشقت آمیز زندگی گزارنی ہوتی ہے اس کے برعکس مطیع اسلام یا دوستان عمرو کو وہاں ایک خوشگوار زندگی، بادشاہت، اعلیٰ رتبہ، مال و دولت اور اچھا رہن سہن ملتا ہے۔ اس زنبیل کا ایک اور وصف ہے۔ عمرو فطرتاً بے حد کنجوس اور لالچی ہیں اور جب بھی عیاری کر کے کہیں تباہی مچاتے ہیں تو جو کچھ بھی ان کے ہاتھ آتا ہے سب نذر زنبیل کرتے ہیں۔ اگر کوئی دوسرا عیار کچھ حصّہ چاہتا ہے تو اپنی غریبی کا رونا روتے ہیں اور ذرّہ برابر کسی چیز میں کسی کو حصّہ دار نہیں بناتے۔ اسی زنبیل میں ان کا گلیم عیاری ہے جب کہیں مصیبت میں پھنستے ہیں تو گلیم عیاری اوڑھ کر دشمن کی نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں اور جائے فساد سے بھاگ جاتے ہیں، جال الیاسی پھینک کر سامان لوٹتے ہیں اور زنبیل میں ڈال دیتے ہیں۔ اسی طرح جب کچھ بس نہیں چلتا منڈھی کھول کر بیٹھ جاتے ہیں تو نہ جادو اثر کرتا ہے اور نہ دشمن منڈھی میں داخل ہو پاتا ہے۔ اگر کوئی منڈھی میں داخل ہونے کی کوشش بھی کرتا ہے تو وہ اسی میں الٹا لٹک جاتا ہے اور تب تک واپس نہیں اتر سکتا جب تک عمرو اسے معافی نہ دے دیں۔ چنانچہ کہنے کو تو امیر حمزہ اور اسد غازی کو طلسم ہوشربا کا مرکزی کردار کہا جا سکتا ہے لیکن اگر غور کریں تو لشکر حمزہ کا سب سے اہم کردار عمرو عیار کا ہے چونکہ ساحر کی گرفت سے اگر لشکر اسلام کے لوگوں کو کوئی رہائی دلا سکتا ہے تو وہ عمرو عیار ہی ہیں۔ اس لئے انھیں کے ذریعہ قصّہ آگے بڑھتا ہے اور طلسم ہوشربا کی محض ایک جلد کے مطالعہ سے ہی عمرو عیار کے کردار کی اہمیت نمایاں ہو جاتی ہے ان کی عیاری کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو جب انہوں نے مروارید جادو کو اپنی عیاری میں گرفتار کر کے قتل کیا۔

"ملکہ نے ہنسکر چاہا کہ جام لیکر پیے عمرو نے اُسکو اُچھال دیا اور پھر سر پر روک کر سر سامنے کیا کہ افسر کو سر سے شراب پلاتے ہین عمرو کا ان باتون سے منشاء صرف بھلاوے مین ملکہ کو ڈالنے کا ہے اور ملکہ کو اور زیادہ حیرت ہوئی آخر جام لیکر پی گئی

کیونکہ عالم محویت مین تھی انجام کا خیال بھولی جام پیتے ہی آنکھون مین سرسون پھولی
مست ہوکر جھومنے لگی عمرو نے پھر چارسمت ناچنے کا دور باندھا اور جتنی عورتین تھین
سب کو ایک ایک جام پلایا بعد کچھ دیر کے ہر ایک بیہوش ہوئی ملکہ بھی جھوم کر اٹھی چاہا
کہ ساقی کے ساتھ ناچنے لگون لیکن ٹھوکر کھا کر گری عمرو نے اٹھ کر دروازہ باغ کا بند
کیا اور سب کے کپڑے اور زیور اتار کر مکان کا سب اسباب لوٹ کر نذر زنبیل کیا پھر
ملکہ کو اُٹھا کر ستون سے بارہ دری کے باندھا اور کوڑا پکڑ کر فتیلہ رفع بیہوشی سنگھایا لیکن
زبان مین سوزن دیدیا جب آنکھ مروارید کی کھلی اسکو وہی نشۂ دیرینہ تھا گویا ہوئی کہ
اے پیر کلاونت کیا کہنا ایک آدھ چیز تو اور گا عمرو نے نعرہ کیا کہ باش او قحبہ از غفلت
ہوشیار باش کہ منم عمرو بن امیہ یہ صدا سنکر اسنے آنکھ کھولکر جو دیکھا اپنے تئین بندھا پایا
اور کلاونت سامنے کوڑا پکڑے کھڑا تھا بس اشارہ سے پوچھا کہ یہ ماجرا کیا ہے عمرو
گویا ہوا کہ خدا کے فضل سے مین معہ ملکہ مخمور یہان آکر پہونچا تجھے چاہیے کہ مطیع
اسلام ہو اور محبت جمشید و سامری چھوڑ مجکو راستہ دے اور تو خدمت ملکہ مہرخ مین جا
ورنہ میرے ہاتھ سے ماری جائے گی جان تیری اس وقت جائیگی مروارید نے ہر
چند کہ پند و نصائح سنا مگر اشارے سے یہی کہا کہ میری جان نام جمشید و سامری پر فدا
ہے۔ مطیع اسلام ہونا نہ گوارا ہے عمرو نے اول تو اسکی جوانی اور حسن پر رحم کھایا تھا مگر
اب قلب سیاہ اور دشمن سخت اپنا جب پایا حجت تمام کر کے سر اسکا جدا کیا پھر تو غل و
شور و تاریکی ہوگئی۔''[1]

چوں کہ پیدائش کے وقت ہی ان کے ساتھ کچھ غیر فطری اسباب لگ گئے تھے لہٰذا اُن کی فطرت میں ضبط و توازن نہیں۔ وہ جو کچھ نظر آتے ہیں اندر سے اس کے بالکل برعکس ہیں۔ علی عباس حسینی خواجہ عمرو کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

''عمرو عیار کا کردار عجیب مختلف متصادم صفات کا مجموعہ ہے وہ نوعمر بھی ہے اور کمسن بھی
دبلا بھی ہے مگر مقابلے پر تیار، بدمعاش ہے مگر بدطینت نہیں، اس کی زندگی کا کوئی
اصول نہیں تاہم وہ ہر کام میں مستعد ہے۔ ظاہر میں وہ بزدل نظر آتا ہے مگر حقیقت

[1] طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص ۴۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

میں ایسا نہیں ہے جھوٹ بولنے میں اُسے کوئی عار نہیں، لیکن اس کے ذریعہ وہ کبھی ذاتی منعفت کا خواہاں نہیں، وہ ایک سپاہی ہے جس کو عزت کا خیال نہیں، عمرو عیار کی فطرت میں چالاکی اور ظرافت دونوں میں پائی جاتی ہے، عمرو عیار کی زندگی کا اگر سنجیدہ مقصد ہے تو وہ ہے کہ امیر حمزہ کو خوش کیا جائے۔''[۱]

عمرو عیار کی طلسمی حکومت میں بہت اہمیت ہے۔ طلسم ہوشربا کا مرکزی کردار یوں تو اسد غازی ہیں لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو عمرو عیار ہی اس کہانی کا مرکزی کردار ہیں جو امیر حمزہ کی زمرد شاہ باختری لقا کے خلاف جنگ میں اپنی عیاریاں دکھاتے پھرتے ہیں۔ عمرعیار امیر حمزہ کے رفیق اور ہمدرد ہیں اور ان کے بیٹے اور پوتوں کی نگرانی انہیں کی سرپرستی میں ہوتی ہے۔

ایک تو عیاری کے فن میں مہارت دوسرے اس طرح کے معجزاتی تحفہ جات ظاہر ہے عمرو عیار کے آگے بڑے سے بڑے ساحر کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگرچہ ان کی ہیبت کی تصویر داستان گو نے بہت کریہہ کھینچی ہے۔ پستہ قد ہیں، کالے زیرہ جیسی آنکھیں ہیں لیکن اپنے فن کے ماہر عمرو عیار کی عیاری کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

''عمرو کو کوہ ابوقبیس پر امیر کے ساتھ حضرت جبرئیلؑ نے شاگرد کیا ہے اور تین دانے انگور کے کھلائے ہین کہ ایک دانہ کی خاصیت یہ ہے کہ عمرو خوش الحان ہے اور لحن داؤدی رکھتا ہے اور دوسرے دانے کی تاثیر سے بہتر صورت بدل سکتا ہے جس صورت کا خیال لائے بقدرت خدا وہی بنجائے اور تیسرے دانے کے سبب عمرو زبان ہر قوم کی سمجھتا اور اُنھین کے محاورے مین گفتگو کرتا ہے الحاصل عمرو نے بانسری نکالکر لبون سے لگائی اور تھوڑے سے موتی پھانک لیے اور تار برنجی انگوٹھے مین پانون کے باندھا اور دوسرا سرا لبون سے دبایا اور گلابی شراب کی بغل مین دبائی اور پیمانہ ہاتھ مین لیا گت ناچنا شروع کیا اس طرح کہ جب چاہا ایک گھنگرو بجا اور جب چاہا سب بجے اور جب چاہا ایک نہ بجا مُنھ سے موتی ہر تال اور گت مین نکلکر تار مین پروتے جاتے تھے اور پیمانہ مین شراب ہر بار بھرتا تھا اور اہل انجمن کو پلاتا تھا ناچ مین چھلبل

[۱] اردو ناول کی تاریخ اور تنقید از علی عباس حسینی، ص ۱۵۰ تا ۱۵۱، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۷ء

اورادادکھاتا تھا کہ ہرطرف سے احسنت وآفرین کی صدا بلند تھی۔'' [1]

قراں: قراں عمروعیار کا شاگرد، عمرو کے بعد سارے عیاروں کا افسر اور لشکر عیاران کا خلیفہ اور حضرت امیر المومنینؑ کا نظر کردہ ہے۔

''ناقوس گرفتار کیے عمرو کو ادھر سے نکلا قران صورت ساحر کی طرح بنا کر پکارا کہ
ارے تو کون ہے اور یہ جگھ میرے قبضہ مین ہے یہان کیون آیا ہے ناقوس نے کہا
بھائی خفا نہو مین گنہگار شہنشاہ عمرو کو گرفتار کیے لیے جاتا ہون قران اسکے قریب آ گیا
اور گویا ہوا کہ تم آئے مگر یہ کون ہے جو پیچھے تمھارے ہے ناقوس نے پیچھے پھر کر دیکھا
قران نے بغدہ اس زور سے مارا کہ سر کے ٹکڑے ہو گئے اور شور اسکے مرنے کا بلند ہوا
عمرو چھوٹ کر ایک طرف چلا۔'' [2]

برق فرنگی: برق فرنگی، عمروعیار کے لشکر کا ایک بہت ہی عقلمند اور چست و پھرتیلا عیار ہے۔ عمروعیار جب کبھی کسی سحر میں گرفتار ہو جاتے ہیں تو برق فرنگی کبھی قران، کبھی جان سوز اور کبھی ضرغام شیر دل کے ساتھ مل کر نہایت ہی چستی کے ساتھ عیاری کر کے ساحروں کو شکست دیکر عمروعیار کو ساحروں کی گرفت سے آزاد کرانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

''مصور نے گلے سے لگا کر کہا اے جانِ جان خفا کیون ہوئین اسنے کہا چلو ہٹو
ہمکو غیر سمجھکر قیدیون کے دینے مین کیا کیا حیلے اور بہانے آپ نے کیے اچھا تم جانو
تمھارا کام جانے مین غیر مجھسے کیا مطلب یہ کہکر دامن جھٹک کر اُٹھی مصور نے اُٹھکر
گود مین لے لیا اور کہا ناراض نہو تم مختار ہو میری جان کی قیدی کیا حقیقت رکھتے ہین
یہ باتین بنا کر در خیمہ پر آیا ملازمین سے قید کو بہار کی منگایا عمرو تو موجود ہی تھا دونون
پر سے سحر اپنا دفع کر کے کہا لوا پنے سحر مین انھین گرفتار کرو صورت نگار اُٹھکر قریب عمرو
کے آئی اور ہار گلے سے اُتار کر دونون کی گردن مین پنھایا تا کہ بظاہر یہ معلوم ہو کہ
اپنے سحر مین گرفتار کیا مگر ہار پنھانے مین چپکے سے کہا مین ہون برق میرے کہنے پر
عمل کرو تا کہ معلوم ہو مسحور بسحر یہ لوگ ہین غرضکہ ہار پنھا کر حکم کیا کہ اے مجرمون

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۱۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء
[2] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۳۲۶، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

میرے ساتھ ساتھ آؤ بموجب حکم دونون ساتھ ہوے مصور نے کہا اے ملکہ تخت پر
سوار ہوکر جاؤ باغ سیب تک پیدل تم سے نجایا جائیگا برق نے کہا مین باہر جا کر تخت پر
سوار ہونگی لیکن قیدی میرے سحر سے آپ دوڑتے چلے آئینگے یہ کہکر خیمے کے جب
باہر گیا بہار نے کہا اے برق میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے تئین ظاہر کر کے ان
بدکردارون کو سزا دون برق بولا کہ بسم اللہ بہار نے ایک ناریل سحر کا بارگاہ مصور پر
مارا کہ شعلہ پیدا ہوا اور بارگاہ جلنے لگی بہار نے نعرہ کیا غلغلہ ہوا ساحر دوڑے عمرو نے
بھی جال مار کر لوٹنا شروع کیا برق بھی نعرہ کر کے خنجر کھینچکر لڑنے لگا مصور خیمے کے
باہر نکل آیا۔''[1]

جانسوز: جانسوز بھی طلسم ہوشربا میں داخل ہونے والے پانچ عیاروں میں سے ایک ہے اور عمرو کا شاگرد ہے یہ عموماً دوسرے عیاروں کے ساتھ مل کر ہی عیاری کرتا ہے لیکن اگر کہیں اس کے ساتھیوں پر خطرہ ہوتا ہے اس وقت یہ بہادری سے کام لیتا ہے۔اس کی بہادری کا تعارف پیش ہے:

''ایک ساحر زبردست قاہر چہار چشم جادو نام اُٹھ کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یہ غلام جاتا
ہے اور تمام نمکحرامون کو سزاے معقول دیتا ہے یہ کہکر اسی وقت نفیر سحر بجائی اور
رخصت ہوکر معہ دس بارہ ہزار ساحرونکے بڑے جوش وخروش کے ساتھ روانہ ہوا اور
دریا سے گزر کر لشکر حیرت مین پہونچا اور ملکہ سے کہلا بھیجا کہ مین اسیوقت لشکر حریف
غارت کرنے جاتا ہون آپ بھی آ کر تماشہ دیکھین یہ پیام ایک ساحر لیکر چلا لیکن وہ
ساحر جو چلا راہ مین جانسوز عیار بشکل ساحر اسکو ملا اور اس نے دریاے خون روان کی
طرف سے ساحر کو لشکر کی جانب جاتے دیکھکر قریب آ کر پوچھا کہ اے برادر کہان
چلے اس نے سارا حال قاہر کے آنے کا اور پیام لے جانا پاس حیرت کے اپنا بیان کیا
جانسوز نے یہ ماجرا سنکر کہا چلو مین بھی تمھارے ساتھ خدمت ملکہ مین چلتا ہون
غرضکہ دونون چلے از بسکہ بوجہ رات کے سناٹا تھا راہ مین حباب بیہوشی مار کر اسکو
بیہوش کر کے کہین چھپا دیا اور آپ وہان سے دوڑ کر اپنے لشکر مین گیا مہرخ دربار
برخاست کر چکی تھی یہ سیدھا شبستان مین گیا اور ملکہ کو بیدار کر کے سب حال کہا پھر

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۷۸۰، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

وہانسے بارگاہ بہار مین گیاوہ بھی آرام کرتی تھی اس نے سارا ماجرا جگا کر کہا۔''[1]

چالاک بن عمرو: چالاک بن عمرو عمرو عیار کا بیٹا ہے اور شہزادہ کا ہم سن ہے یہ لشکر حمزہ میں عیاریاں کرتا ہے اور لقا اور بختیارک کو پریشان کرتا ہے اور ہر وقت لشکر لقا میں حلیہ بدل کر گھومتا رہتا ہے اور پل پل کی خبر حمزہ کو پہونچاتا ہے لیکن جب بدیع الزماں اور اسد کی خبر حمزہ کو نہیں ملتی تو یہ داخل طلسم ہوشربا ہو کر لشکر ملکہ مہرخ میں شامل ہوتا ہے اور پھر طلسم ہوشربا کی حد کے باہر جا کر لشکر حمزہ، عمرو عیار اور دوسرے عیاروں کی مدد کرتا ہے اس کی عیاری کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

> ''ایسے دو چار اشعار اپنے آقا کی یاد مین عمرو نے پڑھے کہ سب رونے لگے چالاک نے فوراً بانہاے عیاری جسم پر آراستہ کئے عرض کی غلام کو بعنایت رخصت دیجئیے انشاء اللہ انکو تلاش کر کے لاؤنگا ہر چند سرخ مو نے کہا چالاک ہمین جانے دو چالاک نے کہا کچھ نہ فرمایئے یہ کہکر فوراً روانہ ہوا بعد جانے چالاک کے عمرو نے کہا اے ملکہ سرخ مو انصاف کرو یہ ایک لاکھ چوراسی ہزار پیک بچونکا افسر ہے عیاری مین سب سے بہتر ہے صاحبقران میرے فرزندون کی بڑی آبرو کرتے ہین اسوقت اپنے بھائیون کو یاد کر کے بیقرار ہوا اس خواہش سے گیا ہے کہ خبر خیر و عافیت تو سب کی سنون یہ کہکر عمرو باہر نکلا تردد مین مصروف ہوا حال یہان کا تحریر ہوگا لیکن مہتر چالاک بن عمرو فی الحقیقت مشتاق خیر لشکر ظفر اثر خواہان حالات برادران نامور لشکر سے نکلا بھاگا ہوا جاتا ہے ایک مقام پر اسنے دیکھا کہ دن قلیل باقی ہے ایک سائیس ایک مرکب کو تھامے ہوے قریب درۂ کوہ کھڑا ہے چالاک رنگ روغن عیاری کا لگا کر ایک گنوار کی صورت بن کر سامنے سائیس کے آیا پوچھا بھائی یہ مرکب کس کا ہے۔۔۔۔
> گلریز جادو نے دیکھا کہ ملکہ نرگس جادو نے سیکڑون کو آنکھین دکھائین دیوانے غل مچانے لگے زنجیرین ہلانے لگے یہ جوان طرف قلزم کے لڑتا بھڑتا چلا چالاک بھی حقہ ہاے آتشبازی مار رہا ہے ساحروں کو للکار رہا ہے کبھی کسی کے سحر مین پھنس جاتا ہے ملکہ نرگس اپنے کو فوراً پہونچاتی ہے چالاک کو بچاتی ہے عیاری پر اسکی ناز ہے کہ کیا کار نمایان ہوا حقیقت مین یہ عیار ہر مقام پر اپنی جان دیتے ہین اگر انکا قدم نہوتا تھمنا

[1] طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص ۹۷ تا ۹۸، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

ہوشربا مین دشوار تھا زخم کھاتی ہے مگر چالاک کو بچاتی ہے۔''[1]

ضرغام شیر دل: جیسا کہ اوپر مذکور ہے کہ امیر کے یہاں ہر شہزادے کے ساتھ ان کی وزیرزادی سے عیار پیدا ہوتے ہیں تو اسد غازی کے ساتھ عمرو کے یہاں ضرغام شیر دل پیدا ہوا ہے اور یہ اسد غازی کا عیار ہے جو اپنے آقا کے ساتھ شہزادہ بدیع الزماں کی تلاش میں جاتا ہے۔ یہ پانچ عیار تو اسد کے ساتھ طلسم ہوشربا میں شامل ہوئے۔ ضرغام ہمیشہ برق فرنگی کے ساتھ مل کر عیاری کرتا ہے۔ چالاک بن عمرو بھی کبھی کبھی داخل طلسم ہوتا ہے لیکن اس کے علاوہ بھی لشکر حمزہ کے کئی عیار جو شاگردان عمرو بھی ہیں اور جن کا تعلق نسل عمرو سے بھی ہے لقا کے لشکر میں بھیس بدل کر گھومتے رہتے ہیں اور ہر پل کی خبر امیر حمزہ کو پہنچاتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم نام تو مہتر چالاک بن عمرو کا ہے۔ یہ چونکہ عمرو عیار کا بیٹا ہے لہٰذا اس کے اندر عیاری کے اوصاف بدرجۂ اتم موجود ہے۔ یہ ہر جگہ حمزہ کی معاونت کرتا ہے اور لقا کو شیطان بختیارک کو بیوقوف بنا کر اس پر عیاری کر کے حمزہ کے لشکر کی شکست کو فتح میں بدل دیتا ہے۔ لقا اور بختیارک اس سے بہت زیادہ خوف کھاتے ہیں اور بھاگ کر کسی طلسم میں پناہ لیتے ہیں۔

''برق جو بشکل مبدل پھرتا تھا آیا دور سے دیکھا سراپچے بارگاہ کے اٹھے ہین اور شعلے بھڑک رہے ہین سمجھا کہ ادھر جانے مین کچھ آفت ضرور ہے اسی فکر مین لشکر سے باہر نکلا وہان ضرغام عیار ملا اُس سے کہا اے برادر ذرا جاکے خبر تو لاؤ پھر مین سمجھ لونگا۔۔ ۔۔۔۔ برق سمجھا کہ یہ بارگاہ مین جا کر نہین معلوم کیا امتحان کرے اس سے بہتر ہے کہ یہین اسکو مارو یہ سوچکر کہا اے ملکہ اچھا چلو مگر ان کو تو منع کرو کہ یہ تو نہ آئین زہرہ نے یہ سنکر پیچھے پھر کر دیکھا برق نے فوراً کمند ماری کہ گردن اسکی پھنسی اسنے گھبرا کر پھر ادھر دیکھا برق نے فوراً بیضہ بیہوشی مارا کہ یہ چرخ کھا کر گری اسنے بقوت تمامتر خنجر مارا کہ سر اسکا کٹ گیا غل وشور و تاریکی ہوگئی ساحر تمام دوڑے اور حیرت بھی گھبرا کر چلی مگر سر خمو کی اسکے مرنے سے آنکھین اچھی ہوگئین اور چھوٹ گئی اڑ کر چلی یہان آکر دیکھا کہ مار وعقرب برستے ہین اندھیرا ہے ساحر برق کو گرفتار کیا چاہتے ہین یہ دیکھکر پنجہ بنکر گری اور برق کو اٹھا لے گئی ساحر کچھ دوڑے تھے کہ ضرغام نے

[1] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۲۱۴ تا ۲۲۰، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

حقۂ آتشبازی مارے دو ایک کے منہ جھلسے دوڑ کے اس عرصے مین سرخمو نکلگئی ادھر
حیرت رنجیدہ دل کبیدہ پھر کر داخل بارگاہ ہوئی۔''[1]

سرہنگ: لشکر حمزہ میں سرہنگ عیار بھی کافی تیز ہے اور چالاک کی شاگردی میں لشکر لقا میں عیاریاں کرتا پھرتا ہے۔ بختیارک شیطان ہمیشہ ان عیاروں کے ہاتھ ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ خداوند لقا کے دربار میں سرہنگ کی عیاری اور بختیارک کی بزدلی کا نمونہ دیکھئے۔

''عیار سب نکلکر روانہ ہوئے اور اخگر وغیرہ کو ہوشیار کر کے بختیارک نے اٹھایا اور کہا
کیون بدزبانی کا مزا دیکھا اب تم زندہ نہ بچو گے مرشدزادے قسم کھا گئے ہین اخگر نے
کہا خیر دیکھون تو وہ میرا کیا کرتا ہے مین بھی قسم کھاتا ہون کہ بغیر قتل کیے اسکے چین نہ
لون گا اسی گفتگو مین اتفاقاً سرہنگ عیار کہ اور تو سب عیار نکل گئے تھے یہ رہگیا تھا اور
خدمتگارون کی صف مین کھڑا تھا اس سے اخگر کے خدمتگار نے کہا مین جا کر پیشاب
کر آؤن تم رومال میان کے سر پر ہلاؤ سرہنگ نے کہا اچھا اور جا کر مگس رانی کرنے
لگا کہ بختیارک نے سر اٹھا کر دیکھا اور اس سے پوچھا تو کون ہے اسے عرض کیا حضور کا
خدمتگار ملک جی نے کہا مین نے تجکو کبھی نہین دیکھا وہ بولا کہ مین بیمار تھا عرصے کے
بعد آیا ہون ملک جی نے کہا تیرے منہ پر بیماری ثابت نہین ہوتی اس نے جوابدیا کہ
ملک جی آپ کو کیا معلوم اس جواب دینے سے بختیارک سمجھا کہ یہ بھی کوئی عیار ہے
مگر ابھی پٹ چکا ہے اس سبب سے چپ ہور ہا کہ عیار بگڑے ہوے ہین تجھے آکر
مارڈالینگے اور ادھر سرہنگ بھی سمجھ گیا کہ یہ تجھے پہچان گیا یہ سمجھکر سامنے سے ٹل گیا اور
باہر جا کر ایک فراش کی صورت بن کر اندر آیا فراشون کے میل مین ٹھہرا جب یہ
سامنے سے چلا گیا اسوقت اخگر سے بختیارک نے کہا تمھارا خدمتگار ہے کہان اسنے
کہا ملک جی تم یہ جو تقریر کر رہے تھے وہ مین نے بھی سنی مگر مین سحر پڑھتا تھا کہ
دریافت کرون یہ کون ہے اس سبب سے نہین بولا اب مجھے سحر نے خبر دی ہے کہ وہ
خدمتگار عیار تھا جس سے تم گفتگو کر رہے تھے اور اب وہ فراش بنا کھڑا ہے یہ کہکر کچھ
سحر پڑھکر دستک دی سرہنگ غافل کھڑا تھا بحس وحرکت ہو گیا اسنے گرفتار کرا کے

[1] طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص ۹۶ تا ۹۷، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

سامنے بلوایا اور کہا تو کون ہے سرہنگ بولا کہ مین چالاک ہون اس نے کہا نہین سحر میرا خبر دیتا ہے کہ نام تیرا سرہنگ ہے غرضکہ بارگاہ مین اسکو بھجوا کر جہان اور سردار قید ہین وہین قید کرایا اس ہنگامہ مین دن سارا تمام ہو گیا یعنے سرہنگ ظلام شب نے ترک روزگار کو بھگایا اور بارگاہ مغرب مین جا کر مہر وابستہ سلسلۂ شعاع مقید ہوا۔''[1]

داستان گو اگر چہ ان پانچ عیاروں پر اپنا تخیل زیادہ صرف کرتا ہے لیکن حمزہ اور لقا کے معرکے بھی صرف حمزہ کے اسم اعظم کے بھروسے نہیں ہو سکتے اور داستان نویس کو سامعین کی دلچسپی بھی قایم رکھنی ہے تو وہ عیاری کے مختلف النوع ضمنی نمونے بھی تراشتا ہے۔ عیار جیسا کہ ابتدا میں مذکور ہے ایک لاکھ چوراسی ہزار ہیں۔ انہیں میں ابوالفتح اور سمک عیار بھی ہیں جو لقا کے لشکر میں بھیس بدل کر گھومتے ہیں اور پل پل کی خبر پہنچاتے ہیں۔

ابوالفتح: ابوالفتح بھی چالاک کے ساتھ عیاری میں شریک رہتا ہے۔ اس کی عیاری کا نمونہ دیکھئے یہ بھیس بدلنے میں ہی نہیں چرب زبانی میں بھی طاق ہے۔

''چالاک نے جو قطعہ سے نکلکر خدمت امیر میں پہنچ کر سارا ماجرا دربار لقا کا گزارش کیا پھر عرض رسا ہوا کہ یہ غلام قسم آپ کے سر اقدس کی کھا آیا ہے بہر قتل اخگر خیرہ سر جاتا ہے اگر مارا جاے تو فاتحہ خیر سے یاد فرمایئے گا اور اگر قتل اسکو کر کے پھرونگا تو زیارت سے قدم اقدس کی مشرف ہونگا امیر نے فرمایا کہ تجکو خداے کریم کی حمایت مین دیا سپرد حافظ حقیقی کیا کسی سردار غیر ساحر کو نہ قتل کرنا کہ بہادرون کو زیبا نہین ہے اور ساحر سحر کرتے ہین بدین وجہ تجکو قتل کا اختیار ہے یہ حکم پا کر چالاک اور عیارون کو بہر حفاظت لشکر تاکید کر کے ابوالفتح کو ساتھ لے کر چلا سر شام اس سبب سے کچھ روک ٹوک در قلعہ پر نہ تھی یہ شہر مین دونون آئے اور دارالامارۃ شاہی پر پہونچکر دیکھا کہ کچھ ملازم اسباب عشرت لیے ایک طرف جاتے ہین انسے اجنبی کے طور پر پوچھا کہ ارے بھائی کہان چلے اُنھون نے کہا باغ مین خداوند چاندنی مع تمام سردارون کے دیکھ رہے ہین وہین ہم بھی جاتے ہین یہ حال سنکر انھین لوگون کے ساتھ باغ تک گئے

[1] طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص ۶۳ تا ۶۴، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

وہان بہت بڑا اہتمام تھا بختیارک نے ملازمین کے نام مع ولدیت اور سکونت لکھوا کر
ساحرونکو دروازۂ باغ پر بٹھایا ہے اور کہہ دیا ہے کہ یہ ملازم جن کے نام لکھے ہین یہی
اندرآنے پائین اور کوئی نہ آنے پائے اور انکو بھی نگاہ سحر ڈال کر خوب پہچان لینا جب
آنے دینا غرضکہ ان دونون عیارون نے لاکھ لاکھ قصد کیا کہ اندر جائین ممکن نہ ہوا
اس وقت چالاک نے کہا مین قسم کھا چکا ہون اسی جلسہ مین گھسکر اس ساحر کو مارونگا یہ
کہکر الگ ایک گوشہ مین گئے اور ابوالفتح سے کہا تم ایک ضعیفہ کیصورت بنو وہ بموجب
ارشاد چالاک ایسی صورت بنا کہ کمر جھکی ہوئی موے سر سفید چہرے پر جھریان پڑین
چادر گاڑھے کی اوڑھے پائجامہ سوسی کا پہنے پانؤمین چمڑے کا جوتا پانچون مین گرہ
لگی لکڑی ہاتھ مین عصاے پیری لیے سامنے آیا چالاک نے صورت بنا اسکی پسند کی
پھر آپ ایک زن کم سن حسینہ و جمیلہ بن کر تیار ہوا کہ اگر شاہدان شنگل وشنگول
صورت زیبا ایسے نگار دلفریب کی دیکھین تو شرم سے مژگان کی چلمن درخانۂ چشم پر
اپنے چھوڑین ابروان چشم بیمثال تھے عید قربان کے ہلال تھے آنکھین خمخانۂ حسن و
جوانی مردمک چشم ہر ایک مستانی رخ تابندہ آئینہ کو حیران بنائے زلف سیہ
سودازدگان الفت کو پریشان بنائے چین جبین جو ہر آئینہ سکندر ستارے افشان کے
غیرت پروین واختر۔''[1]

سمک عیار: سمک عیار بھی چالاک بن عمرو کی سرپرستی میں عیاری کرتا پھرتا ہے۔ یہ کمال قلم ہے کہ عیار کے لیے داستان نویس نئے پیکر تراشتا ہے۔ سبھی عیار ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں یہ ان کردار کی عمومی خاصیت ہے کہ اگر کوئی عیار مصیبت میں ہوتو دوسرا فوراً اس کی معاونت کو پہنچتا ہے۔ سمک اور سرہنگ ایسے ہی ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

''چالاک نے فوراً سر کاٹ ڈالا غل وشور ہوا دار وگیر کی صدا بلند ہوئی چالاک نکل کر
بھاگا اور ہنگامہ سنکر بختیارک نے کہا اے سوفار وہ مارا بھلا ممکن ہے کہ انکو گالی دے اور
جیتا رہے سوفار بولا کہ چالاک تو قید ہے یہ کسنے مارا یہ گویا ہوا کہ وہ سرہنگ قید ہے
اسنے کہا تو اخگر کے عوض اس کو اسیوقت قتل کرا سنے یہ سنکر پکارا کوئی ہے اتفاق سے

[1] طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص ۶۵ تا ۶۶، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

عیاران اسلام تو اسی فکر مین رہتے ہین سمک باہر خدمتگار بنا کھڑا تھا بولا کہ حاضر اور
جلدی سامنے آیا اسنے کہا ہم یہان سے سحر پڑھتے ہین کہ سرہنگ پر سے سحر کی قید دفعہ
ہو جائیگی تم اسکو لا کر قتل کرو اور رقعہ داروغۂ مجلس کے نام لکھ دیا سمک لے کر گیا اور
سرہنگ کو چھڑا کر لایا جب سامنے خیمہ کے پہنچا پکار کر کہا اے سوفا رمنم سمک لیے جاتا
ہون سرہنگ کو یہ کہکر دونون بھاگے ساحر فوج کے تو عیارون سے خوفناک رہتے ہین
کوئی نہ دوڑا یہ نکل گئے ادھر چالاک بھاگ کر چلا گیا۔''[1]

یہ تو ہوا لشکر لقا کا حال، طلسم ہوشربا میں تو صرف پانچ عیار گئے ہیں جن کے سردار نظر کردہ پیغمبران عمرو عیار ہیں اور وہ نہ صرف فن عیاری میں ماہر ہیں۔ ان کے پاس بہت سے معجزات بھی ہیں لیکن پھر بھی جب کسی خطرناک ساحر کا سامنا ہوتا ہے یا کوئی عیار گرفتار ہوتا ہے تو یہ پانچوں عیار مل کر اس مصیبت سے نجات حاصل کرتے ہیں اور اپنی عیاری کے ہنر دکھاتے ہیں اور شکست کو فتح میں بدلتے ہیں۔

''عمرو صورت ساحر کی ایسی بنکر عازم ہوا کہ مین کسی بازار مین جاؤن دو قدم آگے
بڑھا تھا کہ ایک بڑھیا ظاہر ہوئی سر کالا مُنھ مین دانت نہ پیٹ مین آنت سر ہلتا تھراتی
ہوئی عصا تھانبے قریب عمرو کے آئی اور کہا کیون موے تو بدذاتی کرنے پھر آیا عمرو
نے براہ مضحکہ کہا کہ او پیر زال تو کبھی منزل بھی ہوتی ہے بڑھیا یہ سُنتے ہی لاٹھی لیکر
کانپتی ہوئی چلی عمرو بھاگا لیکن جدھر گیا اور جہانتک گیا اس بڑھیا کو دیکھا کہ سایہ
سان ساتھ ہے آخر یہ ایک جگھ ٹھہر رہا بڑھیا نے آ کر لاٹھی اُٹھائی کہ مارون بھڑوے
جو ایک سر کے چار سر ہو جائین عمرو نے کہا بڑی بی قصور معاف کیجئے بڑھیا نے کہا
خبردار جو کہین بدذاتی کی سنین اتنی لاٹھیان مارونگی کہ ہاتھ پانون ٹوٹ جائینگے یہ
کہکر بڑھیا چلی گئی اسی طرح اور بھی عیار صورتین بدلے پھر رہے تھے انھین بھی
بڑھیا ملی اور ایک ایک کو بڑھیا نے پکڑ کر سمجھایا کہ خبردار کوئی بدمعاشی نہ کرنا ورنہ سزا
پاؤ گے جب قران کو بڑھیا ملی اِسنے چاہا کہ ایک بغدا بڑھیا کے لگاؤن بڑھیا نے کہا
موئے مین سمجھائے دیتی ہون خبردار کہین دزدی نہ کرنا ورنہ یہ بغدہ وغیرہ کچھ بھی نہ

[1] طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص۷۰، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

چلے گا یہ کہکر غائب ہوگئی قران اور عیار زفیل بجا کر ایک جگھ جمع ہوے اور سب حال
بڑھیا وغیرہ کا بیان کیا برق نے کہا مجھے جو بڑھیا ملی تو اُسنے کہا جامین نے تیرے اُستاد
کو چھوڑ دیا اسی طرح سب نے حال کہا عمرو نے کہا یہ بڑھیا نہ تھی ملکہ سحر تھا یہ سُنکر قران
نے کہا اُستاد جس وقت ہمکو ایک بڑھیا نے پکڑ لیا پھر جب افراسیاب ہماری گرفتاری
کا قصد کریگا تو لمحہ بھر نہ بچ سکین گے اور میرا گرفتار ہونا میری قضا ہے آقا میرے فرما
چکے ہین کہ جس روز بازو تیرا بندھے گا اُسی دن تو مرے گا پس مجھکو کہین پوشیدہ
کیجیے اور لشکر مہرخ کا بغیر جائے میلے کے نہ رہیگا کیونکہ مہرخ و بہار وغیرہ سب چپ
سناٹے مین ہین یہ کسی طرح نہ رُکین گی جب شاہ طلسم نے سحر کیا سب چلی جائینگی عمرو
نے یہ تقریر سنکر کہا بیٹا سچ کہتے ہوا ب تم میرے ساتھ رہو آج دن بھر اور رات بھر خوب
میلے کی سیر کرو۔"[1]

شریک اسلام ساحر اور ساحرنیاں

جب اسد غازی شریک طلسم ہو کر مہ جبین پر عاشق ہوئے اور مہ جبین کی نانی اور ماموں مہرخ سحر چشم اور شکیل جادو نے اسد کی معاونت کی تو مہرخ سحر چشم چونکہ بہت طاقتور ساحرہ ہے اور اس کا طلسم میں بہت دبدبہ ہے تو کہیں زور سحر سے اور کہیں اپنے اخلاق سے بہت سے ساحروں کو مطیع اسلام کر کے لشکر اسلام میں شامل کیا کچھ ساحرنیاں کسی مسلمان سے عشق کر کے شریک اسلام ہوئیں۔ اس طرح افراسیاب کے ساحروں سے جنگ کے مدنظر اسد کو بھی سحر و ساحری سے مصلح جس لشکر کی ضرورت تھی وہ لشکر تیار ہوا ان ساحروں کی تعداد ہزاروں میں ہے کچھ نمایاں حیثیت کے مالک ہیں ان کا مختصر تعارف پیش ہے۔

ملکہ تصویر جادو: یہ وہ ساحرہ ہے جس کے باعث فتح طلسم کی ابتدا ہوئی کیونکہ جب شہزادہ بدیع الزماں قید کر کے طلسم میں لے جائے گئے اور ان کی جگہ ان کا پتلا بنا کر لشکر حمزہ کے قریب ڈالا گیا اور غزال جادو کو قتل کر کے سرحد طلسم ہوشربا میں داخل ہوئے اور آواز آئی کہ تو نے یہ غضب کیا کہ تو نے مارا غزال جادو کو

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۸۶۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

اب تو طلسم ہوشربا سے بچ کر نہیں جا سکتا اور جب ہوش آیا تو وہ شرارہ جادو کے کشتۂ سحر میں قید تھے۔ بدیع الزماں کے قید کی خبر سن کر ملکہ تصویر جادو جو افراسیاب کی بھانجی ہے اور ملکہ حیرت جادو کی بیٹی ہے وہ پسر حمزہ کی قید کا ذکر سن کر ان کو دیکھنے کے لئے شرارہ جادو کے پاس آتی ہے کہ حمزہ نے خداوند لقا کو عاجز کر رکھا ہے اور سینکڑوں ساحروں کو تہ تیغ کیا ہے چنانچہ بدیع الزماں کو تصویر جادو کے سامنے لایا گیا۔

''حسب خواہش ملکہ تصویر حکم دیا کہ قیدی کو سامنے لاؤ اور اس کا حال ملکہ کو دکھاؤ کچھ جادوگرنیاں موجب حکم کے چلیں اور باغ کے اندر بارہ دری اور عمارات عالی کئی کوس تک تعمیر ہے اسی عمارت کے ایک حجرے میں بدیع الزماں کو قید کیا ہے اور یہان بھی ساحرنیون کا پہرہ ہے ان کنیزون نے پہرہ والیون کو حکم شرارہ جادو پہونچایا اور بدیع الزمان کو بزور سحر غل و زنجیر مین گرفتار ہاتھون مین ہتھکڑیان اور پاؤنون مین بیڑیان بغلون مین خاردار لٹورانون مین جوڑے فولاد کے چڑھوے کمر کی زنجیر کو جادوگرنیان تھانبے سامنے شرارہ اور ملکہ تصویر کے لائین۔''[1]

بدیع الزماں کو دیکھکر تصویر جادو عاشق ہوئیں اس کا برا حال دیکھکر شرارہ جادو کو اس کی فکر ہوئی اور اس نے کہا کہ یہ شخص فرزند حمزہ ہے اور مجرم افراسیاب ہے اس کا چھوٹنا ناممکن ہے تم جاؤ اور اپنے باغ میں اپنا دل بہلاؤ اور ادھر عمرو عیار بھی شگوفہ جادو بن کر شرارہ کے دربار میں حاضر ہوئے لیکن بدیع الزماں کو چھڑانے میں ناکام ہوئے ان کی عیاری کھل گئی اور وہ بھی مقید ہوئے۔

ملکہ مہ جبین: اسد غازی طلسم ہوشربا میں داخل ہوتے ہی ملکہ مہ جبین پر فریفتہ ہوتے ہیں جو کہ بھانجی افراسیاب جادو ہے۔ جب اسد غازی قید ہوئے تو وہ سارے قیدیوں کا کھانا چھین کر کھا لیتے تھے اس وقت قیدیوں نے ملکہ مہ جبین کے پاس جا کر شکایت کی اس طرح ملکہ مہ جبین کو اسد کے بارے میں معلوم ہوا۔

''خواصین روتی ہوئی آئین ملکہ نے کہا خیر تو ہے کہا حضور ایک قیدی نیا آیا ہے کہ وہ نہ پھول چنتا ہے نہ گہنا بناتا ہے زبردستی دکھاتا ہے چنانچہ اسوقت اُسنے سب قیدیون کو اور ہمین مارا اور کھانا چھین لیا ملکہ نے کہا ابکی بار تم نہ جاؤ محلدار اور کہاریان قیدیون

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۹ تا ۱۰، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

کو کھانا پہونچا آئین بموجب ارشاد ملکہ محلدار عصا گنگا جمنی لیے کہاریون کے سر
پر خوان کھانے کے رکھوا کر چلین جب قریب اسد کے پہونچی کہا اوموے قیدی کیون
تیری شامتین آئی ہین قضا سر پر کھیلتی ہے کہ تو نے سرکاری آدمیون کو مار کر کھانا چھین
لیا اور دیکھو تو مواکس ڈھٹائی سے بیٹھا زہر مار کر رہا ہے جیسے اسی نے پکوایا ہو''[1]

غرض کہ سحر و ساحری اور جنگ کی طرح جذبۂ عشق کی کارفرمائی قصۂ طلسم ہوشربا کی روح رواں ہے۔ طلسم ہوشربا کی شروعات عشق سے ہوتی ہے یعنی اگر بدیع الزماں تصویر جادو پر اور اسد مہ جبین پر فریفتہ نہ ہوتے، گرفتار نہ کیے جاتے تو قصے میں اب کیا ہوگا کا تجسس نہ پیدا ہوتا یعنی اگر چہ مہ جبین اور تصویر جادو عموماً مقید ہی ہیں لیکن ان کی وجہ سے ہی سارا کارزار جنگ ہے یعنی عشق کے بغیر یہ آٹھ دفاتر وجود میں نہ آتے۔ اسد اور مہ جبین کے عشق کی وجہ سے ساحروں کی پوری ایک فوج اسد کی حمایت میں جمع ہوئی۔ اس حسینہ کے اسد سے ملاقات کا موقع بھی عجیب ہے۔ اس نے اپنی کنیزوں کو قیدی کو سبق سکھانے کے لئے بھیجا وہاں سے شور شرابے کی آواز آئی چنانچہ مہ جبین وہاں دیکھنے آئی اور اسد کو دیکھ کر اپنا آپا کھو بیٹھی۔ اس طرح داستان کے ارتقا میں عشق ایک مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ ملکہ مہ جبین اور اسد کے عشق کی شروعات ہوئی اور اسد کی منظور نظر ہونے کے باعث انہیں ملکہ کی حیثیت حاصل ہوئی اور لشکر اسلام میں بلند مقام ملا۔

''آمد ملکہ مہ جبین کی شروع ہوئی بارہ ہزار نازنینان زرین پوش گلدستے ہاتھون مین
لئے ہوئے آکر ٹھہرین عطر فتنہ ملے ہوے جوڑے زرق برق زیب جسم نسرین و
نسترن و غنچہ دہن و شمشاد و صنوبر وراحت روح و گلشن زعفران پوش و زعفران گیسو دراز
بارہ ہزار کنیزان شاہی اس سج دہج سے آکر قائم ہوئین باغ روان آکر تھم گیا
مہ جبینان زرین پوش کا پرا جمگیا اس کے بعد چوبدارینان کہاریان اُگالدان
خاصدان چوگھڑے چنگیر عطردان پاندان ہاتھون مین لئے ہوے آپس مین چہلین
کرتی ہوئین آکر ٹھہرین سب نے دیکھا تخت شاہنشاہی بصد شوکت نمایان ہوا تخت
طاؤسی پر ملکہ مہ جبین یاقوتی زیب سر دریاے جواہر مین غوطہ مارے ہوے چہرہ رشک

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۶۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

ماہتابان جلالت وشوکت رعب ودبدبہ چہرے سے عیان سب سے پہلے بڑھکر خواجہ
نے سلام کیا ملکہ مہ جبین نے خوش ہو کر تعظیم کی عیارون کا سلام لے کر طرف
شاہزادیون کے متوجہ ہوئین۔''[1]

ملکہ مہرخ سحر چشم: مہرخ جادو، مہ جبین جادو منظور نظر شہزادہ اسد کی نانی ہیں۔افراسیاب کو جب مہ جبین جادو کے اسد غازی کو لے کر بھاگنے کی خبر ملی تو افراسیاب کے پاس ایک سیب ہے جس میں وہ مستقبل کا حال معلوم کر لیتا اور مجرم کو بھی تلاش کر لیتا ہے کیونکہ ملکہ مہ جبین اسی کی طلسم میں داخل ہوئی تھی لکھا کہ مہ جبین اسد کو لے کر بھاگ گئی ہے۔مہرخ جادو سحر میں لاثانی ہے۔اس نے ایک خط مہرخ جادو کے نام لکھا کہ تمہاری نواسی ہمراہ اسد بھاگی ہے اسے میں نے طلسم کا بادشاہ بنایا تھا اور وہ ہمارے مجرم کا ساتھ دے رہی ہے اور اسد طلسم کشا ہے اس لئے اسے جلد پکڑ کر حاضر کرو۔مہ جبین کی نانی ملکہ مہرخ نے بزور سحر یہ معلوم کرلیا کہ اسد غازی طلسم شکن ہے چنانچہ انہوں نے بھی اسد غازی کی اطاعت قبول کر لی اور بعد میں ملکہ مہرخ کی سپہ سالاری میں لشکر افراسیاب سے جنگ کرنے اور طلسم شکنی کے لیے تیار ہوا۔ جب تصویر جادو اور مہرخ کے بغاوت کی خبر دربار افراسیاب میں پہونچی تو ہی طلسم شکنی کی جنگ اور بدیع الزماں کی آزادی کی جنگ شروع ہوئی جس میں بعد میں اسد غازی بھی شامل ہوئے۔

''الغرض جب افراسیاب نے اسکام سے فرصت پائی بادل ملول باغ سیب مین آکر
فرمان واجب الاذعان بنام شاہان ممالک طلسم اس مضمون کے لکھکر روانہ کیے کہ
دلارام جادو و مہ جبین نبیرہ حمزہ اسد کولیکر بھاگی ہین انکو جہان پانا حضور مین گرفتار کر
کے لانا اور منجملہ اُن فرمانون کے ایک حکم نامہ بنام ملکہ مہرخ جادو لکھا مہرخ جادو و مہ
جبین الماس پوش کی نانی ہے کاہنہ بے بدل ہے ساحری اور منجمی مین بھی لاثانی ہے
افراسیاب کی رشتہ دار ہے ذی لیاقت و ہوشیار ہے۔۔۔۔۔اُسنے یہ خیال کیا کہ اگر
مین مہ جبین کو مثل تصویر جادو کے گرفتار کرونگا مہرخ سحر چشم کہ نانی اسکی ہے برا مانیگی
ایسا نہو فتور کرے اور طلسم کشا سے ملجائے بدین لحاظ پہلے نامہ اِسی کو تحریر کیا کہ اے ملکہ
مہرخ نواسی تمھاری ہمراہ اسد کے بھاگی ہے باوجود اسکے کہ مین نے اسے بادشاہ

[1] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۸۷۶، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

طلسم بنایا مرتبہ بٹھایا لیکن اُسنے کچھ میرا خیال نہ کیا ننگ و ناموس سے ہاتھ دھویا چاہیے کہ بجر دد یکھنے نامے کے مہ جبین کوتلاش کر کے حاضر کروتا کہ تمھاری خاطر سے ملکہ کوچشم نمائی کر کے چھوڑ دون اور طلسم کشا کوقتل کرون اگر تمکواس حکم کی تعمیل مین کچھ عذر ہوگا ملک و مال ضبط کر کے قتل کی جاؤ گی سرکار کی باغی کہلاؤ گی۔''[1]

بعد میں مہ جبین کی تلاش میں اس نے ساحروں کو لگایا اور ملکہ مہرخ شامل اسلام ہوئی اور لشکر اسلام کی سپہ سالار بنی۔ اس نے اپنی طاقت سے اسد غازی کی طاقت کا حال جان لیا اور اس کے ساتھ شریک ہونے میں ہی بھلائی سمجھی لیکن اس کی یہ جرأت افراسیاب کے لیے قابل قبول نہ تھی۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج مہرخ کو سبق سکھانے کے لیے بھیجی۔

''گمان نے نہیب دی کہ اے نمکحراماں مین ایک ایک کو کہان تک زیروزبر کرون گا ہوشیار ہو جاؤ کہ تم سب کو ایک ہی مرتبہ آوارۂ دشت ادبار کرتا ہون یہ کہکر ایسا سحر پڑھا کہ آندھی آئی اور جھونکے ہوا کے لشکر مہرخ پر پڑے لشکریون پر حالت دیوانگی طاری ہوئی رسالے اور پلٹنین نعرہ ہاے ہو لگاتے صحرا کی طرف چلے اور ساحران نامی نے سحر پڑھکر اپنے گرد حصار کیے کہ گنبد پتھر کے ان کے گرد بن گئے ہوا ان گنبدون مین نہ جاسکی اور انھین نہ دیوانہ بنا سکی ملکہ بہار نے سحر پڑھکر دستک دی کہ پریزاد پنکھیا پھولون کی ہاتھ مین لیے فلک کی طرف سے آئی اور ملکہ کو جھلنے لگی اُس کی ہوا کے سامنے ہوائے سحر نے بہار پر تاثیر نہ کی اور ملکہ مہرخ نے ایسا سحر پڑھا کہ کچھ پتلیان ایک چتر زرین لیے زمین سے نکلین اور ملکہ کے سر پر گردش دینے لگین اس کے سبب سے یہ بھی دیوانہ پن سے محفوظ رہی باقیماندہ ساحران نامی گنبد ہاے سحر مین مخفی تھے پس ملکہ بہار سامنے مہرخ کے آئی اور عرض کیا کہ مجھکو اجازت ہو کہ اس حرامزادے کو سزا دون یا اپنی جان آپ پر سے نثار کرون۔''[2]

ملکہ بہار جادو: ملکہ بہار اسد غازی کے ساتھ شرکت کرنے والی دوسری بیحد طاقتور ساحرہ ہے یہ ملکہ حیرت جادو کی بہن ہے اور افراسیاب جادو کی منظور نظر ہے۔ اس کو افراسیاب نے لشکر مہرخ سے لڑنے کے لیے

[1] طلسم ہوشربا، جلد اوّل از محمد حسین جاہ، ص ٦٩، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ١٩٨٨ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص ٣٠١، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ١٩٨٨ء

بھیجا لیکن بعد میں یہ شریک لشکر اسلام ہوئی۔اس کا جادواس کے حسن میں پوشیدہ ہے وہ لشکر غنیم پر پھولوں کا گلدستہ مارتی ہے یہ پھول جہاں جہاں بھی برستے ہیں گل کے برستے ہی فوج ملکہ بہار کی دیوانی ہو جاتی اور ملکہ بہار کے حکم پر اپنے خنجر سے خود ہی اپنے کا ختم کر لیتی ہے یہ جادو بہت خطرناک ہے اور ایک ہی جھٹکے میں فوج کو ختم کر دینے والا ہے جب ملکہ مہرخ کو ملکہ بہار کے آنے کا پتا چلتا ہے وہ اپنے فوج کو اس ہوشیار کر دیتی ہے کہ اس کا جادو چلنے نہ پائے۔ بعد میں ملکہ بہار بھی ملکہ مہرخ کا ساتھ دیتی ہے اور شریک لشکر اسلام ہو کر اپنے جادو کا استعمال لشکر افراسیاب کے خلاف کرتی ہے اس کے جادو سے بچ پانا بہت مشکل ہے۔

''اے ملکہ مین تمھاری مشتاق ہون یہ سنتے ہی بہار طاؤس سے کودی خرامان خرامان مثل نسیم سحری قریب تخت مہ جبین آئی مثل شاخ گل برائے تسلیم خم ہوئی دست بستہ عرض کی باغبان قضاوقدر گلشن جمال مین کبھی خزان نہ لائے لونڈی رخصت ہوتی ہے ملکہ مہ جبین نے تخت رکھوا دیا بہار کا سب پاس کرتے ہین حیرت جادو کی ہمشیرہ سالی افراسیاب کی صاحب حسب ونسب عاشق بادشاہ اسلام بڑی شگفتگی یہ ہے کہ بہار نام ملکہ مہ جبین نے فرمایا چمن آرائے عالم کے تمکو سپرد کیا ملکہ بہار طرف میدان کارزار کے چلی جس تخت پر گلدستے تھے اُس تخت کو کنیزون نے بڑھایا بہار نے چند گلدستے اُٹھائے مشرق ومغرب وجنوب وشمال کی طرف پھینکے ہوائے سرد چلی نخل وجد مین آئے طائرون نے زمزمہ سرائی کی افراسیاب نے دیکھا باغ بے در بنکر تیار ہوا نہر ہائے آب روان باغ ساختہ بہار ہر نخل سرسبز وشاداب تمام عالم کے پھول پیدا نخل جھوم رہے ہین ہر شاخ مثل کہکشان پھول مثل ثابت سیارگان نرگس شہلا کی دیدہ بازی سوسن کی زبان درازی سرو وصنوبر کا اکڑنا قمریون کا عشق سرو مین کوکو کرنا سنبل نے زلف عنبرین کو پیچ وتاب دیا گل نسرین ونسترن پر جوبن گل صد برگ کی رعنائی چمنستان کی زیبائی عروسان چمن کا بناؤ جوانان گلشن کے نکھار اس باغ مین جوش بہار یاقوت سخندان بھی وجد کرنے لگی سمن برفرستادۂ ملکہ یاقوت سخندان باہر اُس باغ کے کھڑی ہے سحر رنگین بہار کو ملاحظہ کر رہی ہے ہوائے سرد جو چلی یہ بھی ہنس رہی ہے

یکا یک ملکہ بہار گلعذار نے اُس چمن لالہ زار کی جانب بہ نگاہ محبت دیکھا پھولون نے
آنکھین کھولدین غنچے مسکرائے ایک نگاہ مہر بہار سے جوانان چمن وجد مین آئے۔''[۱]

سرخمو کاکل کشا: سرخمو کاکل کشا ملکہ مہرخ کے بعد اگلی ساحرہ ہے جو داخل لشکر اسلام ہوئیں تو مہرخ کی سپہ سالاری میں افراسیاب کی فوج سے جنگ میں اپنی طلسمی طاقت کا استعمال کیا۔ سرخمو کاکل کشا جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کا سارا جادو اس کی زلفوں میں پوشیدہ ہے۔ وہ اپنی زلفیں کھول دیتی ہے تو کنکڑ برستے ہیں اور دشمن کی فوج پر گر کر اسے ہلاک کر دیتے ہیں۔

''ایک طرف سے سرخمو نے کاکل کھولی جنبش دی ستارے ٹوٹ کر گرنے لگے اور جسم
ساحرون مین آگ لگی غرضکہ ایک ہنگامہ اور شور رستخیز برپا ہوا اسی ہنگامے مین عمرو
نے اول تو باغ جمشید مین جو کچھ مال وغیرہ اور لباس وزیور شاہان طلسم کا پایا اُتار کر
نذر زنبیل کیے اور عیارون کو حکم دیا کہ بارگاہون پر چڑھکر کلس اُتارو عیار لوٹنے لگے
فوج ساحران نے بجلیان گرا کر بارگاہون اور خیمون کو جلا کر گرا دیا عیارون نے کلس
اُتار لئے۔''[۲]

مخمور سرخ چشم: مخمور سرخ چشم اپنی آنکھوں سے سحر برپا کرتی ہے۔ اس کا حسن اور اس کی خوبصورتی اور اس کی نشیلی آنکھیں اس کے سحر کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یہ بھی افراسیاب کی خطرناک ساحرہ ہے لیکن شریک لشکر مہرخ ہو کر لشکر افراسیاب سے جنگ کرتی ہے۔ بیحد بہادر ہے، اس کی بہادری کے آگے بڑا ساحر بھی گھٹنے ٹیک کر خوشامد پر آمادہ ہوتا ہے۔

''عمرو سارا اسباب لوٹکر چاہتا تھا کہ یہان سے نکلکر اپنی راہ لے کہ ناگاہ ایک ساحر
کریہہ منظر و سیہ فام بدشکل و نافرجام اڑتا ہوا آیا اور للکارا کہ اے وزدتو نے سارا
مکان طلسم لوٹ لیا مگر میرے ہاتھ سے بچکر جانا دشوار ہے سزاے بدکرداری مین جان
الیم مین گرفتار ہے یہ کہکر سحر پڑھتا ہوا آگے بڑھا مخمور نے اسکو جب آمادۂ فساد پایا
عمرو کو پیچھے کیا اور سینہ سپر کر کے اُسکے مقابل ہوئی اُسنے ایک ناریل سحر پڑھکر مارا

---

[۱] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۷۶۹، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء
[۲] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۸۸۲، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

اسنے انگشت سے اشارہ کیا کہ وہ ناریل دوٹکڑے ہوکر زمین پر گرا وار اسکا خالی گیا
اور یہ نیمچہ کھینچکر حملہ آور ہوئی باہم چوٹ چلنے لگی اس جادوگر نے جب اپنے تئین
مغلوب پایا دلمین یہ خیال کیا کہ یہ وہ شہزادی ہے جسپر شہنشاہ ساحران فریفتہ ہے اور
سرخدار طلسم ہے اگر کچھ دیر اور لڑیگی تو تجکو قتل کر ڈالیگی لازم ہے کہ بمکاری اسکو
گرفتار کرنا اور اپنی جان بچانا ورنہ مفت مارا جائیگا یہ سوچکر لڑتے لڑتے تلوار پھینک کر
قدم پر آ گرا اور بمنت تمام دانت نکالکر گویا ہوا کہ اے ملکہ دوران یہ جانتا تھا کہ آپ
مخمور سرخ چشم ہین بلکہ وزد سمجھکر مرتکب اس بے ادبی کا ہوا تھا اور ایذارسانی پر کمر
باندھے تھا اب ظاہر ہوا کہ حضور مصاحب خاص شہنشاہ ہین ہماری مالک مال و جان
ہین بس امیدوار ہون کہ اپنے کرم سے میری خطا معاف فرمایئے اور یہان سے
کفشخانہ قریب ہے وہان تشریف لیچلیے ماحضر نوش کیجیے مین بھی اطاعت کرونگا اور
ملازمان جناب مین منسلک ہوکر ہمچشمونمین آبرو پاؤنگا۔''[1]

معمار قدرت جادو: طلسم ہوشربا کا بے حد طاقتور ساحر ہے مطیع اسلام ہوا یہ طاقت میں کوکب روشنضمیر سے ٹکر لیتا ہے اور ملکہ مہرخ سحر چشم کے لشکر کی حفاظت کرتا ہے اسے یہ فکر ہے کہ حیرت جادو اور افراسیاب جادو تو گنبد نور اور طلسم نور افشاں میں روپوش ہو جاتے ہیں لیکن لشکر مہرخ مصیبت میں کہاں جائیں چنانچہ ایک مضبوط قلعہ کی جس کی حفاظت کے لیے سحر کے پتلے بنائے ہیں تعمیر کرتا ہے۔

''اس عرصہ میں معمار قدرت جادو ملکہ مہرخ کے پاس آیا اور دنگل پر بیٹھا اور کئی روز
تک سکونت پذیر رہا آخر ایک دن معمار قدرت نے ملکہ مہرخ سے پوچھا کہ آپسے
معرکۂ جدال وقتال افراسیاب جادو ایسے زبردست سے درپیش ہے مگر تعجب ہے اگر
خدانخواستہ کچھ پیچ پڑ جائے اور نکل جانے اور خلال دینے کا موقع نہو تو کوئی جا ایسی
یہان نہیں مل سکتی جہان دس بیس روز بدلجمعی تمام رہین اور فوج افراسیاب جادو اور
حیرت جادو کی جو بھاگے تو گنبد نور مین چھپے پس تم سب کو بھی چاہیئے اسیوقت معمار
قدرت نے ایک قلعہ فلک فرسا فولاد کا بزور سحر نہایت مستحکم بنایا اور فیل بند دروازے
پر بارہ ہزار پتلے سوا سوا بالشت کے روئین تن سحر کے بنا کے کھڑے کر دیے اور ایک

[1] طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص ۱۳ تا ۱۴، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

طاؤس زمرد کا اس قلعہ کے مینار پر بٹھا دیا اور دروازے پر دو شیر سونے کے چپ و راست بٹھلائے اور اسی صورت جو کہ وہان دروازے تھے کسی پر بارہ ہزار پریزاد اندر کا اکھاڑا جمع طبلے سارنگیان طنبورے کرنال کی جوڑیان کسی پر بارہ ہزار دیو بچے دار شمشاد آسیا سنگ پارہ پشت نہنگ وغیرہ لیے کسی پر بارہ ہزار فقط سر جادوگرون کے منھ مین بجلیون کی تلوارین لئے کسی پر بارہ ہزار نوجوان عجیب الخلقت سر حیوانون کے دھڑ انسانون کے یا سر ہاتھی کے یا ریچھ کے بندر لنگور گھڑیال سوس عقاب کے اور جسم ہاتھ پاؤن آدمیون کے کسی پر بارہ ہزار نٹ کھڑے ہوے کسی پر بارہ ہزار اژدر قلاب آتش فشان چھوڑتے کسی پر بارہ ہزار فیل دمان کسی پر ایک ابر آسمین ہزار بجلیان رنگ برنگ کی کڑکتی اور چمکتی ہوئین اور جسطرح سے فیل بند دروازے پر چپ و راست دو شیر سونے کے بٹھا دیے تھے اسیطرح گیارھوین دروازے پر بھی چپ و راست کہین دو گھڑیال بجانے والے کہین دو ڈمرو بجانے والے کہین دو ناقوس پھونکنے والے کہین دو گھنٹے لئے ہوے دو جھانجین بجاتے کہین دو پتلے پچکاریون مین رنگ بھرے کہین دو پہلوان کشتی لڑتے۔۔۔۔۔۔۔''[1]

نافرمان جادو: ملکہ نافرمان افراسیاب کی ایک طاقتور ساحرہ ہے لیکن ملکہ مہرخ کے لشکر میں شریک ہو جاتی ہے اور ساری مہمات میں سینہ سپر ہو کر سب سے آگے رہتی ہے۔ اسد اور مہرخ کی حفاظت کے لیے اپنی جان قربان کرنے کو تیار رہتی ہے یہاں تک کہ ملکہ تاریک شکل کش جیسی ہیبت ناک اور خطرناک ساحرہ سے مقابلہ کرنے میں بھی پیچھے نہیں رہتی جب طلسم فتح ہوتا ہے تو سب مطیع اسلام ساحروں کے ساتھ اس مردہ جسم کو بھی زندہ کیا جاتا ہے اس لیے کہ یہ بے حد نڈر ہے ماری جاتی ہے اس کی بہادری کے کلمات ملاحظہ ہوں:

''سب سے پہلے ملکہ نافرمان عالیشان کہ ہمیشہ سینہ سپر کرتی ہے جان دینے پر مرتی ہے طاؤس سے اپنے کود کر سامنے ملکہ مہرخ کے آئی مہرخ نے تخت رکھوا دیا گلے لگا لیا کہا اے نافرمان جسدن سے تم شریک ہوئین کبھی نافرمانی نہین کی ہم سے تمھارا فراق نہ اٹھے گا جی چاہتا ہے سب سے پہلے ہم جائین تم سب نے ہم کو افسر بنایا اس

[1] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۶۸۸، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

مرتبہ اعلیٰ کو پہنچایا نافرمان نے عرض کی جو روز اول سے قاعدہ مقرر ہو گیا اُس کے خلاف نہواس راہ مین مرنا عین زندگی ہے پس اجازت عنایت ہوایسی کنیزین بہت نثار ہونگی آپ کس کس کے واسطے بیقرار ہونگے حضور کو یاد ہے کہ مشعل کے مقابلہ مین بھی یہ لونڈی پہلے گئی تھی قاعدے کو ہاتھ سے نہین جانے دیتی جان کو عزیز نہین کرتی کیا ہمین امید تھی کہ آپ لوگونسے ملین گے ملکہ مہرخ نے کہا اے نافرمان وہ اور صورت تھی یہ اور کیفیت ہے یہ ملعونہ آدم خوار پہلونشین سامری دیکھو خود نہ میدان مین آئی ایسا ہمکو حقیر جانا اپنے غلام کو میدان مین بھیجا نافرمان نے کہا حضور کی بھی تو کنیزین جاتی ہین افسر لشکر ملکہ بہار و باغبان ومخمور وغیرہ ہین ہمتو جان نثار خدمت گزار دعا گو لشکر اسلام کی ہین اسوقت بہار و باغبان ومخمور وغیرہ نافرمان سے لپٹ لپٹ کر خوب روئے ملکہ بہار گلعذار کہ سب سے زیادہ بیقرار تھی کہا اے نافرمان چند ساعت کا پیش و پس ہے اب کسکو زندگی کی ہوس ہے قلب پر ہجوم غم و ملال ہین۔"[1]

برق محشر و رعد جادو: یہ ماں بیٹے ہیں اور بے حد خطرناک ساحر ہیں۔ طلسم میں سات بجلیاں ہیں جن میں سے کچھ بجلیاں مطیع لشکر اسلام ہوئیں برق محشر میں انہیں میں ایک ہے۔ یہ فوج غنیم پر بجلی بن کر گرتی ہے اور فوج کو تحس نحس کر دیتی ہے ساحران مخالف کو سحر کا موقع بھی نہیں دیتی اس کا بیٹا رعد جادو بھی کڑک کڑک کر لشکر مخالف پر گرتا ہے ان کے سحر سے سب خوفزدہ رہتے ہیں۔

"ملکہ مہرخ نے طرف رعد و برق کے اشارہ کیا برق تڑپ کر ابر پر گری چمک چمک کر ابر کے ٹکڑے اُڑائے پانی برسنا دم بھر مین موقوف ہو گیا رعد نے قریب دریا کے جا کر ایک چیخ ایسی ماری کہ خوف سے دریا کا کلیجہ پھٹ گیا ایک ہی آواز مین دریا سمٹ کر پیچھے ہٹ گیا کل گرداب چشم پُر آب بنگئے حباب نہ تھے آنکھون پر اُس قلزم زخار کے ورم آ گیا تھا مچھلیون کا کلیجہ تھرا رہا تھا۔۔۔۔۔۔ ایک طرف رعد و برق نے لشکر کو تباہ کیا تھا یعنی رعد نے کانون پر ہاتھ رکھکر آواز لگائی منم رعد جادو و برق جادو مادر رعد آسمان پر چمک رہی تھی بیٹے کی آواز سنی فوراً تڑ پکر گری کئی سو کو کاٹ کر پھر بلند ہوئی۔"[2]

[1] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۲۲۷، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصہ اول از احمد حسین قمر، ص ۱۷ تا ۱۸، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

ملکہ برّ اں دختر شاہ کوکب روشن ضمیر مالک طلسم نور افشاں: طلسم ہوشربا کی سرحد سے ملا ہوا طلسم نور افشاں ہے یہاں کا بادشاہ کوکب روشنضمیر اور ساحر نور افشاں جادو کی عملداری ہے جو کہ ملازم افراسیاب جادو ہے لیکن کوکب روشنضمیر نے ریاضت سے اپنی جادوئی صلاحیت افراسیاب سے کہیں زیادہ بڑھا لی ہے۔ افراسیاب کے لئے اسے زیر کرنا ممکن نہیں اور اسی کے پاس حجرۂ ہفت بلاؤں کے سارے راز ہیں چنانچہ کیونکہ طلسم شکنی کے لئے حجرۂ ہفت بلا کی بلاؤں کا خاتمہ ضروری ہے تو کوکب روشنضمیر کو بھی شریک مہرخ ہونا لازمی ہے۔ اب اتنی بڑی طاقت کو آسانی سے زیر نہیں کیا جا سکتا تو یہاں بھی عشق اسلحہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور فسانۂ عجائب کی ملکہ مہر نگار کی طرح ملکہ برّ اں دختر کوکب روشنضمیر عشق میں مبتلا ہو کر شراکت لشکر مہرخ ہوتی ہے اور کیونکہ کوکب روشنضمیر بیٹی سے والہانہ محبت کرتے ہیں تو ہزار مدافعت کے بعد برّ اں اپنا بھی ساتھ دینے کے لئے منا لیتی ہے اور کوکب روشنضمیر کو افراسیاب پر فتح حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح بلاؤں کے خاتمے کے بعد طلسم شکنی ہوتی ہے جس میں ملکہ برّ اں کی بہادری خاص اہمیت کی حامل ہے۔

> ''جیسے ہی ملکہ مہرخ نے ملکہ بران شمشیر زن کو آتے دیکھا آواز دی اے نور نظر پارۂ جگر کوکب نامور برائے خدا طرف میدان کارزار کے نہ جاؤ ہم تک آؤ ملکہ بران نے یہ جواب دیا حضور کلام مصیبت انجام سننے کی قلب میں طاقت نہیں ہے بس سب حال سن چکی اب مجھ سے صبر نہو سکے گا یہ کہکر ملکہ بران طرف مشعل کے چلین لشکر افراسیاب مین ہلڑ ہوا بران آ پہنچی افراسیاب دیکھکر شاد ہوا کہا کہ ملکہ حیرت اب طلسم نور افشان پر آفت آئی بران واسطے مقابلے کے آ گئی اس کا لاشہ مین خود ساتھ جا کر آگ مین پھکواؤنگا یہ کہکر افراسیاب آمادہ ہوا ایک جادوگرنی کو اپنے پاس کھڑا کر لیا اور یہ کہا کہ اے ساحرہ لاشہ بران کا تو اٹھانا ما بدولت کیون ہاتھ لگائین مگر ملکہ بران شمشیر زن طاؤس سے کود ین سامنے مشعل جادو کے پہونچین للکارا او بے حیا بڑی بدعتین کر چکا اب تیری قضا آئی یہ کہکر طرف مشعل کے چلین مشعل نے کہا گولہ مارا بران نے رد کیا مروارید جوڑے سے نکالکر کھینچ مارا سینہ پر مشعل کے پڑا لیکن یہ بھی ملحوظ رہے جب ملکہ بران مقابلہ مشعل مین پہونچی مہرخ نے آواز دی اے بران اگر

ہمارا کہنا نہین مانتی خبردار اس ملعون سے آنکھ چار نہ کرنا وہی بران نے کیا منھ پھیر کر اختر مروارید مار دیا سینۂ پر کینۂ مشعل پر پڑا توڑ کر سینہ پر کینہ کو پار گزرا ملکہ بران شمشیر زن نے جھوم کر اپنا اختر لیا مثل برق آسمان پر چمکین نعرہ کیا وہ مارا ملکہ بران شمشیر زن تو بلندی پر جا کر اپنے کو آراستہ کرنے لگی کہ کوئی اعضائے جسمی نہ کھل جاے خدانخواستہ نامحرم کی نگاہ پڑے۔''[1]

''غرض بران آگے بڑھی اور سحر کیا تو آسمان سے دو لاکھ تارے خود بخود لشکر حیرت پر گرے اُسکے بھی دو تین لاکھ ساحر واصل جہنم ہوئے پھر تو دونون مین لڑائی سحر کی ہونے لگی یہ دونون لڑ رہی تھین کہ افراسیاب بھی آکر پہونچا اور برابر اُسکے عشاق جادو اُستاد بھی اُس کا آکر داخل ہوا افراسیاب نے اُسکو دیکھکر سلام کیا اور باتین کرنے لگا بران نے جو دیکھا کہ افراسیاب اور عشاق آ گیا تو اُسوقت ایک مچھلی کی صورت بن کے اوپر پل پر یزادان کے جو گری تو اُسکو توڑ ڈالا اور ملکہ خوبصورت کو قید سے رہا کر کے اپنے تخت پر لے آئی اسمین پل جو اندر دریا کے ٹوٹ کر گرا تو پانی کو دریاے خون روان کے تلاطم برپا ہوا اور بران گنبد سامرؔی سے ایک حوض یاقوت کا لائی ہے پس مچھلی کا بدن اُسنے بدلا اور اُس حوض کے اندر گری اور مع اُس حوض کے بلند ہوئی اب وہ حوض چکر کھاتا ہوا قریب دریاے خون روان کے پہونچا اور اُس حوض مین سے بران کہ مچھلی بنی ہوئی ہے تڑپکر پل کے اوپر گری پس پل کے اوپر گر کر دریا مین ڈوبی وہان جو دیکھا تو نہنگ جادو اور صدف جادو اور سرطان وسنگ پشت جادو وغیرہ سے وہ مقام تمام مملو ہے اور باغات وعمارات اُس مقام پر ہین کہ جس مین وہ ساحر رہتے ہین پس وہ ساحر سب اُٹھکر اُس سے لڑنے لگے اور ہزارہا مچھلیان اِسکے جسم مین لپٹ گئین اور آواز رعد آسا مہیب پیدا ہوئی لیکن وہ پل کہ دھوین کا تھا اور سحر کا بنا تھا باطل ہو گیا اور دریائے خون روان خشک ہو گیا خاک اڑنے لگی اور بران کے جسم مین مچھلیان ایسی لپٹین کہ یہ بیہوش ہو گئی۔''[2]

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۱۲۷ تا ۱۲۸، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۸۸۱، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

کوکب روشنضمیر: طلسم ہوشربا کی سرحد سے ملا ہوا طلسم نورافشاں ہے وہ بھی افراسیاب جادو کی عمل داری میں ہے۔ وہاں کا بادشاہ کوکب روشنضمیر ہے جس کے سحر میں بہت طاقت ہے وہ زمین کا سینہ چیر کر باہر بھی نکل سکتا ہے۔ افراسیاب اندر ہی اندر اس کی طاقت سے خوف کھاتا ہے کیونکہ حجرۂ ہفت بلا کی بلائیں اس کے ملک کی سرحد میں قید ہیں۔ لہٰذا اس کی ناراضگی افراسیاب کے حق میں سم قاتل ہے وہ شریک لشکر اسلام تو نہیں ہوا لیکن اس کی بیٹی ملکہ براں جادو جو کہ باپ کی بہت لاڈلی ہے وہ شہزادہ ایرج کے عشق میں گرفتار ہو کر کوکب سے اسے رہا کروالیتی ہے یعنی جو بھی بڑی ساحرہ لشکر اسلام ہوئی وہ کسی نہ کسی شہزادے کے عشق میں گرفتار ہو کر خواہ بدیع الزماں یا اسد یا نورالدہر یا ایرج لیکن عشق کی کارفرمائی ہر جگہ ہے۔ یہاں بھی براں ضد کر کے اپنے باپ کو لشکر مہرخ کی مدد پر آمادہ کر لیتی ہے اور بعد میں کوکب اور براں دونوں شریک لشکر اسلام ہوتے ہیں۔ کوکب کی طاقت کا ایک منظر پیش ہے۔

> ''کوکب تلوار کھینچے ہوے نعرہ کرتا ہوا آتا ہے مثل برق تڑپ کر زمین پر گرا ایک گولہ مارا افرسیاب کی چھاتی پر پڑا افراسیاب اس سحر کو دفع کرنے لگا کوکب نے پلٹ کر اشارہ کیا سب پر سے سحر اُتارا آواز دی جلد نکل جاؤ مین اس بیجیا سے سمجھ لونگا بران سے آنکھ ملائی کہا اے نور نظر لڑائی مین اُڑنا کیسا لڑے بھڑے چلدیے ایسے خوک صحرائی کے سامنے کھڑے ہو کر سحر کرنا سراسر حماقت ہے جاؤ طرف قصر جمشیدی کے میرا خیال نہ کرنا فوراً ملکہ بران و بہار و باغبان وغیرہ اُٹھ اُٹھکے بھاگے افراسیاب نے چاہا ان سبھون کو روکے کوکب سینہ سپر کر کے سامنے آیا کہا او نامرد ازلی وابدی اُدھر کہان جاتا ہے مردان عالم سے آنکھ چار کر ہمپر وار کر نرم چارہ ڈھونڈھتا ہے افراسیاب طرف کوکب کے پلٹا کوکب نے دور ہی سے دو تین گولے مارے افراسیاب پر چادر گلنار گری گنبد خونی مین چھپا کوکب سوچا اب ٹھہرنے سے کیا فائدہ اب یہ سحر دفع کر کے نکلے گا فساد برپا کریگا قتل ہونا اسکا ناممکن بس اس سے مقابلہ کیا ضرور ہے عقل سے یہ بات دور ہے یہ سوچکر دونون پانوٴن زمین مین مارے غرق زمین ہو کر غائب ہوا۔''[1]

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصّہ دوم از احمد حسین قمر ص ۲۰۸، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

برہمن روئین تن نورافشان صف شکن: یہ دونوں ساکنان طلسم نورافشاں ہیں زبردست ساحر ہیں۔ یہ کوکب روشنضمیر کے ساتھی ہیں۔نورافشاں طلسم نورافشاں کو بنانے والا ساحر ہے سب سے بعد میں کوکب روشنضمیر مالک شاہ طلسم نورافشاں کی کوشش سے شریک اسلام ہوا ملکہ تاریک شکل کش حجرۂ ہفت بلا کی دوسری بلا تک انہیں کی کوشش سے رسائی ہوئی۔کوکب کو جب بھی ضرورت ہوتی ہے وہ برہمن روئیں تن اورنورافشان صف شکن کو بلالیتا ہےاور یہ ساحران بلاخیز دشمنوں کی فتح کوشکست میں بدل دیتے ہیں۔ اسدانہیں کی وجہ سے طلسم شکنی میں کامیاب ہوااورآخری بلاآفات چہاردست کے ہلاک ہونے کے بعد لشکرمہرخ کے تمام ہلاک شدہ ساحروساحرہ کے مردہ جسم میں ان لوگوں نے بڑی مشقت کے بعد جان ڈالی۔دوسرے حجرے کی بلا ملکہ تاریک شکل کش کے حجرہ میں داخل ہونے کا منظر کچھ اس طرح ہے۔

''نورافشان نے بجبر پلایا جیسے ہی دونون نے شراب پی سامنے چھپرکھٹ آراستہ تھا کہا استاد ہم ذرا آرام کرین نورافشان نے کہا تمھارا گھر ہے دونون چھپرکھٹ پر جا کے لیٹے بعد لمحہ نورافشان نے اس قصر مین قفل لگایا دوسرے قصر سے کوکب ۔ برہمن نکلے نورافشان نے دونون کو تخت پر سوار کیا کہا جلد دربار افراسیاب مین جاؤ ہم بھی آئینگے دونون تخت اڑاتے ہوے چلے یہان دربار تاریک شکل کش مین خواجہ عمرو اک گوشے مین کھڑے دیکھ رہے ہین تاریک نقش جمشیدی کو ہاتھ سے دبائے ہوے کہہ رہی ہے برہمن وکوکب آے عمرو حیران ہے کہ کیا برہمن وکوکب یہان چلے آئینگے وہ دونون ایسے جوان ہین اس سوچ مین کھڑا تھا کہ لشکر افراسیاب مین ہلڑ ہوا ہرکارون نے بڑھکر افراسیاب سے کہا برہمن وکوکب تخت پر سوار آتے ہین لیکن بہت بدحواس ہین عمرو کے ہوش اڑ گئے گھبرا کے باہر آیا دیکھا حقیقت مین برہمن وکوکب دربارگاہ پر آپہونچی عمرو نے چاہا بصورت مبدل ان سے ملاقات کرون کچھ بات کرون پوچھون کہ تم کیون آئے تاریک ایسی ملعونہ موجود جب لشکرکشی کرتی سمجھا جاتا کوئی اس طرح دشمن کے گھر مین آتا ہے جبتک عمرو بڑھے وہ دونون پردہ اٹھا کر اندر بارگاہ کے داخل ہوے دیکھا تاریک بیٹھی شراب پی رہی ہے دونون نے تاریک کوسلام کیا کوکب نے کہا اے تاریک شکل کش اگر تم نے ہم کو غفلت مین بلایا کیا

کمال کیا ہاتھ کے نیچے نقش جمشیدی کیون دبایا ہے اسکو ہٹا کر ہمسے کلام کرو اگر حقیقت
مین خطا ہو سزا دو حال تو سنو افراسیاب نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہم سے کیا معاملہ
سرزد ہوا لیکن اس طرح ہم کلام کا جواب نہ دین گے نقش جمشیدی آگ مین جلا دو تب
ہم سے کلام کرو یہ سنکے تاریک نے غصے مین آ کے نقش جمشیدی ہاتھ مین لیکر منقل
آتش مین ڈال دیا نقش جلا دھوان بلند ہوا تاریک نے کہا آؤ بیٹھو کل کیفیت بغاوت و
عدم بغاوت سامنے ہمارے ظاہر کرو ہم تمھین افراسیاب سے ملوا دین گے یہ سنکر کوکب
نے ہنسکر کہا او تاریک تیری کیا مجال ہے کہ کوکب روشن ضمیر اور برہمن روئین تن کو
اپنے دربار مین بلائے کوکب بادشاہ عالیجاہ اور برہمن فلک شرافت کا ماہ کوکب جری
بہادر برہمن بحر لیاقت کا بے بہادُران پر تیرا شعبدہ چل سکتا ہے منم غلامان نور
افشان جادوان دونون شیرون کو استاد نے روک لیا تیرا منھ سیاہ کرنے کو ہم ایسے حقیہ
غلامون کو بھیجدیا اب جب اس نے سر اٹھا کر دیکھا کوکب و برہمن نہین دو غلامان
زنگی کھڑے ہوے تاریک سے باتین کررہے ہین تاریک جھلائی قصد کیا تخت سے
اٹھون دونون غلامان زنگی خیر خواہان یک رنگی ہنسکر پیچھے ہٹے دونون نے زمین پر
پانون مارے غرق زمین ہو گئے یہ شعبدہ دیکھکر تاریک بہت جھلائی اور کیفیت دیکھو
نور افشان نے میرے ساتھ شعبدہ کیا میرا نقش مٹوایا اتنا بڑا سحر خاک مین ملا دیا دیکھو تو
کیا آفت برپا کرتی ہون۔''[1]

مجلس جادو: مجلس لشکر مہرخ کی ایک اہم ساحرہ ہے۔ یہ شاہ کوکب کی بھتیجی ہے نہایت ہی حسین وجمیل ہے عمر میں کمسن ہے، بچوں جیسی حرکت کرتی ہے اس لئے کوئی اسے جنگ پر جانے کی اجازت نہیں دیتا لیکن کبھی کبھی ضد سے اور کبھی چپکے سے لشکر مہرخ کی مدد کو پہنچتی ہے اور کارہائے نمایاں انجام دیتی ہے مصیبت میں پھنستی ہے تو براں مدد کرتی ہے۔ داستان نویس نے اس کردار کو بہت خوبصورتی سے تراشا ہے۔

''عمرو نے ایک دختر نیک اختر کو دیکھا کہ پانچ سو کنیزان مہ جمال اور انیسان مہر
تمثال کے بیچ مین جیسے جواہر معدن مین یا نور کے ہالے مین قمر ہوتا ہے قریب آئی
کوئی پانچ برس کا سن رکھتی ہوگی مگر حسن مین متاع خوبی وگوہر گنجینۂ حسن ومحبوبی تھی

[1] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۱۸۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

گھتیلا جوتا پہنے گلے مین کرتا آب روان کا پائجامہ کے پائچے چھوڑے رومال ناک
پونچھنے کا کرتے کے بند سے بندھا بالون کی مینڈھیان گندھین ناک مین بلاق پڑا
آنکھون مین کاجل گہرا گہرا لگا گالون تک بہا ہوا ایک موتی کی نتھنی پہنے امی جان امی
جان پکارتی ہوئی جب قریب برّان آئی اُس نے گود مین اٹھا لیا اور کہا میری جان تم
نے خواجہ سلامت کو تسلیم نہ کی یہ سنکر وہ اٹھی اور ننھے ننھے ہاتھون سے جھک کر تسلیم کی
پھر پلٹ کر بران کی گود مین بیٹھی۔۔۔۔۔۔ بران نے کہا خواجہ آپ واقف نہین ہین
یہ بھتیجی شاہ کوکب کی ہے ملکہ مجلس جادو اس کو کہتے ہین یہ ساحرہ بے عدیل و بے نظیر ہے
اور ہمیشہ پانچ برس کی لڑکی بنی رہتی ہے اور سحر بھی لڑکیون کے کھیل کا کرتی یعنی گڑیان
کھیلتی ہے منھ چڑھاتی ہے مگر جو یہ کرتی ہے وہ ہی حریف بھی کرتا ہے مجکو مان کہتی ہے
اس وقت اس نے کھلائی کا منھ چڑھایا اگر مین دفع سحر نہ کرتی تو وہ ہمیشہ چڑھانا نہ
موقوف کرتی اس لیے مین نے اس کو روکا کہ شاید آپ سے یہ کوئی گستاخی نہ کرے۔''[1]

ملکہ ماہ طلعت جادو: طلسم ہوشربا کی غضب کی ساحرہ ہے جو رہائش خیمۂ ملکہ مہرخ سحر چشم ہے لیکن عمرو عیار کی نے کی آواز سن کر اسے اپنے دربار میں بلاتی ہے اور وہ غزل لکھوا کر مانگتی ہے جو عمرو نے کی دُھن پر گا رہا ہے لیکن عمرو وہاں نہیں جاتا اور پھر ماہ طلعت جادو خود ہی عمرو کے پاس آتی ہے اور اپنے ساتھ چلنے کو کہتی ہے عمرو تیار تو ہو گیا مگر کنیز کی پیٹھ پر سوار ہو کر جانے کو بعد میں عمرو نے ماہ طلعت کو مطیع اسلام کر کے لشکر مہرخ سحر چشم میں شامل ہوا جہاں وہ غضنفر کی منظور نظر ہوئی۔

''اے ملکہ ماہ طلعت جادو تمھین چاہئیے ہے کہ مطیع اسلام ہو اور چلکر مہرخ سحر چشم کی
شراکت کرو ورنہ مین تم کو قتل کر کے چلا جاؤن گا مین گویا نہین ہون عمرو ہون ملکہ ماہ
طلعت نے اپنے دل مین کہا کہ یہ شخص سچا ہے مجکو لازم ہے کہ اسکی شریک ہو جاؤن
پس اشارہ کیا کہ سوزن میری زبان سے نکال لو عمرو نے سوزن کو نکال لیا ملکہ نے عمرو
کی بہت خاطر کی اور کچھ دیر ٹھہر کے مال و اسباب اپنا بار کروا کے ہمراہ عمرو بن امیہ
ضمیری مع کنیزان زرین کمر کے لشکر مہرخ مین گئی مہرخ نے اسکی تعظیم کی اور بارگاہ
رہنے کو دی۔''[2]

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص ۲۷۸ تا ۲۷۹، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء
[2] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۶۸۵، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

افراسیاب جادواور حیرت جادو

افراسیاب جادو: طلسم ہوشربا میں افراسیاب بادشاہ ہے جس کا کردار فردوسی کے شاہنامہ سے مستعار ہے۔ افراسیاب کے پاس ایک عقلمند وزیر تھا جس کا نام پیران واعظ تھا۔ طلسم ہوشربا میں اس کے مشورے کے لئے اس کی بیگم ملکہ حیرت جادو ہے جس کا ایک ایک قدم عقلمندی سے بھرا ہوا ہوتا ہے اوراسی مشورے سے افراسیاب کوئی بھی فیصلہ کرتا ہے۔ افراسیاب ایرانیوں کا دشمن تھا اوران لوگ کے خلاف جنگ پشنگ میں اس نے اپنے عقلمند بھائی آغریوں کو مار ڈالا تھا۔ اس لئے اس کو بعد میں ایران کے بادشاہ کیخسر و نے مار ڈالا تھا۔ فردوسی نے شاہنامہ میں شاہ ایران افراسیاب کا ذکر کیا ہے جو کہ بے حد ظالم بادشاہ ہے۔ اپنی عوام پر ظلم کرتا ہے اورافراسیاب علامت ہے بدی کی اسی لئے داستان امیر حمزہ میں افراسیاب شروع سے آخر تک دشمنان حمزہ میں شامل رہا اوراپنے مخالفین کا سامنا خود نہ کر کے دوسرے ساحران سے کرواتا ہے اور کبھی خود جنگ میں شریک ہوتا ہے تو بے حال ہو جاتا ہے اوراس کی بیگم ملکہ حیرت اس کو بچا کر حفاظت سے لے جاتی ہے۔ اس کے پاس ایک سیب ہے جس میں وہ اپنے دشمن کی فوج کا حال اوراپنے لشکر کی خیریت معلوم کر لیتا ہے وہ باغ سیب میں رہتا ہے جہاں اس کی حفاظت میں سینکڑوں ساحر مقرر ہیں۔ ساحروں کے علاوہ پانچ عیار بچیاں بھی ہیں جوان پانچ عیاروں کا سامنا کرنے کے لئے مقرر ہیں جو اسد غازی کے ساتھ داخل طلسم ہوشربا ہیں۔ عیاروں کے سامنے عیار بچیوں کی کردار سازی بہت کمزور ہے۔ افراسیاب کی حیثیت طلسم ہوشربا میں اسد غازی کے مد مقابل مرکزی کردار کی ہے لیکن اس کی کارگزاریاں کچھ بھی نمایاں نہیں ہیں میدان جنگ میں دوسرے ساحران نبرد آزما ہوتے ہیں اور فیصلے کرنے میں اس کی بیگم ملکہ حیرت جادو ہے چنانچہ افراسیاب کی تخلیق بہت کمزور ہے۔ اس کی بزدلی اور اس کا خوف ایک کمزور لیڈر کی نشاندہی کرتا ہے شاید داستان نویس کا مقصد حمزہ کی طاقت اور جلال کو ثابت کرنے کے لئے ارادتاً افراسیاب کے کردار کو کمزور بنایا ہے جس سے کبھی بھی کوئی قابل ستائش عمل سامنے نہیں آتا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ افراسیاب کے بارے میں پیشن گوئی ہے کہ یہ گرفتار ہوا تو مارا جائے گا اسی لئے ملکہ حیرت ہر جگہ خود آگے رہتی ہے اور دوسرے ساحران بھی اسے دشمن کے نرغے سے

نکالنے میں مدد کرتے ہیں۔ایک مثال ملاحظہ ہو:

''اب حال پُر ملال افراسیاب خانہ خراب بیان ہوتا ہے کہ جب صنعت بد بخت قتل ہوئی حیرت جادو پر وہ مصیبت افراسیاب پر وہ آفت فوج تباہ لشکر برباد سردار ناشاد محافظان افراسیاب اسکو لیکر باغ سیب مین آ ے مصاحبین وزیرزادیان دوڑین دیکھا ملکہ ماہیان زمرد پوش آج عجب خرابی مین لے کرا افراسیاب کو آئی ہے تاج سر ندارد لباس پارہ پارہ حلقہ ہائے کمند گلے مین پیوست یہ کیفیت یہ حالت مصیبت دیکھکر اک شور گریہ وزاری بلند ہوا سب نے ہاتھون ہاتھ افراسیاب جادو کو لیا ملکہ ماہیان زمرد پوش افراسیاب کی نانی لرزان وترسان حیران وپریشان گود مین افراسیاب کو لیکر بیٹھی کمندین گلے سے کاٹین افراسیاب کو ہوشیار کیا آنکھین کھلتے ہی یہ خفتہ بخت غصے مین اٹھا گویا فتنۂ خوابیدہ بیدار ہوا کہا ابھی سب کو جا کر مار ڈالون گا ایک کو جیتا نہ چھوڑون گا ہائے میری زینت پہلو ساحرۂ خوشخو سردارون مین ممتاز ملکہ صنعت سحر ساز کس ذلّت ورسوائی سے قتل ہوئین تب تو ملکہ ماہیان زمرد پوش سمجھانے لگی یکا یک پنجہ لیے ہوے ملکہ حیرت جادو کو آیا افراسیاب نے ہاتھون ہاتھ پنجے سے لیا حیرت جادو پیٹنے لگی کہا اے شاہنشاہ مین زندہ نہ رہون گی اپنی جان دونگی مجھکو مسلمانون نے بہت ذلیل کیا آپ نے دیکھا کس قیامت کی لڑائی پڑی صنعت ایسی عقیل وفہیم دام عیاری عمرو مین پھنسی دولھا بنکر آیا مہتر قران نے بغدہ مارا نہین معلوم میری خیر خواہ کا کسی نے لاشہ بھی اٹھایا یا مردہ بھی کمبخت کا پامال ہوا۔''[1]

طلسم ہوشربا کی پہلی جلد سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ افراسیاب غاصب ہے وہ طلسم ہوشربا کا وزیر تھا اُس نے دھوکے سے بادشاہ کو گرفتار کیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔افراسیاب کے وہ سارے احباب بھی سامنے آنے لگتے ہیں جنہوں نے افراسیاب کا ساتھ دیا تھا مگر کوئی بھی افراسیاب سے خوش نہیں، حالانکہ اس غداری کے عوض افراسیاب نے ملکوں کی حکمرانی دی تھی، افراسیاب کو جھوٹ بولنے میں عار نہیں افراسیاب سے جب مشعل جادو نے پوچھا تم لاچین ہو تو افراسیاب نے کہا، شہنشاہ لاچین کا انتقال

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۶۴ تا ۶۵، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

ہوگیا میں اس کا وزیر افراسیاب اب بادشاہ طلسم ہوشربا ہوں، خود لاچین افراسیاب کی غداری اور احسان فراموشی اس طرح بیان کرتا ہے۔

''بہت اچھی بات ہے کہ ہم زوال دولت افراسیاب نہ دیکھین شب کو مین نے اوراق سامری ملاحظہ کئے صاف اس مین تحریر تھا کہ بدیع الزمان کیساتھ لاچین بھی چھوٹیگا اپنے دشمنونکو ڈھونڈھ کر ماریگا تو سن حصار کی بربادی وقتل فیروزہ پوش و بربادی وخان سیاہ رو وقتل زمہریر و بربادی کوہ نیلم مجھ سے نہ دیکھی جائیگی مین نے ان سب کو خون جگر پلا کر پرورش کیا افراسیاب نمک حرام کا ساتھ دیا جدہ وہ زمانہ مجھے یاد ہے کہ جب افراسیاب نے اس طلسم پر قبضہ کیا اور شہنشاہ لاچین بھاگ کر قلعہ قلم کوہ مین چھپا افراسیاب لشکر کشی کر کے چڑھ گیا آب ودانہ لاچین پر بند کر دیا۔۔۔۔افراسیاب کو سوائے اسد کے کوئی نہین قتل کر سکتا صاف قواعد مین لکھا ہے کہ طلسم کشا کے گلے مین لوح طلسمی ہو ہاتھ مین مہرۂ طلسمی قبضے مین تیغۂ نورافشانی تب افراسیاب قتل ہو اس زمانہ مین کوئی افراسیاب کو قتل نہین کر سکتا صاف لکھا ہے کہ اسد نامدار اُسکا قاتل ہے ستارۂ شناسان طلسم کے قول سے جو انکار کرے وہ جاہل ہے۔۔۔۔وہ دن یاد ہے جس دن لاچین کو پکڑا تھا اور اس نے بیقرار ہو کر کہا تھا او افراسیاب مین نے تجھ کو گھر بار کا مالک کیا تو نے مجھ کو قید کر لیا اس کا انجام بد ہوگا بلا مین پھنسے گا اے ساکنان طلسم ہوشربا منم محیط جادو مین وہ شخص ہون کہ مین نے کامل نمک حرامی کی شہنشاہ لاچین کو گرفتار کرایا افراسیاب کا جاہ وجلال بڑھایا اسی سال مین افراسیاب قتل ہو جائیگا ہاتھ سے اسد نامدار کے مہلت نہ پائیگا لاشہ بھی اُسکا کوئی نہ اٹھائیگا کاسۂ سر ہزارون ٹھوکرین کھائیگا انجام تک نمک حرامی بد ہے اسوقت مجھ کو اسکی جان بچانے کی کد ہے جو طلسم کشا کا ساتھ دیگا آرام وچین پائیگا ورنہ ذلیل ورسوا ہو کر مارا جائیگا دنیا مقام انقلاب کبھی روز روشن کبھی کالی رات کا سامنا بعد عیش مصیبت ہے بعد مصیبت راحت اب ضرور شہنشاہ لاچین رہائی پائے گا یہ سال سامری پرستون پر خیر سے نہ گزرے گا مین تو آمادہ سفر عدم ہون۔''[1]

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۸۹۸تا ۹۰۰، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

افراسیاب کے پاس ایک کتاب سامری ہے جس سے وہ اپنے دشمن کا حال جان لیتا ہے اور بدلہ لینے کے لیے فوج بھیجتا ہے۔

''ذرا احوال افراسیاب سنیے کہ باغ سیب مین منتظر بیٹھا تھا کہ سرعمرو کا شرارہ جادو کے پاس سے آتا ہوگا کہ یکا یک بگولے لاش کو شرارہ کی چکر دیتے ہوئے باغ سیب مین لائے اور بیرون نے اسکے صدا دی کہ اے شہنشاہ ساحران شرارہ ماری گئی افراسیاب یہ سنتے ہی غضبناک ہوا اور کتاب سامری کو اُٹھا کر دیکھا کہ شرارہ کا قاتل اب کہان ہو اور بدیع الزمان جو قید مین شرارہ کے تھا چھوٹ کر کدھر گیا اُس کتاب مین معلوم ہوا کہ عمرو نے شرارہ کو مارا اور بدیع الزمان اور عمرو دونون باغ مین تصویر کے پہونچے اور بدیع الزمان نے محافظ جادو کو مارا اب مع تصویر کے اپنے لشکر مین جاتا ہے۔''[1]

ملکہ حیرت جادو: ملکہ حیرت جادو افراسیاب کی بیوی ہے۔ افراسیاب بادشاہ ہے لیکن حکومت اسی کی چلتی ہے اور بغیر حیرت کے مشورے کے کہیں کوئی مہیم نہیں سر کی جاتی اور جب کہیں کسی بھی مصیبت میں افراسیاب پھنستا ہے تو حیرت جادو اسے چھڑا کر لے جاتی ہے اور اسے باغ سیب میں لے جا کر چھپا دیتی ہے۔

''جب حیرت بہر مقابلہ مہرخ عازم سفر ہوئی ساحران طلسم مثل گلنار جادو و طولان بن شہاب جادو اور شہاب اژدر گیر جادو و قتیل جادو و شگوفہ جادو و قیماس جادو و مہجور جادو وغیرہ ستر لاکھ ساحر ہمراہ رکاب کمر باندھ کر چلنے پر طیار ہوئے افراسیاب نے اپنے دو وزیرون ابریق کوہ شگاف اور سرمایہ برف انداز کو ساتھ کر دیا زمرد جادو اور یاقوت جادو وزیرزادیان چنور بال ہما کا سر پر جھلنے لگین اور ملکہ حیرت سوار ہوئی تخت اس کا ایک ابر کے اندر غائب ہوگیا اور ہزارون نقارے طلسمی بجنے لگے اور مثل بنگلے کے معلوم دیتا تھا اور وہ بنگلہ مینا نگار تھا ہزارہا کرسیان یاقوت نگار اُس مین بچھی تھین بیچ مین تخت جواہر آگین آراستہ تھا اور مثل شعلۂ جوالہ کے جسم حیرت کا اس تخت پر سنورا اور روشن دکھائی دیتا تھا آگے بنگلے کے ناقوس اور گھنٹے ازخود بجتے تھے صدا سامری کے جے بولنے کی ازخود بلند تھی اور جب حیرت اشارہ کرتی طولان بن شہاب ایک

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۲۶، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

ترنج فلک کی طرف اچھالتا تھا اور وہ ترنج شق ہوتا تھا اور ہزارون توپین چھوٹنے
کی سدا آتی تھین اور لاکھون ستارے ٹوٹ کر گرتے اور سر پر حیرت کے نثار
ہوتے تھے۔''[1]

حیرت کی طلسم میں حیثیت نہ صرف ایک حاکم کی ہے کہ افراسیاب بادشاہ ہے لیکن حکم حیرت جادو کا چلتا ہے۔اس میں حکمت عملی زیادہ ہے۔حیرت کا کردار عورت کی طاقت اور خودمختاری کا بھی اعلان ہے۔جادو میں بھی حیرت لاجواب ہے وہ سخت ریاضت کر کے اپنے دشمن کو شکست دیتی ہے۔حیرت کی پوجا کا ایک منظر پیش ہے جو وہ چاہ زمرد میں کر رہی ہے تاکہ عمرو کے فتنوں سے پناہ ملے اور اس کو قتل کر سکے۔

''شہنشاہ افراسیاب بجاہ وحشم میلے مین آیا اور حال آمد خداوندی ملکہ لالان خون قبا
سُنکر کشتیان زرد و جواہر کی بہر نذر لیکر سامنے ملکہ کے گیا تسلیم کی نذر دی عذر عدیم
الفرصتی کیا ملازمون کو تاکید کی کہ خبردار ملکہ عالم کو کوئی تکلیف نہو سب حاضر خدمت
رہین جملہ سامان راحت موجود ہے پھر وہان سے رخصت ہو کر صحراے باغ جمشید
مین گیا یہان آسنی بچھائے ملکہ حیرت پوجا جمشید کا کر رہی تھی ایک پانون سے کھڑی
سحر پڑھ رہی تھی اور افراسیاب نے پاندان طلائی منگا کر گلوری اپنے ہاتھ سے لگا کر
ملکہ کے مُنھ مین دی اور حیرت کو ایسا جوش سحر کا تھا کہ تھر تھر مثل برگ بید کے کانپنے لگی
اور گلوری کھا کر سر ہلایا کہ افراسیاب نے اشارہ کیا کہ سب ساحر ہمراہی وہان سے
ہٹ گئے حیرت نے ایک اُف کی شعلہ مُنھ سے سبز رنگ نکلا باہر آ کر سُرخ ہو گیا ملکہ
نے دونون ہاتھ مُنھ پر رکھ لیے ایک چادر آتش کی پیدا ہوئی اور سر سے پا تک ملکہ کے
لپٹ گئی افراسیاب نے کہا اے ملکہ مرحبا کیا کہنا تمھین تو پیاری بندی جمشید کی ہو
حیرت بولی کہ اب کنیز رخصت ہوتی ہے جا کر چاہ زمرد کے اندر پوجا کریگی۔''[2]

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۱۹۸، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء
[2] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۸۶۲، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

خداوند لقا اور شیطان بختیارک

زمرد شاہ باختری لقا: لقا کا کردار داستان میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ کوہ عقیق ملک باختر کا بادشاہ ہے اور خدائی کا دعویٰ کرتا ہے اس کے پاس کوئی سحر یا جادو نہیں ہے۔ اس کی داڑھی کے ہر ہر بال میں موتی پروئے ہوئے ہیں اور جب بھی عمر و عیار کا اس سے سامنا ہوتا ہے عمر و عیار عیاری کر کے اس کی داڑھی مونڈ کر سارے موتی لوٹ لیتے ہیں۔ بہادر نہ ہوتے ہوئے بھی اس کی خدائی کا دعویٰ دور دور تک پھیلا ہوا ہے اور تمام ساحر اس کے مطیع ہیں۔ اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

''ساحر ایرج کو کشان کشان وہان لائے لقا سامنے آ کر تخت پر بیٹھا اور شہزادہ کو روبرو طلب کر کے سوال کیا کہ اے بندۂ قدرت مجکو سجدہ کر شہزادہ نے فرمایا مین تجھ پر اور تیرے پرستارون پر کرور کرور لعنت کرتا ہون اور بجیا تو ذوالامان پر جب قید ہوا تھا امیر سے سفارش کر کے مین نے تجھ کو بچایا تھا اور تو مسلمان ہو کر میرے ساتھ سے بھاگ گیا اب یہان یہ خدائی بگھارتا ہے کیا کہون سحر مین گرفتار ہون نہین تو بتلا دیتا لقا کوان باتون سے غصہ آیا اور حکم دیا کہ لے جاؤ اس بندہ بے ادب کو اور قتل کرو جلاد شہزادے کو زیر دار لائے لیکن عیار جو بہر خبر آئے تھے وہ یہ سب کیفیت دریافت کر کے خدمت امیر مین آئے۔''[1]

لقا بادشاہوں کی طرح تخت پر بیٹھ کر میدان جنگ میں آتا اور کبھی کبھی خود بھی تلوار کھینچ کر میدان میں کود جاتا جس پر وہ ناراض ہوتا اسے سنگ سیاہ کرنے کی دھمکی دیتا اسے کسی کا غرور پسند نہیں۔ جب لشکر اسلام کے کسی عیار کے ہاتھ سے زخمی یا گرفتار ہوتا تو شور مچاتا۔ داستان امیر حمزہ کا سارا قصہ اس لقا کے ساتھ جنگ کا نتیجہ ہے لیکن جب داستان گو کسی طلسم شکنی پر آمادہ ہوتا ہے تو خداوند لقا باہر لشکر حمزہ سے جنگ کرتے رہتے ہیں ہر بار شکست ہوتی ہے اور بھاگ کر چھپ جاتے ہیں یا کسی ساحر سے مدد مانگتے ہیں ایسے میں حمزہ کے خلاف بادشاہ طلسم افراسیاب جادو سے مدد لینے کی خاطر اس نے طلسم کی سرحد کے باہر خیمہ ڈالا ہے۔ چنانچہ امیر حمزہ بھی وہاں ہمراہ لشکر خیمہ زن ہوئے اور بدیع الزماں کی گرفتاری کے بعد طلسم

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص ۱۹۱، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

کشائی ہوئی۔ چنانچہ لقا کا کردار کمزور ہونے کے باوجود بہت اہم کردار ہے کیونکہ طلسمی قصّہ کی شروعات بغیر لقا کے ممکن نہ ہوتی۔ لقا کے کردار کی جس میں وہ غضب دکھانے کی دھمکی دیتا ہے ایک مثال ملاحظہ ہو۔

''اے بندگانِ من قدرت گرفتار ہوئے جاتے ہیں اگر ہو گئے سب کو سنگ سیاہ کر دیں گے۔''[1]

شیطان بختیارک: جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ شیطان کی حیثیت سے لقا کی خدمت میں مامور ہے اور ہمہ وقت لقا کو حمزہ سے جنگ کرنے پر آمادہ کرتا رہتا ہے لیکن بے پناہ بزدل ہے۔ عیارون کے ہاتھوں گرفتار ہونے پر خوشامد کرنا شروع کر دیتا ہے یہ انگریزی کے مزاحیہ کردار (Comic Character) کے طور پر لوگوں کو ہنسانے کا کام کرتا ہے۔

''بختیارک یہ کیفیت دیکھکر پکارا کہ مرشدزادے آپ نے خوب کیا جواس ولدالزنا کو سزا دی یہ اسی لائق تھا چالاک نے جست کر کے ایک لات اسکے بھی ماری اور بختیارک لات کھا کر گویا ہوا کہ مین ان لاتون کے تصدق یہ کہاں میرے نصیب تھے لات اعلیٰ نے مدد کی جو مین نے یہ لات کھائی مرشدزادے دو ایک تو اور لگایئے اور اس قرم ساق اخگر کو گالی دینے کی بھی اچھی طرح سزا نہین ہوئی ذرا دو چار جوتیان لگاتے تو اچھا تھا یہ تو باتین بناتا تھا کہ سوفار واخگر وغیرہ اُٹھکر چالاک کی طرف جھپٹے اور چاہا کہ سحر سے اسکو گرفتار کرین اور عیار جو خدمتگار بنے کھڑے تھے انھون نے حباب بیہوشی تاک تاک کر ناک پر مارے کہ ساحر بیہوش ہوے اسوقت چالاک نے جست کی اور بھاگ کر چلا لیکن کہتا گیا کہ قسم ہے سرامیر کی آج سے کل تک اس اخگر کو مارڈالونگا بختیارک نے کہا یہ مارڈالنے ہی کے قابل ہے لیکن میری کچھ خطا نہین ذرا مجھپر کرم رکھیے گا غرضکہ یہ تو بکتا رہا اور عیار جست کر کے نکلے دروازے پر حاجب وغیرہ جو ہمشہ سے عیارون کا لوہا مانے ہوے ہین اسوقت بھی خوف جان سے طرح دے گئے۔''[2]

---

[1] طلسم ہوشربا جلد پنجم از احمد حسین قمر ص ۱۸۶، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص ۶۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

عیار بچیاں

عیاروں سے مقابلہ کرنے کے لئے پانچ عیار بچیاں صرصر شمشیر زن، صبا رفتار، شمیمہ نقب زن، تیز نگاہ خنجر زن، غزالہ کمندانداز ہیں۔ اس لئے کبھی عمرو کے ساتھ، کبھی برق کے ساتھ، کبھی قران کے ساتھ اور کبھی آپس میں مل کر ساحرون سے مقابلہ کرتی ہیں اور سحر سے رہائی حاصل کروانے میں معاون و مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ یہ عیار بچیاں عیاروں کے مقابل بہت کمزور ہیں لیکن داستان نویس نے انہیں عشق کی کرشمہ سازیوں کے لئے تراشا ہے۔ داخل طلسم ہوئے پانچ عیاروں میں ہر ایک کی منظور نظر ایک عیار بچی ہے۔ عمرو کی منظور نظر صرصر شمشیر زن ہے یہ لوگ لشکر حیرت میں کسی کی گرفتاری پر بس صرف اسے کسی طرح آزاد کرا کے پشتارہ باندھ کے لے جاتی ہیں کبھی کبھی کسی عیار کی موجودگی کی نشاندہی کرتی ہیں۔ داستان کے آخری حصے میں یہ شریک عمرو ہو جاتی ہیں انہیں طلسم کے سب راز معلوم ہیں۔

صرصر شمشیر زن کی عیاری کی مثال ملاحظہ ہو:

> ''حیرت نے کہا اے صرصر مین تجھکو حکم دیتی ہون اگر افراسیاب نہ مانیگا مین اسکے گھر سے نکل جاؤنگی تو جا کر بہار کو بلا لا میری جانب سے کہنا تمہاری بہن نے خطا معاف کی شہنشاہ تم سے رضامند ہین ارے کمبخت تیرے واسطے ہم بہت دردمند ہین شاید بدبخت چلی آئے اسوقت بات سُن لے صرصر نے کہا مجھے یقین نہین آتا لیکن بموجب آپکے حکم کے جاتی ہون اسوقت مین سمجھاتی ہون ادھر تو صرصر مثل بادصرصر چلی وہان اہل اسلام کو ایک خارستان مین صبح ہوئی پراگندہ خاطر حیران و پریشان مضطرب و بیقرار انتہا کا انتشار اس جنگل مین سب ٹھہر گئے۔''[1]

صبا رفتار کی عیاری کی مثال ملاحظہ ہو:

> ''یاقوت نے صبا رفتار کو اشارہ کیا چشمے سے پانی لیکر پہلے میرا منھ دھلا دے کہ سحر مجھکو یاد آئے یا اسکا سر کاٹ لے کہ سحر اوترے مین سحر کامل مین اسکے مبتلا ہون صبا رفتار نے نیچہ کھینچا جھپٹی کہ شعلہ حسن کو قتل کرون قضائے کار حباب کی بیہوشی تھی مثل حباب لب دریائے ناپائدار تھی ہوا جو چلی کہ نکل چلون یہ سوچکر سحر کیا بلند ہوئی جان بچا کر نکل گئی

[1] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۸۸۵، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

طرف لشکر اسلام کے چلی یہان صبا رفتار نے دیکھا یاقوت اوسی طرح بیکار سحر مین
شعلہ حسن کے گرفتار اچھی طرح سحر نہین کر سکتی اوٹھنے سے مجبور صبا رفتار نے پوچھا
آپ کہان چلی تھین یاقوت نے اشارہ کیا مین لشکر مواج مین جاتی ہون۔''[1]

طلسم کے دیگر ساحران

سلیمان عنبرین موی کوہی: طلسم ہوشربا کے آغاز میں سلیمان عنبرین موی کوہی کے کردار کی خاص اہمیت ہے۔ پہلی جلد میں ہی اس کا تعارف ابتدائی صفحات میں ہے جب ایرج نامہ میں حمزہ زمردشاہ لقا باختری کو شکست دیتے ہیں اور وہ جان بچانے کے لیے بھاگتا ہے تو طلسم ہوشربا کی سرحد کوہ عقیق سلیمانی پر پناہ گزیں ہوتا ہے۔ یہاں کا مالک سلیمان عنبرین موی کوہی ہے وہ حمزہ کے نام سے ڈرتا ہے چنانچہ وہ افراسیاب کو خط لکھ کر مدد کی درخواست کرتا ہے۔ افراسیاب اس کی مدد کے لیے طلسم کے طاقتور ساحران کو بھیجتا ہے اور بعد میں بدیع الزماں طلسم میں داخل ہوتے ہیں۔ اس طرح دو جنگوں کی شروعات ہوتی ہے۔ لقا اگر چہ شکست خوردہ ہے مگر ساحران اس کی قدردانی میں کمی نہیں کرتے اور سلیمان عنبرین موی کوہی بھی اسے پوری تمکنت کے ساتھ تخت شاہی پر بٹھاتا ہے۔

''بصلاح وزیر زشت شیر زمردشاہ سمت کوہ عقیق روانہ ہوا اور بعد قطع منازل و طے
مراحل جب قریب اُس ملک کے پہونچا ہر کارون نے خبر آمد زمردشاہ کوہ عقیق کے
بادشاہ سلیمان عنبرین موی کوہی کو دی وہ کشتیان زرد جواہر کی نذر کے لیے تیار کر کے
مع ارکان سلطنت شہر کے باہر آیا اور شہر کو واسطے آراستگی کے حکم دیا تمام شہر آئینہ بند ہوا
الحاصل استقبال کر کے لقا کو داخل شہر کیا اور دارالعمارۃ شاہی مین پہونچایا یہان امراو
وزرا و اراکین سلطنت اور مشیران بہت حاضر تھے اُنکا مجرا اور سلام ہوا مقام صدر مین
تخت شاہی بچھا تھا اُسمین جواہر اعلیٰ اور بیش قیمت جڑا تھا اُسپر لقا آکر جلوہ فرما ہوا
ارباب نشاط ساقیان سیمین ساق مطربان خوش آواز و بامذاق حاضر تھے۔''[2]

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۹۴۱، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء
[2] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

باغبان قدرت

یہ وزیر افراسیاب ہے بے حد طاقتور ہے۔ اس کا سامنا جب بھی لشکر مہرخ سے ہوتا ہے اسے مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس نے لشکر مہرخ کے تمام سرداروں کو قید کرلیا اور سرشار جادو جو کہ مارا گیا تھا اس کو جادو سے طاؤس بنا کر عمرو کی تلاش میں بھیج رہا کیونکہ اس نے سرشار کو مارا تھا وہ طاؤس عمرو کو اٹھا کر باغبان کے پاس لائے اور شمشاد جادو کی حفاظت میں عمرو کو دیا لیکن برق فرنگی جو کہ ہمیشہ عمرو عیار کے لئے فکر مند رہتا ہے عیاری کر کے اسے چھڑا لیتا ہے۔

''باغبان قدرت اپنے وزیر کو حکم دیا کہ تو جا کر ملکہ شمشاد اور ملکہ شمسہ تاجدار دونون کو پکڑ لانا اور دریافت کرتے آنا کہ وہ قیدی کیا ہوا باغبان وہان سے تخت پر سوار ہو کر روانہ ہوا اور باعظم وشان تمام شمشاد کے پاس یہ آیا شمشاد اس کو وہان نہ ملی یہ وہان سے شمس کوہ پر آیا ملکہ شمسہ تاجدار نے اسکا استقبال کیا اور اپنے ایوان شاہی مین لاکر اسکو بٹھایا رقاصون کو حکم دیا کہ ناچ سامنے باغبان کے ہونے لگا جلسۂ دعوت رہا بعد اسکے باغبان نے کہا کہ اے شمسہ چلو تمکو بادشاہ نے یاد کیا ہے شمسہ نے کہا کہ آپ چلیے ہم اور شمشاد دونون آتے ہین اور ادھر شمسہ جو پھر کر اپنے مقام پر آئی تو ملازمون نے اُسکے خبر دی کہ باغبان وزیر بادشاہ کا آیا تھا اور ابھی یقین ہے کہ گیا نہین ہے شمس کوہ پر ہے شمشاد یہ کلام سنکر گھبرائی کہ دیکھا چاہیے اب افراسیاب کیا کرے اسوجہ سے یہ بھی شمس کوہ پر پاس باغبان قدرت کے آئی اور اُس سے ملاقات کی باغبان نے کہا کہ اے ملکہ شمشاد جادوان بہت غضبناک ہے تمکو لازم ہے کہ جلد اُس قیدی کو حاضر کرو ورنہ تمھاری جانین جائینگی اور کچھ نہ ہوگا ملک و مال سب برباد جائیگا یہ دونون ان باتون کو سنکر گھبرائین اور کہا کہ اے باغبان وہ قیدی کھو گیا پھر مجبور ہین کیا کرین بادشاہ کو اختیار ہے جو چاہے وہ سزا دے باغبان سوچا کہ شہزادیان یہ دونون اولوالعزم ہین اور بیمثل جادوگرنیان ہین کیا ضرورت ہے ان سے فساد کرنا تو چلکر بادشاہ سے کہدے جو کچھ کہ یہ کہتی ہین بادشاہ جیسا مناسب جانے وہ کرے بس باغبان یہ سوچکر رخصت ہوا۔''[1]

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۷۶۴ تا ۷۶۵، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

اختر جادو: طلسم ہوشربا کے جلد ہفتم میں طلسم اختر یہ کا ذکر آیا ہے۔اس کی مالک اختر جادو ہے۔ یہ بہت طاقتور ہے۔اس کے نام پر عمرو عیار بھی ڈرتے ہیں۔اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

''برہمن نے کہا دیکھون تقدیر کیا دکھاتی ہے خواجہ عمرو نرگس خواص کی صورت بنکر تیار ہوے برہمن نے تخت سحر آراستہ کیا خواجہ عمرو کو پہلو مین بٹھا لیا تخت کو اُڑا کر طلسم اختر یہ کے چلی عمرو راہ مین سمجھا جاتا ہے کہ ملکہ ہوش وحواس درست رکھو دربار مین اختر کے شراب پر میرا انتظام کرادیجیے گا جس رنگ مین پہلو ملیگا فوراً عیاری کرونگا برہمن راہ مین گھبراتی ہے کہتی ہے خواجہ رات بہت کم رہگئی دمبدم سحر کو زور دیتی ہے چاہتی ہے پلک جھپکنے نہ پاے قلعہ طلسم اختر یہ مین پہونچ جاؤن کیونکر صاحبقران کو چھڑاؤن عمرو تسکین دیتا ہے تا بہ قلعہ نہ پہونچی تھی کہ ستارہ سحری آسمان پر چمکا برہمن نے کہا لو خواجہ عمرو غضب ہوگیا غم مین ہمارے گریبان سحر چاک ہوا خواجہ عمرو بھی پریشان مگر دل مضبوط کر کے کہا اے ملکہ برہمن وہ اپنے زمانے کے صاحبقران ہین ایسی سختیان اکثر پڑتی ہین کوئی سبب پروردگار نکالیگا برہمن کے مُنھ پر ہوائیان اُڑنے لگین اسوقت قلعہ طلسمی مین آکر پہونچی دیکھا بخوبی صبح ہوگئی میدان خونی کی تیاری ہوچکی ہے فوجین جمع ہورہی ہین جلاّد آگئے دارین استاد ہین برہمن مجبور معہ خواجہ عمرو ایک طرف آکر ٹھہری کہ نقارے پر چوب پڑی ملکۂ اختر یہ جادو تخت پر سوار گرد ہزارہا ساحران غدار بڑے کروفر سے آپہونچی برہمن نے جھک کر سلام کیا ملکہ اختر جادو نے آکر پوچھا کیون برہمن کہان تھین مزاج کیسے ہیں آج تو تم بعد کئی دن کے تشریف لائین برہمن نے کہا کنیز علیل ہے سر مین خلل رہتا ہے آج مینے خبر سُنی کہ دشمن قتل کیا جائیگا باغی سزا پائیگا کنیز حاضر ہوئی اختر نے پُکار کر حکم دیا حمزہ کو قیدخانہ سے لاؤ اب برہمن نے خواجہ عمرو سے اشارہ کیا کیون اے شاہنشاہ عیاران اب سر میدان شراب کباب کہان خواجہ عمرو نے مجبور ہو کر جواب دیا اب حضور کچھ نہین ہوسکتا اگر جلسے مین ملکہ اختر جادو ہوتی مین کوئی فکر کرتا یہان عیاری ناممکن ہے پروردگار کوئی سامان کریگا برہمن نے کہا خواجہ عمرو آپ تخت سے اوتر جایئے مجسے نہ دیکھا جائیگا کہ جلاّد اوس افسر کا سر کاٹے لاشہ اونکے دشمنون کا تڑپتے ہوے زمین پر دیکھون یہ بھی جانتی ہون کہ

ملکہ اختر جادو پر قلعہ طلسمی مین غالب نہ آ وَنگی اونکے ساتھ دم شمشیر پر گلا رکھدونگی جو کہ
تمسے ہو سکے وہ کرنا ہمسے صبر نہ ہوسکیگا برہمن نے یہ کہکر خواجہ عمرو کو تخت سے اتار
دیا۔''[1]

برق بلا افگن ومصور جادو: برق بلا افگن سات بجلیوں میں سے ایک ہے اور افراسیاب کی جانب سے لشکر مہرخ کے خلاف معرکہ آرائی میں شامل ہوتی ہے۔ مصور جادو تصویریں بنا کر جادو کرتا ہے۔ ان دونوں ساحران بلا خیز کے آگے لشکر مہرخ لاچار ہے۔ چنانچہ ایسے موقعوں پر ہمیشہ عمرو عیار اپنی چالا کی اور عیاری کا استعمال کرتے ہیں لیکن اکثر ساحران زبردست کو زمین سے پتلیاں پیدا ہو کر بیہوشی سے بچا لیتی ہیں۔ برق ومصور پر بھی عمرو عیاری کی کوشش کرتے ہیں۔

''عمرو نے تھوڑے تھوڑے پھول سب کو مع مصور جادو و برق بلا افگن اور صورت نگار وغیرہ سب کو دیے انھون نے اِن پھولون کو مضبوط ہاتھومین اپنے پکڑ کر سونگھنا شروع کیا اور عمرو نے بآواز بلند پکار کر کہا کہ اے نٹو آج تو مجھولیان بھر بھر کے روپیہ لو اور ان پھولون کو خوب سا دل لگا کر سونگھو یہ کہکر اُلٹی سیدھی قلابازیان کھانے لگا اور اُن پھولون پر عطر بیہوشی چھڑکا ہوا تھا اُسکی خوشبو جو سب کے دماغون مین پہونچی تو مارے خوشبو کے دماغ معطر ہو گیا اور سب نے خوب سونگھے پس یکا یک سب کو دردسر پیدا ہوا اور ایک نے دوسرے سے کہنا شروع کیا کہ میاں دیکھو وہ پھول غائب ہو گیا اُسنے کہا کہ تم سچ کہتے ہو وہ آسمان پر اُڑا جاتا ہے اور نٹون پر جو غلبہ بیہوشی کا ہوا تو وہ سب کے سب ڈھول بجاتے بجاتے سڑی ہو گئے اور مصور جادو جو گھبرا کر اُٹھا تو اُس کو دیکھ کر سب ساحر اُٹھ کھڑے ہوئے بس کھڑے ہونے کی دیر ہی تھی مصور جادو تو تھرا کر گر پڑا اور ساحر تڑاق پڑاق چھینکین مار کر بیہوش ہو گئے تو عمرو نے بفراغت تمام مال اور اسباب مصور جادو کی بارگاہ کا لوٹ لیا اور سب ساحرون کو برہنہ کر کے خنجر نیام سے کھینچکر چاہا کہ مصور اور صورت نگار اور برق بلا افگن وغیرہ سب کے سر بدن سے جدا کرون۔''[2]

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، ص ۹۴۵، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۷۹۷، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

داؤد جادو: یہ مصور جادو کا بھائی ہے چونکہ اسی نے خداوند سامری کی کتاب سامری کی ترتیب وتدوین کی ہے اس لئے یہ بھی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے یہی نہیں بلکہ اس کا رتبہ طلسم کے تمام پونے دوسو خداؤں سے برتر ہے بہت ہی طاقتور اور خطرناک ساحر ہے لیکن عمرو عیار اس کو مطیع اسلام کر لیتا ہے بعد میں صورت نگار سے جنگ میں اس کا قتل ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ مطیع اسلام ہو گیا اس لئے وہ صورت نگار کے ہاتھوں مر جاتا ہے لیکن سحر کا استعمال نہیں کرتا ہے۔ حالانکہ سحر اس میں کا کوئی ثانی نہیں ہے اور یہ مطیع اسلام ہونے سے پہلے جب جنگ کرتا ہے اور عیاروں کے ہاتھ ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

''داؤد گنبد سے دیکھ رہا ہے ہوش اُڑ گئے خدائی کرنا بھولا لینا لینا کہہ رہا ہے پتلیاں قہقہے مار رہی ہین کہتی ہین کیون خداوند آپ نے کیسا بندۂ گستاخ پیدا کیا ہے آپ کے بندون کو مارے ڈالتا ہے جلد تدبیر کیجیے اس بندہ بے ادب کو سنگ سیاہ بنا دیجیے داؤد غصّہ مین جواب دیتا ہے تمھین ہماری مشیت مین کیا دخل ہے تم آگاہ ہو کہ کون کون قتل ہو رہا ہے جو دل سے یاد نہین کرتے اعتقاد مین خام ہین بدانجام ہین یہ بندہ بے ادب ہمنے بنایا ہے جلاد ساحران اسکو لقب دیا ہے اسکا آقا خمرۂ صاحبقران سپہ سالار قدرت ہے لقا ہماری ہمسری کرتا ہے اُسکی بربادی کے لیے اُس صاحب جاہ و جلال کو پیدا کیا ہے اس طرار مکار غدار کو اُسکا عیار بنایا خبردار خاموش رہو بیہودہ نہ بکو اس عرصہ مین عمرو لڑ بھڑ کر نکل گیا گلیم عیاری اوڑھ کر مخفی ہوا رعایا مین شور گریہ وزاری بلند ہوا کوئی کہتا ہے بیٹا مارا گیا کوئی کہتا فرزند قتل ہوا کوئی کہتا باز وٹوٹا برابر کا بھائی چھوٹا یا خداوند سب کو جلا دیجیے کرامت دکھلایئے کبھی ملک داؤد مین آفت برپا نہوئی تھی اپنے اپنے گھرون مین پاؤن پھیلا کر سوتے تھے یون نصیبون کو نہ روتے تھے یہ غریو سُنکر داؤد جادو جھلّایا حکم دیا یہ سب بے ادب ہین مورد قہر وغضب ہین سامنے سے ہٹاؤ ہرگز مردون کو زندہ نہ کرینگے اپنی پنی جان کی خیر مناؤ سب کو سنگ سیاہ بنا دونگا ابھی سزا دونگا قہر وغضب سے قدرت کے نہین ڈرتے ہو سب روتے پیٹتے اپنے اپنے گھرون کو آئے شہر داؤدیہ مین گھر گھر یہی ہنگامہ عمرو کا کیا بلا کا عیار ہے۔''[1]

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصّہ دوم از احمد حسین قمر، ص ۲۱، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

ملکہ لالان خون قبا: ملکہ لالان خون قبا دختر خداوند داؤد ہے۔ بے حد طاقتور ہے اور اسد کے جال میں پھنس جاتی ہے۔

''ملکہ نے سر اٹھا کر دیکھا اس جوان نے آنکھ کھولی میری جانب دیکھ رہا ہے ملکہ نے شرما کے دوپٹہ سے مُنھ ڈھانپ لیا وزیرزادی کے چٹکی لی کہا ناگن مہمان بیدار ہوا مین تو نہ بات کرونگی جا کر مسند پر بیٹھتی ہون تو حال پوچھ تو نے سُنا اُنھون نے عاشقی و معشوقی کا شعر پڑھا اِن باتون کو سمجھاوے ذرا چونچ اپنی بند رکھین یہان کوئی کسی کا بازاری نہین ہے کہہ دینا جو سب کے خدا خداوند داؤد جادو ہین یہ نور چکیدۂ خالص قدرت صدف خداوندی کی گوہر بے بہا موسوم بہ ملکہ لالان خون قبا ہے جب میرے سامنے آئین تو سجدہ کرین اسکے خلاف ہوگا تو مین بہت بُری طرح پیش آؤنگی یہ کہکر ملکہ ہنستی ہوئی مسکرا کر پلٹ پلٹ کے دیکھتی ہوئی بارہ دری مین آئی مسند پر بیٹھکر ہنسنے لگی اور کنیزون سے کہا جاؤ مہمان کو ہوش آیا ہے مہمان کی خاطر داری کرو سب ہمرازین وہان آئین اسد غازی اُٹھ بیٹھے زخمون کے اکثر ٹانکے بھی ٹوٹ گئے ناگن وزیرزادی قریب آئی جھک کے سلام کیا عرض کی حضور مزاج کیسا ہے آپکا نام نامی اسم گرامی کیا ہے اسد غازی نے جواب دیا کہ ہم نام ونسب کچھ نہ بتائینگے اب ہم رخصت ہوتے ہین یہ تو ہم پر ظاہر ہوا کہ جو صاحب کُرسی پر جلوہ فرما تھین یقین کامل ہے کہ وہی صاحب خانہ ہین ہمارے ہوشیار ہوتے ہی وہ تشریف لے گئین پس ہم بار خاطر ہین پس ہمارا ٹھہرنا بیکار ہے یہ کہکر اسد نے خود اُٹھا کر سر پر رکھا زرہ جیب جسم کی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالا چھپرکھٹ سے اُترے ناگن دوڑی ہوئی ملکہ کے پاس آئی عرض کی واری مہمان صاحب جانتے ہین آپ کا اُٹھ آنا اُنکو بہت ناگوار ہوا کہتے ہین ہم صاحب خانہ کو بار ہین ملکہ گھبرائی کہا ناگن جاؤ میرے سر کی قسم دلاؤ کہنا صاحب اگر آپ ہمکو بار ہوتے تو جنگل سے کیون اُٹھا لاتے یہ بھی سمجھا کے کہنا ملکہ نے تمھارے زخمون کو اپنے ہاتھ سے دھویا شب بھر یہین بیٹھی رہین تم نے وہ شعر پڑھا اس وجہ سے چلی گئین۔'' [1]

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصّہ دوم از احمد حسین قمر، ص ۱۰۱، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

نیرنگ جادو: نیرنگ جادو مالک کوہ نیرنگ ہے اور طلسم ہوشربا کی ایک طاقتور ساحرہ ہے۔ضرورت پڑنے پر افراسیاب اسے مدد کے لیے طلب کرتا ہے۔ نیرنگ جادو کا تعارف طلسم ہوشربا سے پیش ہے جہاں وہ شکست افراسیاب کے بعد اس سے ملتی ہے۔

''ایک کوہ ہے کہ اُسکو کوہ نیرنگ کہتے ہیں ملکہ نیرنگ جادو مع ہزار نازنینان مہ جبین کے مسند جواہر نگار پر بیٹھی اور کوہ فلک شکوہ پر قصر عالی نہایت تکلف سے تعمیر یہ کوہ نیرنگ عیش گاہ افراسیاب مشہور ہے ملکہ نیرنگ جادو نے دیکھا افراسیاب تخت پر سوار ملکہ حیرت کا سر زانو پر رکھے ہوے رنجیدہ وکبیدہ آتا ہے نیرنگ برائے استقبال اُٹھ کھڑی ہوئی برائے تسلیم جھکی سحر سے بلند ہو کر پایہ تخت پر ہاتھ ڈالدیا کہا اے شہنشاہ گردون پناہ اسوقت کیا حال ہے لباس پارہ پارہ کڑیان زرہ کی ندارد چہرے سے رنج و ملال ہویدا افراسیاب نے کہا اے نیرنگ کیا کہون جسدن سے یہ مسلمان میرے طلسم مین آئے ایسے ایسے رنج و ملال پہونچا جنکے بیان کرنے سے حجاب آتا ہے نیرنگ نے کہا مین ضرور پوچھونگی مگر قصر مین تشریف لیچلیے یہ تو عیش گاہ حضور ہے تخت شہنشاہی بھی اس مقام پر رہتا ہے کل سامان عیش ونشاط مہیا ہے افراسیاب چونکہ گھبرایا ہوا تھا یہ بھی منظور ہے کہ حیرت کو ہوشیار کرون کلام عذر سے تسکین دون ملکہ نیرنگ سے کہا حیرت جادو کو اندر لے چلو نیرنگ جادو مع چند کنیزون کے حیرت کو لپٹ گئی باحتیاط اندر بارہ دری کے لیکر آئی افراسیاب تخت پر بیٹھا حیرت کا سر زانو پر رکھ لیا خوشامد سے تلوے سہلانے لگا اس عرصہ مین سیاح جہان گرد آفتاب منزل عالم کو طے کر کے سرائے مغرب مین پہونچا مسافرانہ شب بسر کرنے کو اُترا شام تیرہ فام نے اپنا چہرہ دکھایا شہنشاہ ماہ عالم افروز کی عملداری ہوئی افواج انجم نے صف باندھی تخت فلک زبرجدی پر ماہ تابان جلوہ فرما ہوا ملکہ نیرنگ جادو نے برائے روشنی حکم دیا کنیزون نے فوراً جھاڑ وغیرہ روشن کیے افراسیاب نے نیرنگ سے اشارہ کیا کیا غضب ہے ملکہ کو ہوش نہین آتا ایسا صدمہ عظیم اُٹھایا دیکھو تو دانت بیٹھ گئے ہین دشمنون کے چہرے پر مردنی چھائی ہے نیرنگ نے پوچھا آخر اے شہنشاہ یہ کیا معرکہ ہوا کنیز کو تو آگاہ کیجیے افراسیاب نے کہا اے نیرنگ حقیقت مین مجھسے بڑی خطا ہوئی عیاران

اسلام ملکہ کو گرفتار کر کے برسر کوہ زعفران لے گئے صورت پر ملکہ بران کی بنایا مین کمبخت نہ سمجھا بران حیرت بنکر گئی اب تو بی بران بھی عیاریان کرتی ہین اے نیرنگ سامری جمشید نے خیر کی ورنہ مین گولہ تیار کر چکا تھا۔۔۔'' [1]

صندل جادو: صندل جادو کے پاس لوح طلسمی ہے۔ اس کو حاصل کیے بغیر یہ نہیں معلوم کیا جا سکتا ہے کہ بلاؤں کو کیسے اور کیونکر مارا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اسے مارے بغیر لوح طلسمی حاصل کرنا ہے عیاری سے یا مطیع کر کے۔ یہ منظر ملاحظہ ہو۔

''اے جان جہان اس صحرا کا طے کرنا نہایت دشوار ہے آب و دانہ ممکن نہین انسان و حیوان کا نام نہین ایسا ہی سخت جان ہو تو اُس صحرا کو طے کرے بعد کئی دن کے طلسم صندل ملے گا جب اس طلسم کو فتح کرے تب راستہ کھلے کیون اے ملکہ عالم کسکو ایسا دردسر ہے کہ طلسم صندل کو فتح کرے بادشاہ طلسم صندل ملکہ صندل جادو ساحرہ بے نظیر فلک افسونگری کی ماہ منیر سامری و جمشید بھی اُسکو قتل نہین کر سکتے لیکن بہر تقدیر اگر طلسم فتح ہوا اور راستہ کھلے بعد کئی منزل کے ایک دربند ہے اسکو دربند مہر و ماہ کہتے ہین مہر و ماہ جادو وہان کے حاکم و ناظم ہین تین لاکھ فوج کی مالک جادۂ افسونگری کی مالک مین نے اُسکے پاس لوح بھیجدی ہے کیون اے ملکہ اب کسکی لیاقت ہے کہ مجکو اسی قصر مین بیہوش کرے کنجی پاے نقب مین جاے طلسم صندل فتح کرے مہر و ماہ جادو قتل ہون لوح طلسمی دستیاب ہو خواجہ نے مسکرا کر محبت سے ایک طمانچہ مارا کہا لے نگوڑے جو ہونا تھا ہو چکا اب کیا لوح بچیگی بس اب چلو آرام کرو نیند کے مارے بُرا حال ہے مگر میری ہڈیان چور چور ہو رہی ہین مجکو ہاتھ نہ لگانا بس چپکے چپکے سو رہو صبح کو جو کچھ ہوگا سمجھا جائیگا افراسیاب نے دیکھا اب ملکہ کے چہرے پر بحالی آئی حیرت نے کہا نگوڑے شیطان پر لعنت ہے ناحق مین اپنے شوہر سے اُلجھی نہیں معلوم تمنے کیا بکا مین سمجھی بھی نہین تم لوح لوح بکا کیے مین نے نیند مین سُنا بھی نہین۔'' [2]

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصّہ دوم از احمد حسین قمر، ص ۲۱۱، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصّہ دوم از احمد حسین قمر، ص ۲۱۶، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

مشعل جادو: مشعل جادو حجرۂ ہفت بلا کی پہلی بلا ہے اس لئے سب سے پہلے اسے ختم کرنا ہے لیکن یہ بہت دشوار کام ہے کیونکہ اسے موت نہیں ہے اس کی غذا انسان ہیں اس لیے افراسیاب اپنی کنیزوں کو حکم دیتا ہے کہ لشکر اسلام سے اس کی غذا فراہم کروائے لیکن عمرو عیاری کر کے افراسیاب کے ساحروں کو ہی اس کی غذا بناتا ہے بعد میں عیاری سے مارا جاتا ہے لیکن مرنے کے بعد یہ کسی پرندے کے جسم میں آجاتا ہے اور دوبارہ وہی خوفناک مشعل جادو تیار رہتا ہے۔ یہ بات عمرو کو پتا چل گئی تو ایک بار اس کی روح جیسے ہی ایک نیلکنٹھ میں گئی تو عمرو نے اسے کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا اس طرح پہلی بلا کا خاتمہ ہوتا ہے جو کہ نہایت خوفناک ہے۔

> ''اے شاہنشاہ اگر بادشاہ طلسم ہوش ربا قصد کرے کہ شاہنشاہ مشعل جادو سے ملاقات کرون اول یہ مناسب ہے کہ جس معشوق کو بادشاہ انتہا کا چاہتا ہو در دولت مشعل پر اس کو اپنے ساتھ لیجائے سامرؔی و جمشید کی پوجا کرنے کا سیندور ہے الفاظ سحر و ساحری سے معمور ہے اس سیندور کا معشوق کے ماتھے پر ٹیکا دے گویا وہ کلنک کا ٹیکا ہے اسوقت وہ معشوق خود خواہش کریگا کہ مجھکو نام سامری پر نثار کیجئے تب بادشاہ عالی جاہ سنگ صبر دل پر رکھے نمک فرقت کا مزہ چکھے یعنے اپنے ہاتھ سے اس معشوق کو ذبح کرے کاسۂ بلورین مین خون اس معشوق کا لے اس وقت در دولت پر مشعل کے آواز دے کہ اے شاہنشاہ مشعل آپ کی خدمت مین حاضر ہوا ہون وہ آواز دے گا کیا تحفہ ہمارے واسطے لایا کیون ہمین ستانے آیا جواب دے کہ شاہنشاہ خوش اسلوب قاتل محبوب و مطلوب نے در دولت پر خون معشوق بہایا کچھ افسوس نہ آیا یہ جام شراب خون معشوق آپ کے واسطے حاضر لایا ہون اے شاہنشاہ تب دروازہ کھلے گا پھر جا کے مشعل جادو سے ملاقات کرے افراسیاب نے رو کر کہا ز ہے قدرت سامرؔی کیا خوب طریقۂ ملاقات شاہنشاہ مشعل جادو ہے افسوس ہے کہ مین نے یہ کیا کیا زال نے کہا اے شاہنشاہ ابھی سماعت فرمایئے زیادہ نہ گھبرایئے جب سامنے اس بلائے حجرۂ اول کے رسائی ہو جام خون مطلب اس مست بادۂ سامری کے سامنے پیش کرے وہ بخوشی نوش کرے گا مزاج مین بحالی خون پینے سے چہرے پر لالی ظاہر ہو

گی تب کیفیت پوچھے گا شاہنشاہ غرض اپنی ظاہر کرے اپنے حال مصیبت مآل سے
اس خونخوار کو ماہر کرے آنے نہ آنے کا اس کو اختیار ہے کسی کا تابعدار نہیں ہے۔''[1]

ملکہ تاریک شکل کش: یہ دوسری بلا ہے۔ پہلی بلا کو ختم کرنے کے بعد اب اس بلا کو ختم کرنا لشکر مہرخ کے لیے ضروری ہے۔ یہ پہلی بلا مشعل جادو سے بھی خطرناک ہے اسے روز دس انسانوں کا خون چاہیئے۔ اسے بھی عیاری سے لشکر اسلام کے بجائے لشکر طلسم کے انسان بھیجے جاتے ہیں لیکن صرصر راز معلوم کر لیتی ہے مگر عمرو عیار یہاں بھی چالاکی سے اس کی موت کا راز معلوم کر کے اسے ہلاک کرتا ہے۔

''افراسیاب سمجھا رہا ہے حیرت کو بہلا رہا ہے کہتا ہے کہ اے ملکہ عالم صاف تو یہ ہے کہ مین دل سے چاہتا تھا مشعل کی شمع حیات گل ہو اور دائی امان ملکہ تاریک شکل کش تشریف لائین جب مین انکے سامنے حالات مصیبت آیات بغاوت سرداران رازدار بیان کیا یہی ارشاد فرمایا کہ اے نور نظر مین عرصۂ دراز سے اس گنبد تاریک مین گھبراتی ہون کہ برائے سیر نکلون لیکن سامری و جمشید مقید کر گئے ہین کہ جبتک حاکم حجرۂ اول پر کوئی افتاد نہ پڑے ناظم حجرۂ دوم نہین نکل سکتا اب جا کر عرض کرونگا کہ مشعل کو عمرو نے قتل کیا اب گنبد تاریک سے حضور کے برآمد ہونے کا وقت آیا شاد ہو جائینگی ہر چند کہ ان کی خوراک مین آجتک مین نے فرق نہین آنے دیا دس آدمی روز شام کو انکی خدمت مین حاضر کیے جاتے ہین رات بھر ان سے کھیلتی ہین صبح کو انکو چیر پھاڑ کر کھا جاتی ہین یہ انکی نہاری ہے علاوہ ازین ایک میخانہ صرف انکے واسطے درست کرا دیا ہے کوئی سو خم روز تیار ہو کر پیش کیے جاتے ہین ان تک ہر کس و ناکس جا نہین سکتا اب مین طاؤس کو بلا کر روانہ کرتا ہون عرضی مابدولت کی لیکر جائیگا خود جواب معقول تحریر فرمائین گی خوشی خوشی آئینگی۔''[2]

آفات چہار دست: بے پناہ طاقتور ہے جب طلسم کشا کامیاب ہوتے نظر آتے ہیں اور افراسیاب خوف زدہ ہے کیونکہ اس کا سامنا مالک طلسم نور افشاں و کوکب روشنضمیر سے ہے تو وہ آفات چہار دست کو مقابلے کے لئے بلاتا ہے لیکن شہنشاہ عیاراں کی زد سے اسے بھی بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۶۷، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۱۶۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

''فوراً تیر دعاہدف مراد پر پہونچا آسمان پر سنّاٹا ہوا افراسیاب و ماہیان نے دیکھا ملکہ آفات چہار دست تخت اُڑائے ہوے آتی ہے آواز دی او بدمست کوکب کو حلوہ سمجھ لیا اس تلوار سے نہ مارا جائیگا بڑا دھوکا کھائیگا چالیس برس فکر کر کے یہ گولا تیار کیا لے اِسکو یہ کہکے آفات نے دور سے ہی گولا پھینکا سب نے دیکھا ایک گولا فولادی اُسپر سیندور کے ٹیکے افراسیاب نے جست کر کے گولا روکا آفات نے آواز دی وہ مارا ہان کوکب لینا منم ہزبر دشت عیّاری نہنگ بحرِ طرّاری آفتاب عالمتاب آسمان خنجر گزاری رفیق قدیم زلزلہ قاف ثانی سلیمان تختِ زبرجدی پر سوار تھے گلیم اوڑھکر غائب ہوے گولا جیسے ہی افراسیاب نے ہاتھ مین لیا پھٹا دُھوان اُسمین سے نکلا افراسیاب ارے کہکر لڑکھڑایا گر کر بیہوش ہوا۔''[1]

''آفات چہار دست کو یہ شرف حاصل ہے کہ چارسو پتلیان سنہری قصر زبرجدی مین موجود ہین ایک ایک حسین مہ جبین غنچہ دہن سیم تن پرفن ہر وقت آفات چہار دست سے اخبار عبرت آثار آیندہ و گذشتہ بیان کرتی ہین ہمیشہ بوقت سحر آفات چہار دست اپنی بارگاہ کو آراستہ کر کے تخت پر بیٹھی وہ چارسو کنیزان سامری بہ رعنائی و زیبائی قصر سے باہر آتی ہین کرسیون پر جلوہ فرماتی ہین آفات نے کتاب ہاتھ مین لی ہنسکر کہا شاہزادیو کچھ کلام کرو خبرین اِدھر اُدھر کی سناؤ وہ خبرین بیان کرتی ہین آفات ان کا بیان درج کتاب کرتی ہے اس کتاب کا روزنامچہ آفات چہار دست لقب ہے بروقت برخاست آفات تڑپ کر سمت قریات و دیہات جاتی ہے دوکس بندگان خدا کو پکڑ لاتی ہے لا کر ان کو ذبح کیا خوں ان کا ناندے مین بھر دیا وہ چارسو پتلیان اس خون کو پی جاتی ہین اس خون کے پینے سے چہرے ان کے مثل یاقوت احمر سرخ ہو جاتے ہین ہنستی ہوئی قصر مین چلی جاتی ہین جہان وہ قصر مین گئین آفات نے دروازے بند کر دیے بعد اس فعل کے امورات مالی و ملکی مین مصروف ہوتی ہے۔''[2]

طلسم ہوشربا کے طلسمی کرداروں کی تعداد ہزاروں ہیں ان میں بیشتر وہ ساحر ہیں جو کردار ہیں تو

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، ص ۶۸، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۱۴۲ تا ۱۴۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

افراسیاب کے ساحرلیکن شریک لشکرمہرخ ہو جاتے ہیں اور وہی کردار زندگی سے بھرپور ہیں۔ وہ شریک لشکراسلام ہوئے اور داستان میں متعارف ہونے سے طلسم کشائی تک شریک اسد رہے اور زیادہ تر کردار تو داستان امیر حمزہ کے آگے کے دفاتر میں بھی اپنی بہادری کے نقوش بناتے گئے لیکن طلسم کے لشکر میں افراسیاب اور حیرت جادو کے علاوہ زیادہ تر کردار یا تو افراسیاب کا ساتھ چھوڑتے ہیں یا پھر مہرخ سے یا کوکب روشنضمیر سے جنگ میں مارے جاتے ہیں۔

ان کرداروں کی خاصیت یہ ہے کہ یہ یکسانیت سے لبریز ہیں یوں تو طلسم ہوشربا میں ایک جیسے قصوں کی بھی تکرار ہے اور عیاروں کی عیاری کی بھی لیکن کردار تراشتے وقت داستان گو نے لشکراسلام کے کرداروں کو تراشنے میں زیادہ محنت کی ہے۔ ان میں زندگی کی روح، جوش اور جذبہ کی بہتات نظر آتی ہے۔ ان کے اندر اپنے آئیڈیل اسد غازی کے لیے جان قربان کر دینے کا جذبہ، ان کی طاقت، ان کا جادو سب قابل دید ہے کیونکہ داستان گو کو لشکر اسلام کی برتری دکھانی تھی چنانچہ وہ جادوگر اور جادوگرنیاں جو افراسیاب کی طرف سے جنگ کرنے آتے ہیں وہ آتے تو بہت جوش میں ہیں لیکن جلد ہی یا تو کسی طاقتور کے ذریعہ زیر ہوتے ہیں یا پھر عیاروں کی عیاری سے۔ اگر مہرخ کو کسی ساحر سے شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ عیاروں کی عیاری سے مات کھاتا ہے اور موت کو گلے لگاتا ہے۔ اسی طرح عیاروں کے مقابل عیار بچیاں کمزور ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ وہ داستان گو کے ذریعہ محض عشق کی رنگ آمیزی پیدا کرنے کے لیے داستان میں لائیں گئیں ہیں کیونکہ پانچ عیاروں کے مقابل پانچ عیار بچیاں بھی ہیں لیکن ان کے کردار بے حد کمزور ہیں۔ یہ محض بے ہوش کر کے پشتارہ میں ڈالتی ہیں اس سے زیادہ کی صلاحیت ان میں نہیں جبکہ سحر کے معاملے میں عورتیں مرد کرداروں سے کہیں آگے ہیں۔ بہرکیف داستان گو نے یہ کردار سامعین کے مذاق کو سامنے رکھ کر تراشے ہیں اور طلسم ہوشربا کی کامیابی میں یہ کردار بہت معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ان کرداروں کی یہ بھی خاصیت ہے کہ ان کے نام ان کے اوصاف کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔

باب پنجم

طلسم ہوشربا کا سماجی مطالعہ

(۱) طلسم ہوشربا کے سماج پر لکھنؤ کے تہذیبی اثرات
(۲) مذہبی رسوم اور توہم پرستی
(۳) طرز معاشرت
(۴) زبان، محاورے اور پھبتیاں
(۵) عام طبقات کی عکاسی
(۶) عیش و عشرت اور جشن کا ماحول

طلسم ہوشربا کا سماجی مطالعہ

ادب سماج کا آئینہ ہوتا ہے۔ادب کے ذریعہ سماج کی تاریخی حیثیت کا پتا بھی چلتا ہےاورادب کے ذریعہ ہی سماج میں انقلابات اورتحریکات کی بنیاد بھی پڑتی ہےاس نظریہ سے دیکھیں تو طلسم ہوشربا بھی ہندوستانی سماج اور بالخصوص لکھنوی سماج کی تہذیبی تاریخ کا بہترین مرقع ہے۔کیونکہ طلسم ہوشربا داستان امیرحمزہ کا وہ باب ہے جس کی تصنیف لکھنؤ میں ہوئی اوراس وقت ہوئی جب سلطنت اودھ کا آفتاب غروب ہو چکا تھا۔حکومت برطانیہ نے نوابین اودھ اورشاہان اودھ کو پہلے بیجا طاقتیں اوراختیارات دے کرعروج بخشاان کی معاونت کے نام پران کی معیشت اوران کی فوجی طاقتوں کواپنے اختیار میں لیاانہیں بے پناہ عیش وآرام کے سامان فراہم کروائے اور جب تاجداران اودھ کے پاس نہ فوجی اختیار رہا نہ اقتصادی طاقت تو ان کو آخری چوٹ پہنچاتے ہوئے واجد علی شاہ کوکلکتہ بھیج دیا اور اودھ حکومت اور انتظامیہ پر بداعمالی کا الزام عائد کرتے ہوئے اودھ پر قبضہ کرلیا۔۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد ریاست اودھ کا خاتمہ کردیا۔پہلی طلسم ہوشربا ۱۸۸۱ء میں تحریر ہوگئی اور یہ سلسلہ باقی جلدوں کا ۱۸۹۳ءتک چلتا رہااور۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۷ءتک اس کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع ہوتے رہے۔ظاہر ہے کہ اس کی تحریراوراودھ کے خاتمے کے بیچ بہت زیادہ وقفہ نہیں ہےاس لئے اودھ کے سماجی مرقع جواس وقت کےعوام کے دل کی دھڑکن ہوا کرتے تھے وہ طلسم ہوشربا میں اول تا آخر نظر آتے ہیں۔چاہے وہ طلسمی کردار ہوں چاہےاسلامی یا تہذیبی جھلکیاں ہوں یالکھنؤ کے گاؤں ہرجگہ اس گمشدہ سماج کی عکاسی نظر آ جاتی ہے۔

طلسم ہوشربا کے سماج پرلکھنؤ کے تہذیبی اثرات

چنانچہ داستان امیرحمزہ کی ۴۶ جلدوں میں طلسم ہوشربا کی سات جلدیں مخصوص اہمیت کی حامل ہیں جن کے مصنف احمد حسین قمر اور محمد حسین جاہ ہیں۔ان جلدوں کی تخصیص یہ بھی ہے کہ اس میں ہندوستان کی تہذیب کے بہترین مرقع ہیں۔یوں تو ادب سماج کا آئینہ ہوتا ہے لیکن طلسم ہوشربا میں

تہذیب کے جو مرقع ہیں وہ اسی تہذیب کی جھلک پیش کرتی ہے جو آج بھی اپنی الگ شناخت رکھتی ہے اور وہ ہے لکھنوی تہذیب۔ جب بھی کبھی ہندوستان کے تہذیبی مرقعوں کی بات ہوتی ہے دلّی اور لکھنؤ کی شاہی اور نوابی تہذیب زیر گفتگو آتی ہے۔ ممکن ہے سب کی نظر میں ان تہذیبوں میں کچھ خاص اہمیت نہ ہو لیکن کچھ الگ ضرور ہے اگر بوستان خیال اور عجائب القصص میں دہلوی تہذیب رواں دواں نظر آتی ہے تو نول کشور کی داستان امیر حمزہ بالخصوص طلسم ہوشربا کی سات جلدوں میں ہمیں لکھنؤ کی جھلکیاں اپنی رمق دکھاتی نظر آتی ہے۔ وہ سرداروں کے درباریوں یا زنان خانوں کی ہنگامہ آرائیاں میدان جنگ کے مناظر ہوں یا گاؤں کی سیدھی سادی بستیاں یہاں جو کچھ بھی ہے وہ ہمیں لکھنوی تہذیب کی تاریخ کی ورق گردانی پر مجبور کر دیتا ہے اور پھر جب ہم تاریخ اودھ یا گذشتہ لکھنؤ یا لکھنؤ کی آخری میراث وغیرہ کتابیات پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں کی تصویر میں طلسم ہوشربا کی منظر کشی میں زیادہ فرق نظر نہیں آتا۔ وہاں بھی میلوں میں کندھے سے کندھا چھلتا ہے اور طلسم ہوشربا میں بھی ایک اژدھام نظر آتا ہے۔

جہاں پہنچ کر جاہ ہوں یا قمر مصنفین کی فکر کی جولانیاں بہت ہی تیز گام ہو جاتی ہیں وہ لکھنؤ کے یہی تہذیبی مرقع ہیں۔ طلسم ہوشربا میں رواں دواں تہذیب، ان کا لباس، ان کے جشن اور دیگر تمام لوازمات زندگی ہمیں اودھ کی شاہی تہذیب کی یاد دلا دیتی ہے۔ شرر کی 'گذشتہ لکھنؤ' پڑھیں یا ڈاکٹر صفدر حسین کی 'لکھنؤ کی تہذیبی میراث' کہیں طلسم ہوشربا میں شرر اور صفدر حسین کی تحریر نظر آتی ہے تو کہیں 'گذشتہ لکھنؤ' اور 'لکھنؤ کی تہذیبی میراث' میں طلسم ہوشربا دوڑتی نظر آتی ہے۔ کیونکہ ان تحریروں میں کہیں کہیں صرف تہذیب اور موضوع کی ہی نہیں بیان کی بھی مماثلت نظر آتی ہے۔

یہاں کے سماج میں ہر روز جشن ہوتے ہیں نوبتیں بجتی ہے شادیانے اور نگاڑے بجتے ہیں آتش بازیاں چھوڑی جاتی ہیں لیکن کوئی بھی کام شروع ہونے سے پہلے پنڈت کا ہونا از حد ضروری ہے کیونکہ اس معاشرے میں پنڈت کی بہت اہمیت ہے کوئی کام اس کے بغیر نہیں ہوتا۔ یہ وہی سماج ہے جہاں نجات کا دکھی چمار پنڈت کی بیگار کرتے کرتے مر جاتا ہے لیکن بچے کے منڈن کی خاطر پنڈت کا در نہیں چھوڑتا۔ کچھ نیا شروع ہوتا ہے تو بھی پنڈت، جیت کا جشن ہے تو بھی پنڈت، فوج کے ساتھ بھی پنڈت اور میلوں میں بھی پنڈت۔ پنڈت کی اہمیت کا ایک منظر ملاحظہ ہو:

''ظلمات وگیسو کشا نے حصار سحر کو دفع کیا پکار کے آواز دی بہ حکم سامری برات آگے بڑھے بیچ مین سے ہماری فوج کے برات خرامان خرامان نکل جاے میان سرفروش جادو نے آواز دی اول تو زیر نخل پہو نچنا واجب و لازم ہے وہان پر جا کے پوجا پاٹ ہو پنڈت و برہمن آگے بڑھین یہ کہنا تھا کہ برہمنون کے غول کے غول غٹ کے غٹ آگے بڑھے اوراج کے مالے ہاتھ مین پتمبری دھوتیان کھلی ہوئی اب فوج خرامان خرامان دولھا کا ہاتھی جھومتا ہوا سونڈ ہلاتا ہوا بڑھا دوراست فوجین ملکہ صنعت سحر ساز کی بیچ مین سے برات جاتی ہے نوبت و نقارے بجتے ہوے ہزار ہا ہزارے روشن پنجشاخے لکھ در لکھ فتیلے جو جل گئے ان کو پنجشاخے والون نے بیکار جانکر پھیکدیا صاف ثابت ہے کہ آسمان پر ستارے جھلملا رہے ہین ملکہ صنعت سحر ساز جس قصر مین جلوہ فرما ہے دریچہ اسطور سے سر راہ واقع ہوا ہے کہ جب ہاتھی دولھا کا زیر قصر پہونچے گا دولھا کھڑا ہوکر نذر دے سکتا ہے ہاتھ دولھا کا صنعت تک پہونچ جائیگا مگر میان سرفروش جادو جو دولھا کی مگس رانی کر رہے ہین نہایت بہادر و جری جوان قدر دار شجاعت ولیاقت چہرے سے آشکار پکار کر آواز دی اپنے اپنے کام پر سب ہوشیار ہو جائین اتنا جو سرفروش جادو نے کہا ہزار ہا آتشباز کمرین باندھے آستینین چڑھاے ہوے چھکڑون پر قلعہ لدے ہوے تھے آتشباز مثل شعلۂ جوالہ جھپٹے ہزار ہا پاڑ بندھی بلیان گڑین ٹٹیان اس مین بندھین اہالیان لشکر صنعت حیران ہین بلکہ غلغلہ کر رہے ہین۔''[1]

ہندوستانی معاشرے میں کسی بھی کام کو شروع کرنے میں مذہبی رسومات کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے اوراس کے بغیر کوئی کام شروع نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر اعجاز حسین نے اپنی تصنیف 'اردو شاعری کا سماجی پس منظر' میں یوں تحریر کیا ہے:

''ہندوستان میں بچہ کے مکتب کی رسم اچھے خاصے مسرت آمیز جشن کے ساتھ ہوتی اس کو بسم اللہ کہتے۔ عموماً یہ تقریب چار سال، چار ماہ چار دن کی عمر میں ادا کی جاتی، اس موقع پر بھی ستارہ شناس کی رائے کام میں لائی جاتی۔''[2]

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۳۸ تا ۳۹، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] اردو شاعری کا سماجی پس منظر از ڈاکٹر سیّد اعجاز حسین، ص ۳۲، نیشنل آرٹ پرنٹرس، الہ آباد، ۱۹۶۸ء

آشیروادی لال اسی طرح کی رسموں کے لیے اپنی تصنیف 'اودھ کے دو نواب' میں یوں رقمطراز ہیں:

''اونچے، نیچے ہندو مسلمان سبھی شگونوں میں اور جیوتش و نجوم میں عقیدہ رکھتے تھے۔ صفدر جنگ کسی سفر پر روانہ ہونے یا کسی مہم پر جانے سے پہلے کئی کئی دن تک شبھ گھڑی کا انتظار کرتا۔''[1]

طلسم کے عہدہ داران کی جلوہ فرمائیاں نوابین اودھ کی جلوہ طرازیوں سے مماثلت رکھتی ہیں۔ ملکہ مہرخ سحر چشم اگرچہ جنگی مقام پر خیمہ زن ہوتی ہے لیکن اس کے رعب و دبدبہ کی عکاسی میں داستان نویس کے قلم کی گلکاریاں پورے شباب پر ہوتی ہیں۔

''یہان دربار ملکہ مہرخ سحر چشم کا آراستہ ہے تمام ساحران نامی و افسونگران گرامی دربار مین جمع ہین سریر جہان بانی پر ملکہ مہرخ سحر چشم بعہدۂ وزارت ملکہ بہار جادو طرف دست راست کے دست چپ پر بعہدۂ وزارت ملکہ سُرخ موے کاکل کشا ایک جانب ملکہ ہلال سحر افگن ایک جانب شاہزادۂ خورشید زرین سحر یہ چارون وزیر خوش تدبیر سحر مین طاق علم نیرنجات مین شہرۂ آفاق اور دیگر سرداران نامی اپنے اپنے مقام پر جلوہ فرما ہین ایک جانب ملکہ بُران شمشیر زن دختر نیک اختر شہنشاہ کوکب روشنضمیر حُسن مین بے تمثیل سحر مین بے نظیر خیال نمکحرامی صمصام مین سرنگون خواجہ عمرو بن امیہ ضمری نے آکر حال اپنی عیاری کا بیان کیا ہے اور فرمایا اے نورنظر پارۂ جگر اُس ملعون کو مارلیا ہوتا مگر نہایت سخت جان ہے انشاء اللہ تعالےٰ اب میرے ہاتھ سے بچ کر کہان جائیگا۔''[2]

''بعدازان ایک تخت طاؤسی پر کہ وہ سب ایک ڈال زمرد کا بنا تھا اور جابجا الماس اور یاقوت اور پکھراج اور فیروزہ وغیرہ جواہر بیش بہا کی گلکاری بنی ہوئی اُس تخت پر ایک شاہ بیس برس کا سن و سال نہایت خوش جمال اور زبردست ایک سماج بہت بھاری بارہ کنگرے کا اور ہر کنگرے مین ایک ایک لعل شبچراغ نصب کیا ہوا گلے مین پوشاک

---

[1] اودھ کے دو نواب، ص ۳۸۰

[2] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصہ اول از احمد حسین قمر، ص ۱۳۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

شاہانہ مگر لنگی زرتار کی باندھے دو ناریل چوٹی دار آگے رکھے چتر مرصع سر پر خود بخود گردش مین اور پشت پر دو پریزاد مروجہ بال ہما سے مگس رانی کرتین اور گرد و پیش بارہ ہزار سوار ساحر تخفے تخفے گھوڑون پر سوار چلے آتے ہین اور وہ بادشاہ مٹھی بھر بھر کے اشرفیان اور جواہرات فقیرون کو بانٹتا آتا ہے عمرو نے اپنے دل مین کہا کہ یہ بادشاہ اگرچہ ساحر ہے لیکن بڑا سخی ہے لاؤ انھین فقیرون مین ملکے اشرفیان اور جواہرات مین بھی لوٹ لون بس ایک بوڑھے محتاج کی شکل بن کے اشرفیان اور جواہرات لوٹنے لگا اور سواری کے ساتھ آتے آتے ایوان شاہی پر آکے پہونچا جہاندار شاہ جادو تخت سے اُتر کے اندر محل کے گیا۔''[1]

طلسم ہوشربا معرکۂ خیر و شر ہے اس کی ابتدا بھی جنگ سے ہوتی ہے۔ لقا باختر طلسم ہوشربا کی سرحد پر اسی غرض سے پناہ گزیں ہوتا ہے کہ امیر حمزہ کے قہر سے بچنے کے لیے اسے بادشاہ طلسم ہوشربا افراسیاب سے مدد ملتی ہے۔ چنانچہ افراسیاب کوہ عنبریں کے محافظ سلیماں عنبریں موی کو ہی کولقا کی حفاظت کے لیے متعین کرتا ہے اور تمام معرکۂ جنگ سے بھری ہیں طلسم کے اندر اسد غازی جنگ کر رہے ہیں اور باہر امیر حمزہ کی بہادری کے مناظر ہیں جو ایک طرف سحر آمیزی بھی دکھا رہے دوسری جانب بہادری بھی۔ ظاہر ہے جب طلسم ہوشربا میں زیادہ تر رنگ سرزمین اودھ سے مستعار ہیں تو یہ رنگ بھی اودھ کا ہی نظر آتا ہے۔ جنگ طلسمی کی کئی مثالیں پیشتر نقل کی جا چکی ہیں۔ یہاں ایک مثال ملاحظہ ہو:

''سب نے عرض کی جو مناسب ہو وہ کیجیے ہم سب مطیع اسلام ہیں یہ ذکر تھا کہ ایک ساحر آیا عرض کی اے سردار عالی وقار ابھی مین نے سنا ہے کہ عقب مین اس کوہ کے لشکر ابریق کوہ شگاف کئی دن سے واسطے شکار کے آیا ہوا ہے یہ مژدۂ جانبخش سُنکر طرار نے کہا کہ چلو آج اس بیچیا پر شبخون مارین لڑتے بھڑتے اپنے تئین خدمت عمرو مین پہونچائین بہادرون کے قدردان ہین ضرور عنایت فرمائینگے اُنکی غلامی یہان کی سرداری سے بہتر ہے یہ مشورہ کر کے دو پہر رات گئے لشکر کو آراستہ کیا اور لشکر ابریق کوہ شگاف پر آ کر گرا سکو سکھا دیا تھا کہ یارو نام مرد بہ از مرد ہوتا ہے لشکر ابریق کوہ

[1] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۱۰۷، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

شگاف پر گرتا تو نام سرداران ملکہ مہرخ سحر چشم کے لینا اس طور سے بیجیاؤن کو شکست دینا خدائے نادیدہ انجام بخیر کرے غرضکہ سب نے یہی کیا کسی نے نعرہ کیا کہ منم رعد جادو کسی نے نام شکیل جادو فرزند مہرخ کا لیا کسی نے نعرہ کیا کہ منم شاہزادۂ خورشید زرین سحر فرزند دلبند ملکہ سرخ موے کا کل کشا مگر طرار نامدار نے آواز دی منم معمار قدرت صاحب شوکت فوج ابریق کی مع ابریق سب شراب پی پی کر خواب خرگوش مین مبتلا تھے اس آفت ناگہانی کی خبر نہ تھی جو گھبرا کر اٹھا ہاتھ سے سرداران طرار کے واصل جہنم ہوا ایک چشم زدن مین پانچ ہزار بیجیاؤن کو مارا اب تو فوج ابریق مین تلاطم ہے حواس ہر ایک کا گم ہے بعضے غافل پڑے سو رہے تھے گھبرا کر آنکھ کھلی خدمتگار سے پوچھا یہ کیا ہنگامہ ہے اس نے عرض کی ملازمان مہرخ شبخون آئے ہین ہنگامۂ گیرودار بلند ہے یہ سنکر آواز دی او سائیس جلد مرکب ہمارا تیار کر سائیس نے ساز و یراق مرکب پر آراستہ کیا اگاڑی کھولی جلدی مین پچھاڑی کھولنا بھول گیا میان ساحر صاحب خیمہ کے باہر آئے دلمین ارادہ یہ تھا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ جائین اپنی جان بچائین تعجیل مرکب پر سوار ہوئے گھوڑے کو ایڑ کی وہ آگے نہ بڑھا جھلا کر کوڑا مارا گھوڑے نے جست جو کی میخ اُکھڑ کر سر پر پڑی گھوڑے سے خود ہی زمین پر گر پڑے سمجھے کسی نے گرز مارا اُدھر سے ہمراہیان طرار آ کر پہونچے سحر کر کے میان ساحر صاحب کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑا دیے جب یہ قیامت برپا ہوئی خادم نے جا کر ابریق کو جگایا گھبرا کر اُٹھا پوچھا کیا ہنگامہ ہے خادم نے عرض کیا چند سرداران ملکہ مہرخ شاید واسطے شکار کے صحرا مین آئے تھے آپکے لشکر کو دیکھکر آ گرے ہین ہزارون آپکے لشکر کے مارے گئے ابریق عالم نشۂ شراب مین جھومتا ہوا اُٹھا کہتا کچھ تھا منھ سے نکلتا کچھ تھا جھولی سحر کی لینا بھولا باہر نکل آیا نشہ مین لینا لینا کہنے لگا ہر مرتبہ اسباب سحر جسم پر ہاتھ پھیر کے ڈھونڈھتا ہے کچھ ہاتھ نہین آتا ہے۔''[1]

اب تاریخ سے جنگ کا ایک منظر ملاحظہ ہو۔

''طرفہ یہ کہ تلوار کی چمک کسی کو نظر نہ آئی خلاصہ یہ ہے کہ جب میان صاحب قریب

[1] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصہ اول از احمد حسین قمر ص ۲۷، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

پہونچے تو دیکھا کہ ایک شخص تلوارین پالکی پر مارر ہاہے اُنھون نے فیلبان سے کہا کہ
ارے جلد ہاتھی بٹھا اُس نے ہاتھی بٹھایا سیڑھی لگانے کی نوبت نہ آنے پائی تھی کہ
میان صاحب فوراً ہاتھی پر سے کود پڑے جسکے سبب سے کسی قدر صدمہ اُنکے ایک
پانون مین آیا لیکن انھون نے کچھ خیال اسکا نکیا فوراً جھپٹ کر اُس شخص کو للکارا اور کہا
کہ او مردود یہ کیا کرتا ہے اور میان صاحب بہت قریب اُسکے جا پہونچے تھے کہ اُس
شخص نے پالکی کو چھوڑ کر ایک تلوار میان صاحب کو ماری میان صاحب کے ہاتھ مین
جو بیراگی تھی انھون نے اُسپر روکی اُس نے اور دوسری تلوار ماری وہ بھی میان
صاحب نے بیراگی پر روکی اور بہت قریب اُس سے ملکر وہی بیراگی گھما کر اُسکے سر پر
ماری کہ وہ شخص اس چوٹ کے صدمہ سے چکرا گیا پس میان صاحب نے بچالاکی
تمام خم اوس بیراگی کا اُس شخص کی گردن مین ڈالکر ایک جھٹکا زور سے مارا کہ وہ زمین
پر گر پڑا اور میان صاحب پیش قبص کمر سے نکال کر اسکے سینے پر چڑھ بیٹھے اور یہ قصد
کیا کہ اُسے ہلاک کرون اس درمیان مین نواب سعادت علی خان پالکی کے پٹ
کھول کر باہر نکل آئے اور فرمایا میان صاحب تمھین میرے سر کی قسم اسے مارنا نہین
اسلئے میان صاحب نے اپنا ہاتھ روک لیا اس اثناء مین دوسرے نوکر و ہمراہیان
سواری بھی آپہونچے اور اُس شخص کی مشکین باندھ لین۔''[1]

تہذیب لکھنوی میں طوائفوں نے کافی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ یہ اپنے غیر اخلاقی پیشے کے باوجود سماج میں اتنی مہذب مانی جاتی تھیں کہ لوگ بچوں کو زبان وتہذیب سیکھنے کے لئے اکثر ان کے پاس بھیجتے تھے۔ یہ پڑھی لکھی ہوتی تھیں اور اکثر تو ان میں منجھی ہوئی شاعرہ بھی ہوتی تھیں۔ مرزا ہادی رسوا کی امراؤ جان بھی شاعرہ تھی۔ پیشہ ور جسمانی تجارت والی طوائفوں کے علاوہ صرف گانے والی طوائفیں بھی ہوتی تھیں اور شادی بیاہ اور دوسری محفلوں میں محض رقص وسرود کی محفلیں آراستہ کرنے کے لئے بلائی جاتی تھیں۔ طلسم ہوشربا میں زیادہ تر ساحراؤں کے کردار تو ان سے مماثل ہیں لیکن اکثر مقامات پر رقص وسرود میں شامل ہونے والی طوائفوں کا بھی ذکر ہے۔

''اسی طرح از سرتا پا وہ خورشید سیما رنگ روغن لگا کر آراستہ ہوا اور لباس پر زرزیب

[1] تاریخ اودھ، حصّہ چہارم از نجم الغنی، ص ۸۳، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۹ء

قامت کر کے گہنا سونے کا پہن کر لشکر مین ناقوس کے ایسے مقام پر آیا کہ جہان اُسکے
مجرے کی رنڈیان اُتری ہوئی تھین چنانچہ ایک کسبی کے بستر پر جب آ کر پہونچا دیکھا
کہ خیمہ کے آگے فرش بچھا ہے نوچیان بیٹھی ہین سازندے ساز ملا رہے ہین نائکہ کور
مسند کا دابے گلوری کلہ مین لیے اغماز سے پاپچون کا ڈھیر آگے لگائے متمکن ہے اُسنے
بھی آ کر سلام کیا اور ہنسکر پاس نائکہ کے بیٹھ گئی اُسنے عورت جوان شکیلہ زر وزیور سے
درست جو دیکھی بخاطر تمام پیش آئی گلوری لگا کر دی اور مستفسر حال ہوئی اسنے کہا کہ
بی بی مین لشکر حیرت مین رہتی ہون اسوقت مین نے قصد کیا کہ ناقوس کے سامنے
جا کر مجرا کرون سازندے میرے ایسے حرامزادے ہین کہ ٹال گئے اور میرے ساتھ
نہ آئے مجکو غصہ مین کچھ اور نہ سوجھا اس طرف چلی آئی کہ وہان کسی اپنی برادری سے
سازندے مانگ لونگی اور جو کچھ انعام و اکرام ملیگا وہ بھی انکو دونگی اور آپ بھی لونگی
اور سچ تو یہ ہے کہ اب مین ان موے سفردائیون کو نوکر کبھی نہ رکھونگی جو وقت پر بتّا
بتاتے ہین اور ہماری سچ پوچھو امی جان یہ ہی کمائی ہے پھر ہم کیونکر کا ہلی کرینگے بس
اسلیے تمکو بیٹھے دیکھکر مین ٹھہر گئی اگر کسی صاحب کو تمھارے یہان فرصت ہو تو ذرا دو
گھڑی کو تکلیف کرین میرے ساتھ لیجادین اُسکا کمال احسان ہوگا نائکہ نے کہا بی بی
یہ تمھارا گھر ہے میرے یہان کئی طرح کے سازندے ہین کام تو ایک ہی دو سازندون
سے پڑتا ہے مگر وہ قدیم سے میرے نوکر ہین۔‘‘[۱]

مذہبی رسوم اور توہم پرستی

ہندوستان دورِ قدیم سے ہی مذہب پرست ملک رہا ہے۔ یہاں کا قدیم مذہب ہندو دھرم ہے طلسم ہوشربا میں جو تہذیب رواں دواں نظر آتی ہے وہ ہندو تہذیب ہے جس میں پنڈت اور دھرم کرم کی بہت اہمیت ہے۔ ساحران طلسم کیونکہ ہندو دھرم کے ماننے والے ہیں تو یہاں ہر کام کے پہلے پوجا پاٹا ور کرم کانڈ نظر آتا ہے۔ یہاں کے سماج میں دقیانوسیت اور توہم پرستی بھی عام ہے۔ لکھنوی سماج میں اور نوابین لکھنؤ کے یہاں بھی ہر کام پنڈتوں سے مہورت اور گھڑی دیکھ کر ہی ہوتا ہے چھوٹی چھوٹی باتیں منحوس سمجھی جاتی ہیں تاریخ اودھ میں ایسے شہر مقامات کا ذکر ملے گا جن کی بازگشت طلسم ہوشربا میں نظر

[۱] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۴۶۵، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

آجاتی ہے۔ یہاں ساکنان طلسم ہوشربا کے یہاں بغیر زائچے نکالے ساعت گھڑی دیکھے کوئی کام نہیں ہوتا پنڈت کی اہمیت اور عظمت کا از حد دور دورہ ہے جس کا فائدہ عیار بھی اٹھاتے ہیں ایک مقام ملاحظہ ہو:

''دور سے رام رام ست کی آواز آئی صنعت نے سر اٹھا کر دیکھا کسی غریب کا مردہ دو شخص ارتھی پر لیے ہوے ایک کٹھا برہمن ساتھ ہے ہاتھ مین ایک جلا ہوا کنڈا ایک ہانڈی مٹی کی اُس مین پتے پر کھی کسی قدر مونج ساتھ ساتھ اس ارتھی کے پیچھے ہاے بھائی کہکے روتا ہے ارتھی کو لیے ہوے اسی جانب آتے ہین جب قریب حصار پہونچے نگہبانان صنعت سحر ساز نے دس قدم آگے بڑھ کے روکا کہا ادھر سے ارتھی پھیر لے جاؤ حصار سحر ہے یہان نہ آؤ ملکہ عالم وزیر اعظم افراسیاب کی ممانعت ہے مردہ اب یہان نہین پُھوکا جاتا برہمن نے بڑھکر کہا وہ سامنے جو پیپل کا پیڑ ہے ہمارے نانا دادا سب اسی مقام پر پُھوکے گئے ہم قوم کے برہمن ہین مدت سے جو مقام قرارداد ہے وہین پر یہ مردہ جلے گا جاؤ جاکر ملکہ صنعت سے عرض کرو کہ گسیان برہمن دیوتا کو نہ ستاؤ نگہبانون نے کہا ارتھی ٹھہرالو ہم جاکے عرض کرتے ہین برہمن کا کا نام سُنکر سب ڈر گئے سامنے ملکہ صنعت کے آئے کیفیت بیان کی کہ حضور برہمن کا مردہ ہے وہ کہتے ہین ہم اسی نخل کے نیچے مردہ جلائین گے اگر عرصہ ہوگا ہزار بھائی ہمارے جمع ہو جائین گے جنیئون کو توڑ ڈالین گے آب ودانہ ترک ہوگا ایک مردے کے ساتھ ہزار برہمن جان دیگا یہ سُنکر صنعت بھی گھبرا گئی کہا صاحبو تمھاری کیا راے ہے سب نے کہا مہارانی اگر برہمنون نے جنیو توڑ ڈالا بڑا پاپ ہوگا پھر کیونکر ملاپ ہوگا یہ قوم برہمن نہایت سخت ہے جو کہین گے وہی کرینگے سامنے حصار کے بیٹھ کر پوجا شروع کردین گے گھنٹ ناقوس بجائین گے آفت مچائین گے۔''[1]

''تیرہ صدی مین سب کچھ ہوگا پوتھیون مین لکھا ہے اس تیرہ صدی مین پاپ بڑھ جائے گا پن کا کوئی نام نہ لے گا۔''[2]

لکھنؤ کے سماج میں اسلامی مذہبی رسوم بھی بڑی عقیدت مندی اور دلکشی کے ساتھ ادا کئے جاتے

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص۹، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص۱۰، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

ہیں جس کے نمونے تمام تاریخی کتابوں میں بھی ملتے ہیں۔نوابین اودھ کے یہاں بھی مذہب کا رنگ بہت نمایاں ہے اپنی عیاشانہ زندگی کے باوجود وہ اپنی مذہب سے وابستگی کو کم نہیں ہونے دیتے محرّم میں تمام ممنوعہ عادات ترک کر دیتے ہیں۔ڈاکٹر صفدر حسین کی تصنیف 'لکھنؤ کی تہذیبی میراث' میں محرّم کا ذکر کچھ اس طرح آیا ہے ۔

''بادشاہ کی عیش پسندی کے ساتھ اُن کا شدید مذہبی جذبہ کسی حد تک تعجب خیز ہے۔وہ اپنے مذہبی رسوم کے ادا کرنے میں بڑے شغف وانہماک سے کام لیتے تھے۔محرّم کے زمانے میں اپنے اعزّہ اور اقارب ہی کے مجمع میں رہتے تھے۔شراب پینا، دعوتیں دینا اور عیش وعشرت کی محفلوں میں شریک رہنا موقوف ہو جاتا اور انگریزی مذاق کی جتنی باتیں اُنہیں پسند تھیں وہ بھی چھوڑ دیتے تھے۔انگریز مصاحبین کو بھی ان ایّام میں حضوری بادشاہ کا موقع نہ مل سکتا تھا۔اس زمانے میں دربار بھی ناغہ رہتا تھا اور تمام ملکی و مالی کاروبار اکیس (۲۱) صفر تک ملتوی رہتے تھے۔رجب علی بیگ سرؔور فسانۂ عجائب میں لکھتے ہیں ''اس عیش پسندی پر عشرۂ محرم میں یہ حال تھا کہ راہ چلتوں کو مُسکرانا محال تھا۔روز وشب غمِ اہلبیتؑ میں رونا اربعین تک زمین پر سونا۔لباس آبی یا سیاہ، ہردم لب پر نالہ و آہ۔ ہزار ہا روپیہ اور جہان کی نعمت مرثیہ خوان وسیّد محتاجِ آب ونان پاتے ہین۔''[1]

عبدالحلیم شرر بھی مذہبی دلچسپیوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔'گذشتہ لکھنؤ' سے ایک نمونہ ملاحظہ ہو ۔

''سب سے پہلے بیگم صاحبہ نے امامِ صاحب العصر کی چھٹی کی رسم قرار دی، جس میں اگر یہ ہوتا کہ کسی محفل میں امامِ ممدوح کے حالات بیان کر کے ثواب حاصل کر لیا جائے، تو مضائقہ نہ تھا۔مگر نہیں، یہاں ہندوؤں کے جنم اشٹمی کے رسوم کے موافق پوراز چاخانہ مرتّب کیا جاتا۔اس کے بعد یہ ترقی ہوئی کہ صحیح النّسب سیّدوں کی خوب صورت لڑکیاں لے کے، ایمئہ اثنا عشر کی بیبیاں قرار دی گئیں، جن کا نام ''اچھوتیاں'' رکھا گیا۔ اور جب وہ اماموں کی بیبیاں تھیں، تو پھر اُن کے وہاں اماموں کی ولادت بھی ہوتی اور بارھوں اماموں کی ولادت کی تقریبین بڑے کرّ وفر

[1] لکھنؤ کی تہذیبی میراث از ڈاکٹر سیّد صفدر حسین، ص ۸۴، اردو پبلشرز، ۸ تلک مارگ، لکھنؤ، ۱۹۷۸ء

کے ساتھ منائی جانے لگیں۔''[۱]

لشکرحمزہ میں تو خیر اسلامی ماحول ہے ہی لیکن غور طلب یہ ہے کہ نوابین اودھ شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ طلسم ہوشربا میں جو مذہبی رنگ ہے کہیں کہیں لکھنؤ کی جھلک میں رنگ تشنیع بھی نظر آتا ہے۔ طلسم ہوشربا جلد چہارم سے لشکر اسلام کی عقیدت مندی کا ایک منظر ملاحظہ ہو۔

''امیر نے آکر انگشت شہادت سے یا علی گردن مرکب پر لکھکر خانۂ زین کو مثل آفتاب کے منور اور روشن فرمایا صدائے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند ہوئی نقارون پر چوب پڑی علمون کو جلوہ ملا سرداروں نے مجرا کیا پھر بڑے حشم و خدم سے جلوخانہ شہنشاہی مین صاحبقران مع سرداران آئے اور انتظار آمد شاہ مین اُس مقام پر بیٹھے کہ یکا یک سُرخ پردہ عیش محل کی ڈیوڑھی کا چرخی پر کھینچا صدائے بسم اللہ بلند ہوئی بادشاہ جمجاہ تخت پر سوار برآمد ہوئے کہاریان پیاریان تمغہ اور معرکہ انکے گلون مین اور سرون پر لگی ہوئی۔''[۲]

''بادشاہ نے اٹھکر وضو کیا نماز سحر ادا کی تا دیر درگاہ احکم الحاکمین مین التجا کی لشکر مین امیر حسب دستور پچھلی رات سے برائے طاعت رب غفور اٹھے تھے صبح کو سب سردار بہر نماز مسجد مین آئے بعد فراغ نماز سب نے مسافحہ کیا سلام ہر اک کا ادا ہوا۔''[۳]

انیسویں صدی کا ہندوستان ایک توہم پرست ہندوستان تھا۔ بلّی کے راستہ کاٹنے، چھینک آجانے سے دل میں شک آنا، کام کا مہورت دیکھنا یا فال نکالنا روزمرہ کے معمولات کے حصّہ تھے۔ بھجن، نوحہ، بات بات پر صدقہ نکالنا۔ دعا تعویذ گنڈے وغیرہ یہاں کی تہذیب میں شامل تھے خصوصاً لکھنؤ کا سماج تو خاصہ ضعیف الاعتقاد تھا خواہ ہندو ہوں یا مسلم اپنی کم مائیگی کو تقدیر کا لکھا مان لینے والی یہ عوام اسی لیے پستی کا شکار تھی اور انگریزوں کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنی ہوئی تھی مصیبت کو ٹالنے کے لیے صدقہ اتار کر ہی کام چلا لیا جاتا ہے۔ جس کے تاریخی اشارے بہت ملتے ہیں۔ اس کی ایک مثال 'تاریخ اودھ' سے ملاحظہ ہو:

۱۔ گذشتہ لکھنؤ از عبدالحلیم شرر، ص ۸۶، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۱ء

۲۔ طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۶۴۹، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

۳۔ طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص ۴۹۴، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

''جنون کا بادشاہ بھی بادشاہ بیگم کے پاس آتا تھا جو اُنپر عاشق تھا بیگم کا معمول تھا کہ ہفتے عشرے مین غسل کر کے پر تکلّف لباس اور زیور پہن کر اور عطر مین سراپا بس کر ایک مکان مین تنہا بیٹھ جاتی تھین مجال نہ تھی کہ پھر وہان خواصون یا ماماؤن کے فرشتے پر مار سکین اور بیگم صاحبہ اپنی زبان سے کہا کرتی تھین کہ آج اُس جن کی آمد آمد ہے چنانچہ کوئی خواص کہتی تھی کہ ہم نے اپنے کانون سے حقہ پینے کی آواز اس کوٹھری سے سُنی تھی اور کوئی کہتی تھی کہ بیگم سے بات چیت ہونے کی آواز آتی تھی اور خاص اس تقریب کے لیے ایک عمدہ مکان آراستہ کیا گیا تھا گانے بجانے کا جملہ سامان وہان جمع رہتا تھا۔ خوش گلو عورتین اُس جلسے مین گایا کرتی تھین۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ نصیرالدین حیدر جو خاص بیگم صاحبہ کے پاس پلے تھے اُنکو بھی لڑکپن سے اُس مین بیٹھنے کی عادت تھی۔ چنانچہ اسبات کا شہرہ تھا کہ جنون کا بادشاہ۔ بادشاہ بیگم کے پاس اور شاہزادہ شاہزادے کے پاس آیا کرتا تھا اور پریان بھی خدمت مین حاضر ہوتی تھین۔ ہر ہفتے مین مان بیٹے اس تقریب سے خلوت مین بیٹھتے تھے اور جو ڈومنیان کہ گانے کے واسطے آتی تھین انکو انعام ملتا تھا۔ اس تقریب مین کم سے کم چار پانسو اور کبھی ہزار دو ہزار روپے صرف مین آتے تھے اور جو پوشاک بیگم صاحبہ اُسوقت پہنے ہوتی تھین وہ گانے والیون کو انعام مین دیدیجاتی تھی۔''[1]

یہ جھلک تو لکھنؤ کی اصل زندگی کی تھی جو تاریخ میں مرقوم ہے اس طرح کی توہم پرستی کے نمونے طلسم ہوشربا میں بھی ملتے ہیں، جس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

''سامری مجکو بچاتا ہے یہ کلمات جو زبانی شاہ ملازمان ملکہ نے سُنے کہا حضور پر سے تصدق اُترواؤ واقعی موے دشمن تو لگے ہی رہتے ہین سچ ہے سامری جمشید شہنشاہ کے آڑے آجاتے ہین آج جو کچھ نہ صدقہ اُتارا جاے وہ کم ہے حیرت نے یہ سنکر حکم دیا کہ ارے تصدق کے ٹکے لاؤ لنگر جاری کردو سب سامری کی اتیت بھجن کرین حسب الحکم ملازم عمل مین لائے۔''[2]

---

[1] تاریخ اودھ، حصّہ چہارم از نجم الغنی، ص ۱۷۱، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۹ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۱۵، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

طلسم ہوشر با کی تاریخی اہمیت اس کے سماج، دربار، رسم ورواج، جشن وغیرہ سے نظر آتی ہے۔ کہیں کہیں تاریخی نام بھی ایسے موجود ہیں جن کی اس وقت کے سماج میں بہت اہمیت تھی۔ کہیں کہیں نوابین اودھ اور امرا کا ذکر بھی ہے اس طرح کے ایک جوگی جے پال کا ذکر طلسم ہوشر با جلد چہارم میں ہے جس کے تاریخی ہونے کی تصدیق شمس الرحمٰن فاروقی ''ساحری، شاہی، صاحبقرانی جلد پنجم'' میں کرتے ہیں۔

''جوگیوں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ فن سحر بھی جانتے ہیں۔ جوگی جے پال اس جوگی کا نام ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ زبردست ساحر تھا اور اجمیر کے راجہ نے اسے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مقابلے کو بھیجا تھا۔ جے پال نے جو جادو دکھایا حضرت خواجہ نے اپنی قوت روحانی سے اسی پر الٹ دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب زبانی روایتیں ہیں لیکن جوگی جیپال کا نام تب سے اب تک حضرت خواجہ کے عقیدت مندوں میں مشہور ہے۔''[1]

اب طلسم ہوشر با سے مذکورہ جوگی کا ذکر ملاحظہ ہو:

''وہاں جوگلزار جادو نے طبل جنگ بجوایا تھا توں تکو تیاری سحر مین دونون لشکر مصروف رہے بیرونکو بھینٹیں ملین اور جھٹکے کیے گئے ڈھولے جھومنے لگے بنگالی ڈہرو بجانے لگے مسان کی مٹی لے کر جوت کا دی قائم کیا زروٹین اُڑانے لگے کہین منترون کی جاپ تھی لونا چماری اور دھنتر اور جوگی جیپال کی دہائی دیتے تھے کوئی منتر پڑھتا تھا کہ کالی کالی مہا کالی کلکتہ والی پتال کا پانی پیتی دشمن کی جان لیتی آگ لگائے سرگ کو جائے جو بیری ہو مارا جائے پڑھو دیوالی مین ایسر با چا جو ہمارا کام نکرے تو وہ دھوبی کے گنڈ مین پڑے۔''[2]

طرز معاشرت

طلسم ہوشر با کی طرز معاشرت میں بھی ہمیں لکھنؤ کے تہذیبی اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ لکھنؤ

---

[1] ساحری، شاہی، صاحبقرانی جلد پنجم از شمس الرحمٰن فاروقی، ص ۵۳۵، ایم۔آر۔ پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۲، ۲۰۲۰

[2] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۷۸۱، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

کے خواص وعوام کے رہن سہن، کھان پان، لباس وتفریحات کے اثرات طلسم ہوشربا کے نظام میں صاف نظر آتے ہیں۔ اودھ کی تہذیبی عناصر میں ایک اہم عنصر کھان پان ہے جو کہ داستانوں کا بھی جزوِعظیم ہے۔ مختلف النوع اقسام کے کھانے اس وقت کے دسترخوان کی زینت ہوا کرتے تھے اور تاریخی کتابوں میں بھی کھانے کے متعدد اقسام گنائے گئے ہیں۔ خواہ داستان ہو خواہ تاریخ کی کتابیں جب دسترخوان کا ذکر ہو تو مصنف کا قلم بے حد رواں ہو جاتا ہے اور انواع واقسام کے کھانے پینے کے سامان نیز برتن وغیرہ کی مرصع کاری کے بیان میں قلم کار اپنی ساری قوت تخلیق لگا دیتا ہے۔ مرزا جعفر حسین نے لکھنؤ کی آخری بہار، نجم الغنی نے تاریخ اودھ اور عبدالحلیم شرر نے گذشتہ لکھنؤ میں متعدد مقامات پر مختلف قسم کے دسترخوان کے لذیذ اقسام طعام اور نفیس پیش کش کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح کے منظر طلسم ہوشربا میں بھی نظر آتے ہیں۔

''حسب ارشاد بکاولون نے طعام لذیذ انواع واقسام کا موجود کیا اور یہ دسترخوان اطلس رومی کا بچھایا اُسپر گردہائے نان کہ مثل قرص قمر کے افق منور تنور سے طالع ہوئی تھین رکھین اور قفلیاں شیر برنج کی جو ماہتاب کی قفلی کو اپنے روبرو سرو بناتی تھین چن دین نان آفتابی گرما گرم پنجہ آفتاب سے گرتی تھین اور نان ہوائی کا خاطر کوفتگان ہواؤ ہوس بڑھاتین۔۔۔۔ایک ایک سموسے سوسو پرتین اس طرح بنائین کہ ایک پرت اٹھاؤ سو پرت الگ الگ ہو جائین اور پھر ملی رہین تکلف یہ کہ ایک پرت سلونی دوسری چاشنی دار تیسری میٹھی چوتھی بالکل ترش اسی طرح سو پرت کا الگ الگ مزا اور ذائقہ ولذت ہے اور کھجلے اس ترکیب سے ایک سو پرت کے بنائے کہ ہر پرت مین شیرہ انگور کا بھرا تھا نہایت عمدہ کہ ذائقہ اُنسے ٹپکتا تھا لوزات اور شاخین پنجۂ نگارین لعبتان چین وچگل کو شرماتی تھین اچار ومربا وہ لذیذ کہ پھانکین اُسکی چشم عشوہ گران نمکین کو اپنے اوپر لبھاتی تھین در بہشت آب وتاب مین حقیقی دریائے بہشت کے جواہرات کہ غیرت بخش تھا ٹھپے کا کھجلے اور سموسون وغیرہ پر نقش تھا۔''[1]

'گذشتہ لکھنؤ' میں کھانے کا ذکر کچھ اس طرح آیا ہے کہ اسے پڑھ کر جب طلسم ہوشربا پڑھیں تو

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۵۴۰، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

وہی منظر نگاہوں کے سامنے آتا ہے۔

''دسترخوان پر صدہا ایوانِ نعمت اور قسم قسم کے کھانے چنے ہوئے تھے، پلاؤ تھا، زردہ تھا، بریانی تھی، قورمہ تھا، کباب تھے، ترکاریاں تھیں، چٹنیاں تھیں، اچار تھے، روٹیاں تھیں، پراٹھے تھے، شیر مالیں تھیں غرض یہ کہ ہمہ نعمت موجود تھی۔۔۔۔

دہلی میں بریانی کا زیادہ رواج ہے اور تھا۔ مگر لکھنؤ کی نفاست نے پلاؤ کو اس پر ترجیح دی، عوام کی نظر میں دونوں قریب قریب بلکہ ایک ہی ہیں۔ مگر بریانی میں مسالے کی زیادتی سے سالن ملے ہوئے چاولوں کی شان پیدا ہو جاتی۔ اور پلاؤ میں اتنی لطافت، نفاست اور صفائی ضروری سمجھی جاتی ہے کہ بریانی اس کے سامنے ملغوبہ سی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ معمولی قسم کے پلاؤ سے بریانی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ پلاؤ خشک معلوم ہوتا ہے۔ جو عیب بریانی میں نہیں ہوتا۔ مگر اعلیٰ درجے کے پلاؤ کے مقابل بریانی نفاست پسند لوگوں کی نظر میں بہت ہی مدھر، اور بدنما غذا ہے۔ بس یہی فرق تھا جس نے لکھنؤ میں پلاؤ کو زیادہ مروج بنا دیا۔

پلاؤ یہاں کہنے کو تو سات طرح کے مشہور ہیں۔ ان میں سے بھی صرف گل زار پلاؤ، نور پلاؤ، موتی پلاؤ اور چنبیلی پلاؤ کے نام۔ ہمیں اس وقت یاد ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ یہاں کے اعلیٰ درجہ کے دسترخوان پر بیسیوں طرح کے پلاؤ ہوا کرتے تھے۔۔۔''[1]

مرزا جعفر حسین نے 'قدیم لکھنؤ کی آخری بہار' میں کھانے کے اقسام اور دسترخوان کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

''چنانچہ چوک بازار میں بیسویں صدی کی ابتدا تک عبداللہ کی دوکان کی پوری کچوریاں، سعادت کی شیر مالیں اور گاؤزبانیں، احمد کی باقر خانیاں، شبراتی کے اٹھارہ پرتوں والے پراٹھے، شاہد کا بٹیر پلاؤ، جمّن کا مرغ مسلّم، ٹنڈے کے کباب، حیدر حسن خاں کے پھاٹک سے متصل گلی والا اناناس کا فرعفرہ، کپتان کے کنویں والی برفیاں اور بہت سی ایسی ہی دوسری تیار شدہ غذائیں بے حد مرغوب اور مقبول تھیں۔۔۔۔

---

[1] گذشتہ لکھنؤ از عبدالحلیم شرر، ص ۲۷۳ تا ۲۷۴، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۱ء

امرا کی محلسراؤں میں زنانے اور مردانے باورچی خانے علٰحیدعلٰحیدہ ہوتے تھے لیکن پھر بھی کسی نہ کسی مخصوص چیز کا پکانا یا پوری طرح نگرانی کرنا بیگم صاحبہ کے ذمہ رہا کرتا تھا اور اس کھانے کا ایک پیالہ یا پلیٹ رئیس کے مردانے دسترخوان پر آنا لازمی تھا۔ رئیس کے دسترخوان پر پراتنی تعداد میں کھانے چُنے جاتے تھے کہ بعض کے چکھنے کی بھی نوبت نہیں آتی تھی۔ دسترخوان پر شریک ہونے والوں میں ہر شخص کے آگے ہر کھانا جو حقیقتاً کھانے کے لیے ہوتا تھا اور محض شانِ ریاست میں زینتِ دسترخوان کے لیے چُنا نہیں جاتا تھا علٰحیدہ علٰحیدہ برتنوں میں لگایا جاتا تھا، البتہ پلاؤ اور میٹھے پلاؤ کی بڑی بڑی قابیں اور مخصوص شیریں غذائیں کسی ایک بڑے ظرف میں رئیس کے حضور پیش ہوتی تھیں۔ ان اشیاء میں سے دیگر شرکا اپنا اپنا حصّہ بقدر حبۃ حاصل کر لیتے تھے۔ ایسی بڑے وزن کی اشیا میں مرزا بہادر محمد عباس علی خاں کے دسترخوان کی ''بڑی روٹی'' مشہور تھی جو دو من کے وزن میں میدہ اور قند کی آمیزش سے بیس تیس سیر گھی میں مشت مال کر کے تنور میں پکائی جاتی تھی۔۔۔''[1]

کسی بھی داستان کو اٹھا لیجئے جب کھانے کا ذکر آتا ہے تو داستان گو کا قلم بہت رواں ہو جاتا ہے اور وہ چٹخارے لے کر کھانے کا بیان کرتا ہے۔ باورچی خانہ کا ذکر آتا ہے تو معمولی نہیں ہوتا وہاں کے اہتمام کا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے خواہ دیگوں کا ذکر ہو یا مصالحوں کا۔ کہیں بھی داستان گو کی تجربہ کار نگاہیں چوکتی نہیں۔ ایک مثال طلسم ہوشربا جلد چہارم سے ملاحظہ ہو جہاں ایرج کے لئے پیش کیا گیا کھانا لکھنؤ کے دسترخوان سے مشابہ ہے۔

''اسیوقت دسترخوان آکر بچھا اور خشکا دو سالن کے پیالے اور ماش کی تھوڑی دال اور کچھ چپاتیان آئین ایرج نے ایک پیالہ سالن کا اور کچھ روٹیان کھانیکا ارادہ کیا اور دل سے کہا کہ یہ وہ مقام ہے کہ جہان کچھ میسّر نہوتا تھا شکر ہے کہ کھانا تو ملا اسوقت ابرک جادو نے کہا کہ اے ایرج ہمارے ساتھ تم نہ کھاؤ گے کہین عاشق ومعشوق نے الگ الگ بھی کہایا ہے ایرج کی ناک مین بوے بد آئی ایسی کہ جیسے سنڈاس سڑ گیا بس ایرج کو نفرت ہوئی کھانے سے طبیعت پھر گئی ایرج نے کہا میرا جی نہین چاہتا

---

[1] قدیم لکھنؤ کی آخری بہار از مرزا جعفر حسین، ص ۸۶، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۱ء

ابرک جادو نے کباب اوٹھا لیا اور آدھا کھا کے ایرج کو دینے لگی اور کہا کہ اے
پیارے آدھا ہمنے کہایا آدھا تم کھاؤ اوسنے کہا مین نہ کہاؤ نگا اوسوقت اوسنے کہا ارے
میوہ لاؤ لونڈیان جا کر انگور رنگترے وغیرہ لیکر آئین ایرج نے وہ کھایا اور تھوڑا سا
شاپور کو دیا پھر گلابی شراب کی آئی۔''[1]

''غرض جمعدار اسکو لیکر مع بھیڑ کے باورچیخانے کی طرف آیا برق نے دیکھا دور تک
قناتین کھچی ہین دیگین گولون پر چڑھی ہین باورچی صافیان ہاتھون مین لپیٹتے دیگون
کا نمک ڈوّے سے نکال کر چکھ رہے ہین ایک طرف تخت بچھے ہین اوسپر ترکاری
چھل رہی ہے صافیون کو پکڑے چاولون کو پسپو دیتے ہین پلاؤ کی بعض دیگین دم پر
لگی ہین کھیر گُھٹ رہی ہے گرم مصالحہ پیتا ہے ہاون دستہ مین ہلدی وغیرہ کٹ رہی
ہے دہی پتیلیون مین رکھا ہے ایک طرف اُسی حصار مین ایک خیمہ چھوٹا سا استادہ ہے
وہان فرش بچھا ہے درخیمہ پر کرسی بچھی ہے داروغۂ باورچیخانہ بیٹھا ہے سامنے اوسکے
پُڑیان لونگ الایچی زعفران مشک وغیرہ کی بانگی کے لیے رکھی ہین خوان ایک طرف
چنے ہین ظروف طلائی نقرئی مسی چینی وغیرہ کے دھوئے جاتے ہین طاس بڑے
بڑے اور لگن پانی سے لبریز رکھے ہین۔''[2]

جیسا کہ اوپر مذکور ہے ہندوستان میں مذہبی رسوم کی ادائیگی کے بغیر کسی کام کی شروعات نہیں ہوتی۔ ہندوؤں میں رسم ہے کہ (بتوں) کو بھوگ لگائے بغیر کسی مہیم یا کسی اہم کام کی شروعات نہیں ہوسکتی چنانچہ یہاں بھی جہاں انواع واقسام کی نعمتیں دسترخوان کی زینت ہیں وہیں بھگوان پر چڑھانے کے لیے موہن بھوگ کا انتظام بھی تبرکات کے طور پر ہے۔ طلسم ہوشربا میں اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

''عمرو بانہاے عیاری سے آراستہ ہو کر طرف لشکر خورشید کے چلے یہان خورشید
روشنضمیر اکیلا خیمے مین بیٹھا ہوا سحر کر رہا ہے پانچون عیار بچیان دروازے پر ایک
خدمتگار اشیاء سحر خورشید کو پہونچاتا ہے اور کسی کے آنے کا حکم نہین خورشید نے اپنی
ران سے خون لیا تمام جسم سے چند قطرات ایک جام مین لیے ماش کا آٹا جھولی سے

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین، ص ۱۰۴۰، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۱۳۱، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

نکالا خون سے گوندھکر ایک پتلا بنایا پانچ کڑھاؤ موہن بھوگ کے تیار رکھے ہین پتلے
پر سحر کرنا شروع کیا خون کے چھینٹے دیے پتلے کا قد بڑھنے لگا مثل دیو کے ہوگیا جسم
مین حرکت پیدا ہوئی مثل انسان کے گویا ہوا ظاہر مین بسہولیت بولا آواز سے اُسکی
بارگاہ تھرا گئی اب خورشید نے سحر کرنا شروع کیا کچھ سحر پڑھتا ہے موہن بھوگ کا لقمہ
کھلاتا جاتا ہے۔۔۔۔۔وہ خدمتگار جو خورشید کو اشیاء سحر پہونچاتا تھا کچھ دیکر باہر نکلا
عمرو نے بصورت صرصر اُسے اِشارہ کیا وہ قریب عمرو آیا باتین کرتے کرتے عمرو نے
بیہوش کیا اُسکی شکل بنکر اندر آیا دست بستہ عرض کی حضور یہ پتلہ کیسا ہے خورشید نے کہا
یہ اب سب مسلمانون کو کھا جائیگا ایک زندہ نہ بچے گا مین اب سحر کر کے تیار کر چکا جو
کوئی موہن بھوگ اِسکو کھلائیگا اُسکی اطاعت کرے گا بس عمرو نے خورشید کو بیہوش کیا
تڑاق سے حباب مار دیا خورشید بیہوش ہوکر گرا پتلے نے ہاؤ کر کے منھ کھولا عمرو نے
لقمہ موہن بھوگ کا دیا کھلانا شروع کیا۔''[1]

مسلمانوں کے یہاں بھی چونکہ مشترکہ گنگا جمنی تہذیب ہے تو یہاں بھی اور نعمتوں کے ساتھ موہن بھوگ بھی دسترخوان کی زینت ہے۔جس کے تاریخی اشارے بھی ملتے ہیں۔

''بادشاہ کو یہ آرزو ہوئی کہ وارث تاج وتخت کسی عورت سے پیدا ہو جائے کیونکہ وہ مُنّا
جان کی نسبت سے اپنے نطفے سے ہونے کا انکار کر چکے تھے۔فقرائے مرتاض اور
سادات نامے سے دعا کے خواستگار ہوئے چنانچہ عیش باغ مین خاص اس کام کے
لیے فقرائے اہل اسلام کے لیے مُصلّے اور خاکساران ہنود کی دھوتیان جمی ہوئی تھین
اُس باغ مین اِن لوگون کی برکت سے رات دن فیض کا چشمہ آب روان کی صورت
جاری تھا نعمت دنیا کی اور غذائین خوشگوار موہن بھوگ اور شیرمال مزہ دار فریقین کے
لیے مہیا تھے کسی نے طلسمی رنگ سحر وافسونکا جمایا اور کسی نے محراب فلک کی طرف دعا
کا ہاتھ اُٹھایا کہ آب نیسان بادشاہی کسی صدف مین پڑ کر گوہر شاہوار کی صورت
دکھاے۔''[2]

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، ص ۱۷۵ تا ۱۷۶، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] تاریخ اودھ، حصّہ چہارم از نجم الغنی، ص ۳۷۳ تا ۳۷۴، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۹ء

طلسم کے سماج میں فقیر بھی موجود ہیں یہ ہندوستانی سماج میں ہر طرف نظر آتے ہیں خصوصاً مسلم معاشرے میں ایک مخصوص حلیہ اور وضع قطع کے لوگ سڑکوں پر بھیک مانگا کرتے ہیں۔ طلسم ہوشربا میں بھی ایسے لوگ ہیں چنانچہ جب عیار کو حلیہ بدلنا ہوتا ہے تو ان فقیروں کا حلیہ بنا لیتے ہیں اس میں لکھنؤ کے فقیروں کے لباس کی بھی جھلک ملتی ہے۔

''عمرو ایک فقیر آزاد کی صورت بنکے سیلی تاگے ٹھنکے منکے سے آراستہ ہوا تہمد باندھی تسمہ لگایا رومال چھڑی ہاتھ مین لی بلبل کا پنجڑا لے کر صدائین کہتا ہوا اُس لشکر مین پھرنے لگا جب اُسنے دیکھا کہ کوئی صورت بارگاہ مین جانے کی نہین پیدا ہوتی تو ایک خدمتگار کی صورت بنا چپکن پہنی گولیدار پگڑی سر پر رکھی بر کے پانچے کا پائجامہ پہنا بنی پاک کمر سے لگایا اور بارگاہ مین کمیت کی آیا۔''[1]

جب ساحرنیوں کا ذکر ہوتا ہے تو عورتوں کے پہناوے میں لکھنؤ کی ہندو تہذیب کا پہناوا نظر آتا ہے۔ زیور کپڑا سجنا سنورنا یہ مشرقی تہذیب میں روزمرہ کی نسوانی ضروریات کا حصہ ہیں۔ موقع بموقع ناچ گانا موسیقی اس کے بغیر ہر رسم ادھوری رہتی ہے طلسم ہوشربا کے سماج میں بھی یہ جھلکیاں ہر طرف بکھری نظر آجائیں گی جہاں زیور گہنے سبھی ہونگے اور سازندے بھی جو ہمیں قیصر باغ کے پری محل کی یاد دلاتے ہیں۔

''نائکہ نے صندوقچہ زیور کا منگا کر مزاون کو گہنا پھنایا خوب آراستہ کیا اور سازندے درست کر کے ہمراہ ہوئے نائکہ بھی سادی وضع بنائے ہاتھون مین ہیرے کے کڑے پہنے بازو پر اکے نورتن باندھے کانون مین انّیان ڈالے اونچا جوڑا نالو پر کا باندھے مرادن کو چوپہلے مین بٹھا کر روانہ ہوئی اور رنڈیان بھی ڈولیون مین سوار ہو کر چلین خیمے کی نگہبانی کو ایک بڑھیا رہ گئی یہ سب دربار شاہی کے مقام پر پہونچکر مودب تسلیمین بجا لا کر بیٹھین انکے آتے ہی طائفہ بدل گیا تھاپ طبلے پر لگی ادھر کے سازندے نے بائین کو گمکا ہتوڑی سے ٹھونکا سارنگی کی طربین ملا کر گت بجانا شروع کیا مرادن پاؤن بجاتی طبلے کی بستنی پر اُنگلیان رکھ کر کھڑی ہوئی گوہر شاہ اور سب

[1] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۱۱۳۷، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

انجمن پیراؤن نے جواسکی صورت زیبااورطلعت رعنا کودیکھا عالم غش طاری ہوا سکتہ
مین ہوکر ٹکٹکی باندھی یہ عالم نظر آیا کہ پیشانی پر اُسکے جوچین پڑی تھی دربائے نزاکت
مین لہراُٹھی تھی زلف شبگون شامت عاشقان سے بڑھی ہوئی تھی نگاہ ہر چند کہ بھولے
پن سے سیدھی تھی پھر بھی تیغ نظر فسان تغافل پر چڑھی تھی رخسار آتشین کی لونے شمع
ولولہ ایوان کی خاطر مین روشن کی تھی۔''[1]

اودھ کے سماج کی طرح ہی طلسم کے سماج میں بھی کاغذ کا روپیہ چلتا ہے اور جس طرح انگریزوں کی حکومت ہونے کے باعث یہاں کے روپیوں میں کوین وکٹوریہ کی ایک طرف تصویر اور دوسری جانب قیمت ہوتی تھی اسی طرح کے روپیہ چلتے تھے اور اس کے بغیر سودا نہیں ملتا تھا۔

''شہرناپرسان اسے کہتے ہین اور کاغذ کے روپے چلتے ہین یہ کہکر اُسنے اپنے غلے سے
ایک روپیہ نکالکر دکھایا کہ یہ سکہ یہان چلتا ہے شاہزادہ نے دیکھا کہ کاغذ کے پرچے
پر تصویر ایک بادشاہ کی ہے دوسری طرف کاغذ کے کچھ نقش ونگار ہین حلوائی نے کہا ایسا
ہی روپیہ دوتو سودا ملے ورنہ اپنا راستہ لو۔''[2]

لکھنؤ کی طرز معاشرت میں کٹنیاں بھی خصوصی اہمیت کی حامل تھیں۔ یہ کٹنیاں گھر گھر جاتی تھیں جاسوسی کرتی تھیں اور خواص وعوام پیسے دے کر ان سے مقاصد کی برآوری کراتے تھے۔ یہ شادی بیاہ میں رشتے کروانے میں بھی خصوصی کردار عطا کرتی تھیں چنانچہ عیار بھی اکثر کٹنی کا بھیس بدل کر کسی بھی ساحر کے یہاں پہنچ جاتے تھے۔ ایسی ہی ایک کٹنی کو مہرخ نے اپنے لشکر میں ملازمت پر رکھا جو بغرض جاسوسی لشکر مہرخ میں آتی ہے۔

''مہرخ نے ارشاد فرمایا کہ تو میرے یہان بقیہ عمر اپنی بسر کر سرکار سے کھانا دونون
وقت ملے گا کپڑے دیے جائینگے خیمہ رہنے کو پائے گی ایک ملازم کاروبار کے لیے
تیرے پاس رہے گا اور کچھ کام تجھ سے نہ لیا جائیگا کٹنی نے یہ عنایت دیکھکر زبان کو
صفت وثنا مین کھولا اور براہ مکاری درج دہن سے گوہر سخن کو میزان بیان مین تولا مین
بھی یہی امید کر کے آتی ہون کہ مدت العمر سایۂ عاطفت پیرایۂ دامن دولت حضور

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد سوم از محمد حسین جاہ، ص ۶۷۷، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۵۹، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

مین رہون اور زمرۂ مناجاتیون مین شمار کی جاؤن مہرخ نے براہ غریب نوازی پوشاک منگوا کر عنایت فرمائی خیمہ رہنے کو دیا کھانا مقرر کیا یہ جا کر ساکن ہوئی۔''[1]

تاریخ گواہ ہے کہ تہذیب وریاست اودھ کا زوال وہاں کے خواص وعوام کی تفریح طبع سے ہوا۔ شطرنج بازی، بٹیر بازی، پتنگ بازی و کبوتر بازی وغیرہ میں اپنے وقت کا ضائع کرنا ہی انگریزوں کے حاوی ہونے کا سبب بنے۔ ان میں ایک خاص شوق شکار کا شوق تھا۔ طلسم ہوشربا کی شروعات بھی بدیع الزماں کے شوق شکار سے ہی ہوئی اس کے علاوہ بھی طلسم کے سماج میں اورلشکر حمزہ کے سماج میں شکار کا شوق حاوی ہے۔ بار بار مصیبت میں گرفتار ہونے کے باوجود شوق شکار نہیں گیا۔ اس شکار کے درمیان غضنفر کی ملکہ ماہ طلعت سے ملاقات بھی ہوئی۔

''جب وہ سب بھاگ گئے تو اب غضنفر کا فرط جوع سے بہت حال غیر ہوا یہ ایک صحرا مین اُتر پڑے اور آہو کو شکار کیا اور جھیل پر بیٹھ کر اُس کے کباب کھائے اور یہان شمشاد اور شمسہ نے کہا کہ اِس وقت غضنفر نے آ کر بیشک جان بخشی فرمائی ورنہ ضرور ہم مارے جاتے یہ باتین کرتی ہوئی دونون اندر قلعہ کے داخل ہوئین اور سب ساحرون سے کہا کہ غضنفر ہمارا آج سے جان بخش ہوا وہ ساحر بھی سب ثنا خوان ہوے اس اثنا مین توسن جادو بھی آ کر پہونچی اور اُسنے تمام ماجرا بیان کیا کہ اس طرح مین نسیم جالندری کو لائی ہون اس مین شمشاد نے شمسہ سے پوچھا کہ کیون بہن اب کیا صلاح ہے شادی مین ملکہ قمر طلعت کی اُسنے کہا قصور معاف مین نے تو کتاب جمشیدی مین دیکھا ہے کہ قمر طلعت کی شادی غضنفر کے ساتھ ہوگی اور وہ حاکم یہان کا بنے گا اب مناسب ہے کہ ملکہ مہرخ کے پاس اسباب خیمہ ڈیرا لاد کر چلو۔''[2]

اسی طرح ایرج کے شکار پر جانے کا ایک منظر جلد پنجم حصہ اول میں درج ہے:

''الغرض جب یہ سامان شکار مہیا ہو چکا شاہزادہ پشت کرۂ بن اشقر پر سوار ہوا سمت صحرا عازم شکار ہوا صحرا مین آ کر بہیلے قراولون کو حکم دیا کہ شکار کی جستجو کرو اُنھون نے فوراً جھاڑی جھنڈی کو جھاڑا جانوران ہوا اُڑے یہان سے بازدارون نے باز چھوڑے

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۶۳۴، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۷۸۵ تا ۷۸۶، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

باز بلند پرواز نے جا کر تیہو کو گھیرا پرون سے طمانچے مارتا ہوا طرف زمین کے لیچلا ایرج نے گھوڑا بڑھایا تماشا دیکھتا ہوا چلا باز نے تیہو کو زمین پر گرایا پنجۂ فولادی اپنا اُسکے سینے پر رکھا چاہا سینہ اُسکا چیر ڈالے ایرج گھوڑے سے خوشی خوشی کود پڑے چہکار کر باز کو ہاتھ پر لیا اُس جانور کا قرولی سے سینہ چاک کیا جگر نکالکر باز کو دیا اُسنے پنجے مین دبایا نوچ نوچ کر کھانے لگا اسی طرح جرہ وغیرہ چھوٹے اپنے اپنے شکار کر کے اُترے طائران ہوا سے ارابے بھر لیے کسی قدر دن چڑھا تھا نیر اعظم بلند ہو چکا تھا ایرج نوجوان نے ایک مقام پر گھوڑا روکا فرمانا صاحبقران کا یاد آیا شاپور شیر دل سے فرمایا اے برادر ہمارے جد عالی تبار انتظار مین ہونگے ہم چاہتے ہین دو پہر سے قبل واپس ہون مگر مقام تعجب ہے کہ اسوقت تک کوئی آہو اس صحرا مین نہ دیکھا کہ اُسکے شکار سے لطف حاصل ہوتا شاپور نے عرض کیا کہ قبل ارشاد غلام نے ہرکارے روانہ کیے ہین خبر آیا چاہتی ہے ہنوز یہ کلمہ ناتمام تھا کہ ایک گنوار سامنے سے دوڑا ہوا آیا عرض کی گسینان یہان سے تین کوس پر ایک کھیت دھانونکا نہایت سرسبز و شاداب ہے وہان شکار نایاب ہے کئی سو آہو اُس کھیت مین چر رہے ہین جلد چلیے شکار کیجیے ایرج نوجوان نے کرۂ بن اشقر کو بڑھایا سردار مرکب چمکا چمکا کر ہمراہ رکاب ہوے شکار آہو کا ذکر سُنکر دل بیتاب ہوے آ کر دور سے دیکھا حقیقت مین گرد صحرا سبزہ زار و نواح دلکشا ایک سمت دھانون کا کھیت اُسمین پچیس تیس ہرن مثل طاؤسان خرامان۔''[1]

طلسم کے سماج کی ایک خاص بات ہے کہ یہاں کے سماج میں نسوانی کرداروں کو فوقیت حاصل ہے۔ افراسیاب کی جانب سے حیرت جادو کی سحر سازیاں اور جلوہ طرازیاں ہیں۔ وہیں مطیع اسلام لشکر میں بہار، مہرخ، سرخمو، سرخ چشم وغیرہ اپنے خصوصی سحر کے ساتھ جلوہ نما ہیں۔ ان تمام کردار کو تراشتے وقت داستان نویس عورتوں کی نفسیات اس کے مزاج و رویوں اور زبان پر خاص توجہ دیتا ہے۔ ان کی حسن کی شعبدہ بازیاں بھی جلوہ فگن نظر آتی ہیں۔ اس طرح کے ایک ماحول کا انداز بیان پیش نظر ہے۔

''اری ہمسے پوچھ کہ جنگل جنگل پھرتے ہین نہ کسی دیو کو نہ کسی جن کو نہ بھوت پریت کو

[1] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصہ اول از احمد حسین قمر، ص ۹۷، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

دیکھا یہ سب ڈھکوسلے ہین شعلہ رخسار فیلہائی ہے یہ بھی ایک بات مان کے ڈرانے کے واسطے بنائی ہے کہ ہاے والے ہوصدقے چلے اُترین مین خود ایسے فریب کر چکی ہون میرا میان بڑا بدمزاج تھا کہین نکلنے نہ دیتا تھا اور زمانہ میرا جوانی کا تھا جیوڑا مزے دار جی چاہتا تھا چار گلیون مین پھرین چار مردوؤن کو دیکھین اپنے تئین دکھائین جوانی کے مزے اُڑائین وہ نگوڑا آٹھ پہر دروازے مین قفل لگا کے جاتا تھا ہوا کا بھی گزر نہ تھا بس مین نے ایک دن سر کھول کے کھیلنا شروع کیا دیوار و در مین ٹکرین مارین دیورانیان جٹھانیان ساس یہ کہکے پیٹنے لگن کہ ہے ہے میری بہو پر کوئی چڑھ بیٹھا محلے والو دوڑو میری داد کو پہونچوارے کسی ملا سیانے کو بلاؤ تمام گھر عورتون سے بھر گیا مین دو تین ٹکرین مار کر چپکی ہو کے بیٹھ رہی سب نے پوچھنا شروع کیا میان کون صاحب ہو مین نے کہدیا شیخ سدو ہون یہ تو میری معشوقہ ہے لیکن اسکے میان کو مار ڈالون گا کیونکہ ہمارے قالب پر زور وظلم کرتا ہے اس عرصے مین ہمارے میان مور کھ بھی آ گئے اُنھون نے جو ہنگامہ دیکھا گھبرا گئے مان اُنکی دوڑ کر اُن سے لپٹ گئی اور کہنے لگی کہ بیٹا اب جورو پر ہاتھ نہ اٹھانا وہ حضرت شیخ سدو کا قالب ہے ہمارے بزرگون کا گھر یہ ناس کر چکے ہین بس پھر تو ساس صاحب نے بکرا دیا کڑہائی کی اس دن سے میان میرے کوڑ یہ غلام ہو گئے جہان ذرا ٹرائے مین نے کہا شیخ جی سے کہدونگی بس وہ ہاتھ جوڑنے لگتے تھے بس بوا اُسدن سے گھر مین دھاک بندھ گئی۔''[1]

زبان، محاورے اور پھبتیاں

طلسم ہوشربا میں سحر و ساحری کے بعد جو چیز اوّل تا آخر اپنے مخصوص انداز کو برقرار رکھتی ہے وہ ہے اس کا مخصوص انداز بیاں۔ یہاں فسانۂ عجائب کی طرح فارسی آمیز مسجع اور مرصع زبان کا استعمال ہے جو لکھنوی تہذیب کا خاص وصف تھے جو روانی اور لطافت ہمیں فسانۂ عجائب کی زبان کا خاصہ نظر آتی ہے مثلاً:

[1] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصہ اول از احمد حسین قمر، ص ۹۸ تا ۹۹، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

''شہر نفیس، مجمع رئیس، ہر فن کا کامل، یہاں حاصل ہے۔ خوشنویس حافظ صاحب سا، اس قطع کا قطعہ لکھا، جو میر علی یا آغا جیسے ہوتے، اپنے لکھے کو روتے، اشکِ حسرت سے وصلیاں دھوتے، مرزائی صاحب کا یہ حال تھا کوئی پرچہ ان کا ان کی نظر پڑ جاتا، نیریز، بریز، بریز کہتا۔ یاقوت رقم ہیرا کھاتا، مرثیہ خوان جناب میر علی صاحب نے وہ طرز نو مرثیہ خوانی کا ایجاد کیا کہ چرخ کہن نے مسلم الثبوت استاد کیا۔ علم موسیقی میں یہ کمال بہم پہنچایا۔ اس طرح کا دُھرپت، خیال پٹہ گایا اور بنایا کہ کبھی کسی نایک کے وہم وخیال میں نہ آیا تھا۔ ایک رنگین احاطہ کھینچتا ہے، جو اس میں آیا پھولا پھلا، وہ اُن کا پیرو ہوا، اور جس نے ڈھنگ جدا کیا، وہ ٹکسال باہر، بدرنگ ہوا۔''[1]

وہی پرکشش اضافتوں سے بھرپور بامحاورہ زبان ہمیں طلسم ہوشربا میں بھی نظر آتی ہے اور روانی کے ساتھ فارسی کی آمیزش اس کے لطف کو مزید دوچند کرتا ہے خواہ جنگ کی شکست وریخت کا ذکر ہو خواہ جشن کی آراستگی کا یا نوحہ و ماتم کا داستان گو کی زبان موقع کی نزاکت کے اعتبار سے اپنے قلم کا جادو بکھیرتی ہے یہی وجہ ہے کہ اتنی ضخیم داستانوں کو پڑھنے میں کہیں بوجھل پن کا احساس نہیں ہوتا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

''شہسواران توسن عیاری وگام فرسایان صحراے پرآفات خنجر گزاری سمند تیز گام کلک کو میدان مکاری مین یون جولان کرتے ہیں کہ جس وقت خواجہ عمرو و ملکہ مہ جبین و ملکہ مہرخ کو روتا پیٹتا چھوڑ کر سب کی محبت سے مُنھ موڑ کر مع خزانہ و بارگاہ بصد عزوجاہ آمادۂ سفر ہوے ملکہ مہرخ و ملکہ مہ جبین و ملکہ لالان خون قبا روتی پیٹتی خاک اڑاتی لشکر مین آئین لیکن مرنے پر کمر باندھے ہوے انتظار صنعت مین بیٹھی ہین یہی خیال ہے دل پر ہجوم غم و ملال ہے کہ اب صنعت سحر ساز آئے گی ہم چند دست و پا شکستہ کو مشکین باندھکر لے جائے گی۔''[2]

''ماہ تابان کبھی بدر کامل کبھی ہلال ہے ترقی وتنزل کا یہی حال ہے۔''[3]

---

[1] فسانۂ عجائب از مرزا رجب علی بیگ سرور، ص ۱۱۶، سنگمپر پبلشرز، الہ آباد، ۱۹۶۹ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۲۸، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[3] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۲۹، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

''من آنم کہ من خوب میدانم''[1]

''جب ایرج نو جوان کو بلایا شاہزادہ مسلسل ومطوق جھومتا ہوا سامنے کوکب کے پہنچا پکار کر آواز دی کہ سلام من درین مجلس و درین مجمع بر کسے باد کہ بداند وبشناسد کہ خدا ایک است و دین پیغمبر خدا برحق۔''[2]

''اراکین طلسم ہوشربا ہین شہرۂ آفاق فنون افسونگری مین طاق آخر افراسیاب جھلایا اس ہنگامۂ سحر مین سے نکلکر الگ ہوا بہار نے کہا اے باغبان بچنا افراسیاب اور کچھ تدبیر کرتا ہے مگر اسکے سحر سے کون ہوشیار ہوسکتا ہے پلک جھپکانا دشوار ہے پیچھے ہٹ کر افراسیاب نے ایک دو ہتڑ زمین پر مارا سامری کا نعرہ کیا زمین سے شعلے آگ کے نکلنے لگے غبار زرد بلند ہوا سب سے پیشتر باغبان دردمند ہوا لڑکھڑا کے زمین پر گرا بران نے چاہا اپنے کو سنبھالون نہو سکا یہ بھی زمین پر گری بہار کا گل سا چہرہ کمھلایا باغبان پر زوال آیا اب بہار کب بچ سکتی ہے برق لامع کو تڑپن رعد کو اُلجھن مخمور کو غشی طاری ہوئی نشۂ بادۂ سحر نے مست کر دیا سب گر کر بیکار ہوے افراسیاب نے تیغہ کھینچا چاہا جا کر ان سب کے سر کاٹ لون بران کی بوٹیان اُڑا دون اسوقت اِن سردارون کا بیقرار ہونا بلک بلک کے رونا اپنے معبود حقیقی رب تحقیقی سے رجوع کی تڑپ کر آواز دی کبھی اوصاف رب اکبر بیان کیے اے رب دو جہان اے خالق کون ومکان تو خالق یکتا صانع مہر وماہ بادشاہ عالیجاہ۔''[3]

طلسم ہوشربا کے سماج میں بولی جانے والی زبان بھی لکھنؤ کی تصنع آمیز گلکاری والی زبان ہے۔ یہ زبان فسانۂ عجائب کی زبان سے مماثلت رکھتی ہے۔ یہاں طولِ اضافت بھی ہے اور تشبیہات و استعارات کی لمبی جھڑی بھی یہ سجاوٹ صرف زبان تک محدود نہیں، ہر جشن کے موقع پر تمام شہر شہر نگاراں بن جاتا ہے، حسیناؤں کے جوبن جنت کی حوروں کو بھی شرماتے ہیں، برتن کھانے اور دیگر تمام چیزوں کا ذکر حسن اور لذت سے لبریز ہوتا ہے۔

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص ۵۸۱، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، ص ۸۳۷، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[3] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصہ دوم از احمد حسین قمر، ص ۲۰۸، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

''ملکہ بہار ملکہ زلزلہ وغیرہ کو ہمراہ لیکر داخل گلستان عشرت کار ہوئی پچھلا پہر دن باقی تھا کہ لب نہر یہ گلعذار زیب و سادہ سبزہ زار ہوئی خواصان گل پیرہن و یاسمن بدن نے آکر جام مے گلرنگ دینا آغاز کیا کنارہ جو سبزہ لگا تھا لطف بیکشی تھا کہ مینائے فلک سے آفتابی خورشید ساغر مغرب مین ساقی دہر نے بھری اور سرور نشہ کا سواد چشم شاہد شب مین آیا ہر سمت عالم نور نظر مین سمایا۔ باغ مین مقیش اڑنے لگا رقص ہونے لگا بام بارہ دری پر ملکہ بہار مع مہمانو نکے زرنگیرہ زرتار آکر جلوہ بخش ہوئی اسوقت کی کیفیت قابل دید تھی وہ جلسہ اگر نظر سے گزر جائے تمام عمر اسکی حسرت مین بشر افسوس کر کے مر جائے نازنینو نکے جسم منور کی چمک اور پھولونکی مہک شبنمی دوپٹونکی آڑ مین جوبن کی بہار سینون پر کچونکا اُبھار قہقہے انکے خندۂ گل کو شرماتے لب مخملین غنچۂ نیم بشگفتہ نظر آتے بھٹینان چھاتیونکی اودی اودی کنول پر بھنورے کی کیفیت دکھاتین زاہد صد سالہ کو جوش مستی مین لاتین چاندنی کا کھیت کرنا نہرونکا موج مارنا پھولونسے دماغ دہر بس جانا عجیب ایک ہنگامہ عشرت تھا سامان مسرت تھا اس عالم مین ملکہ کو صحبت بادشاہ اسلامیان یاد آئی شب ہجر وہ شب مسرت پائی آہ کا دھوان ایسا بلند ہوا کہ سروستان باغ محبت بن گیا درد جگر نے لب خوشرنگ پر جمکر مستی کا عالم دکھایا وہان تنگ غنچۂ سوسن نظر آیا سینہ داغون سے گلشن بنا''[1]

یہ صرف داستان کی ہی زبان نہیں ہے بلکہ عام لوگوں میں بھی اس طرح کی زبان کا رواج عام تھا اس وقت کی تحریر کردہ کوئی بھی کتاب دیکھئے اس میں زبان کے یہی نقوش نظر آئیں گے خواہ وہ تاریخ ہو یا سماجیات یا کھانے پینے کا ذکر یا سفرنامے زبان کی یہ گلکاریاں اس وقت کی تمام تصانیف میں نظر آئیں گی۔ وہ رتن ناتھ سرشار ہوں یا عبدالحلیم شرر ہوں، محمد حسین جاہ ہوں یا نجم الغنی جب ان کے قلم رواں ہوتے ہیں تو مسجع و مقفع عبارت ہی ضابطۂ تحریر میں آتی ہے کیونکہ یہ لکھنؤ کی زبان کی بنیادی خصوصیت تھی۔

''کلانوت قوال بے مثال، چھجو خاں غلام رسول، سب کو موسیقی میں کمال حصول شوری کی منہ زوری کی دھوم ہے۔ ٹپّے کا موجد ہوا۔ سب کو معلوم ہے۔ بخشو سلاری نے

[1] طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص ۵۲۰ تا ۵۲۱، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

طبلہ ایسا بجایا کہ پکھاوج کو شرمایا۔ پتنگ ایسا بنا، ایسا لڑا کہ نزدیک و دور مشہور ہے۔
ستر پچھتر تار ڈور کا، پتنگ خیراتی یا چھنگا کے ہاتھ کا، لڑائی کی گھات کا، ستم کی عافیت
تنگ کرنے والا، منحنی ہاتھ پاؤں پر مولوی عمدو نے ایسا لڑایا، عمداً اتنا بڑھایا کہ
کروبیوں سے عبادت چھوٹی، دوڑ دوڑ کر ڈور لوٹی۔ آنکھ بچا کر پٹیا توڑا۔ فرشتے خاں
کا پتنگ نہ چھوڑا۔ مردان بیگ مانجھا دینے والا، دیکھا نہ سنا۔ غرضکہ جو چیزیں یہاں
نئی بنیں، اور ایجاد طبیعت سے کاریگروں نے نکالیں۔ سلف سے آج تک نہ ہوئی
تھیں۔ زردوزی ایسی بنی، یہ باریکی چھنی، کہ باہر بندو اورگی کی پنّی جو پائیں،
بجائے جیغہ و سرپیچ سر پر لگائیں۔ جوتا خورد نوک کا ببر علی نے اس نوک جھونک کا بنایا
کہ جہاں کو پسند آیا، آرام پائی جس کے ہاتھ آئی۔ دل نے چین پایا۔''[1]

لکھنؤ کا ایک مخصوص انداز پھبتیاں، مسخرہ پن، طنز اور برجستگی بھی تھا۔ یہاں پر شوخی، زبان و بیان کا رنگ الگ ہوتا ہے نیز واجد علی شاہ کے پری خانہ کے اثر سے معشوقانہ ادا بھی وہاں کی اس تہذیب کا حصّہ بن چکی تھی جسے نسوانی تہذیب کہتے ہیں۔ اس کے نمونے واجد علی شاہ کے کلام میں بھی ملیں گے اور تاریخ اودھ سے اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

''چار پانسو عورتین پری پیکر خوبصورت ملازم سلطانی ان مہریونکی ہمراہی مین تھین
ایک سے ایک حسن و جمال مین غیرتِ آفتاب و ماہتاب تھی سن وسال مین کوئی پری
رخسار بیس پچیس برس سے زیادہ نہ تھی یہ عورتین پُر تکلف پوشاکون اور زیور سے
آراستہ رہتی تھین ہر وقت عطر سے معطر ہوتی تھین اکثر امراے تماشبین ان دلفریبون
سے شب کو پہلو گرم کرتے تھے۔''[2]

ایسے ہی طنز اور مسخرہ پن کی مماثلت طلسم ہوشربا میں بھی ملتی ہے جس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

''اس گلبدن نے کہا ٹھہرو تو یہ کہکر بلہرا نکالا گلوری کھائی اخگر سمجھا کہ یہ اگرچہ زیور
وغیرہ پہنے ہے مگر بلہرہ دیہات کی نشانی ضرور ہے خاصدان کا تو نام بھی نہ جانتی ہوگی
الہڑ بھی ہے خوب نبھے گی یہ سوچکر بولا جانی ہمکو گلوری نہ دی اس ماہ وش نے کچی

[1] فسانۂ عجائب از مرزا رجب علی بیگ سرور، ص ۱۱۸، سنگم پبلشرز، الہ آباد، ۱۹۶۹ء
[2] تاریخ اودھ، حصّہ چہارم از نجم الغنی، ص ۳۴۷، مطبع منشی نول کشور لکھنؤ، ۱۹۱۹ء

زبان مین جوابدیا کہ جانی کسکا ناوہی یہ خوب ہنسا اور پھراس سے کہا ایک بیڑا ہمکو
بھی دوا سنے انگوٹھا دکھادیا اوراسکا منھ چڑھا کر مسکرادیا یہ اس ادائے دلفریب سے اِسکی
بیچین ہوگیا اور لپٹکر بلہرہ چھین گئی پان ایکبار کھا گیا ادھر پیک حلق کے نیچے اتری
ادھر بیہوشی اثر پذیر ہوئی بیہوش ہوکر گراوہان تنہائی تو تھی ہی چالاک نے فوراً سر کاٹ
ڈالا غل وشور ہوادار وگیر کی صدا بلند ہوئی چالاک نکل کر بھاگا اور ہنگامہ سنکر بختیارک تو
قید ہے یہ کسنے مارا۔''[1]

لکھنؤ کی بیگماتی زبان بھی نہ صرف لکھنؤ بلکہ پورے شمالی ہند میں رواج پا گئی تھی۔اسکے نمونے بھی طلسم ہوشربا میں بہت مقامات پر نظر آئیں گے۔لکھنؤ کی بیگماتی زبان میں شہری تہذیب اور دیہات کا ملا جلا رنگ ہوتا تھا بیگمات کا رابطہ نچلے طبقے اور نوکرانیوں سے زیادہ رہتا تھا۔لہٰذا ان کا اپنا جدا رنگ ہوتا۔وہ آپس میں ہتک آمیز لہجہ میں باتیں کرتی تھیں اور اکثر ان کی زبان پر نستعلیق اردو کے بجائے روزمرّہ کی بول چال کی زبان جس میں بیشتر مخاطب کے لیے حقارت آمیز رویہ ہوتا تھا استعمال ہوتی تھی۔افسانوں اور ناولوں میں یہ زبان خوب رواج پائی خصوصاً عصمت چغتائی کے افسانوں میں۔طلسم ہوشربا سے اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔

''یاقوت جو لیٹی ہوئی تھی اوس نے پوچھا کیا ہے سیوتی نے عرض کیا کہ شہنشاہ آتے
ہین یہ سننا تھا کہ وہ گھبرا کر اوٹھ بیٹھی اور کہا اری سیوتی تجھے خدا کی مار موئی غارت ہوئی
مالزادی ارے جلدی فرش وغیرہ آراستہ کر کیون میری ناک کٹوایا چاہتی ہے کشتیان
نذر کے لیے جواہر کی لاتو تو ایسا بیٹھی ہے جیسے چہلے کی بھینس ارے موئی تو اُڑ کیون
نہین جاتی ہے مالزادی گھورتی ہے یہان مسند بچھا کر تکیے گرد میرے لگادے کہ مین
بھی پلنگ سے اوتر کر بیٹھون۔''[2]

عام طبقات کی عکاسی

طلسم ہوشربا میں اودھ کے عام طبقے کی بھی عکاسی ملتی ہے جتنی بھی طلسمی ریاست ہیں وہاں کے

[1] طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص ۷۰، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۲۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

حاکموں کی خدمت اورتفریح کے لیے کئی طرح کے ملازمین ہوتے ہیں جن مین خانسامہ، جمعدار، مہترانی، بھٹیارن، ڈومنی وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام کرداروں پر ہمیں لکھنوی اثرات کی نمائندگی نظر آتی ہے۔ تاریخ میں بھی اس طرح کی بھٹیارن، ناؤن، جمعدارن، مامائیں وغیرہ بھی اس تہذیب کے خاص حصّے کے طور پر نظر آتی ہیں۔ ڈومنیوں اور بھٹیارنوں کے حوالے تاریخ میں بھی ملتے ہیں۔ 'گذشتہ لکھنؤ' سے ایک مثال ملاحظہ ہو۔

''تمام قصبات اور کل شہروں میں شادیوں میں گانے والی میراثنیں اور جاگنین مدت ہائے دراز سے ہوتی آئی ہیں۔ جن کی وضع ڈفالیوں کی طرح ہمیشہ یکساں رہی۔ مگر ڈومنیوں نے لکھنؤ میں عجیب نمایاں ترقی کی۔ ڈھول کو چھوڑ کے انھوں نے رنڈیوں اور مردانے طائفوں کی طرح طبلہ، سارنگی، اور مجیرے اختیار کیے، صرف گانے کی حد سے ترقی کر کے ناچنا شروع کیا اور اسی پر کفایت نہ کی بلکہ بھانڈوں کی طرح زنانی محفلوں میں نقلیں بھی کرنے لگیں۔ شادی کی تمام رسموں کا وہ سب سے بڑا عنصر بن گئیں اور دولت مند گھرانوں کی بیگموں کو ایسا گرویدہ کرلیا کہ کوئی محل اور کوئی ڈیوڑھی نہ تھی جس میں ڈومنیوں کا کوئی طائفہ نوکر ہو۔ ان میں سے اکثر گانے اور ناچنے میں بے مثل ہوتی تھیں۔ اور ایسے نور کے گلے پائے تھے کہ زنانی محفلیں، مردانی محفلوں سے زیادہ شان دار اور حد درجہ دلکش و پرلطف ہوگئیں۔ خصوصاً محفلوں میں ان کی شوخیاں اروجدّت طرازیاں ایسی دل فریب ہوتی تھیں کہ مردوں کو اکثر تمنا رہتی تھی کہ کسی طرح ڈومنیوں کا مجرا دیکھنے کا موقع ملے۔ اس لیے کہ ڈومنیاں مردانی صحبتوں میں گانا ناچنا کسی طرح گوارا نہ کرتی تھیں۔۔۔۔۔۔ جیسی جیسی نامی لے دار اور گلے باز ڈومنیاں لکھنؤ میں گزر گئیں، ویسے گویے بھی کہیں نہ پیدا ہوئے ہوں گے۔''[1]

طلسم ہوشربا میں بھی یہ رنگ کثرت سے دیکھنے کو ملتا ہے خصوصاً عیاروں کو بھیس بدلنے کے لئے نوکر چاکر خادماؤں و مہتر کی شکل بنانا صرف آسان نہیں دھوکہ دینے میں بھی معاون تھا اور شکل تبدیل

[1] گذشتہ لکھنؤ از عبدالحلیم شرر، ص ۲۴۶ تا ۲۴۷، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۱ء

کرنے کے لیے آسان بھی ہوتا تھااور یہ کردار بآسانی عیاروں کی گرفت میں آجاتے ہیں کیونکہ ان کی باہر کی دنیا میں بھی آمدورفت ہوتی تھی۔اس طرح ایک بھٹیارن کا رنگ ملاحظہ ہو:

''بھٹیاری پیٹ پکڑے دوڑی آئی دیکھا تو بڑھیا پٹاری کھولے تمبا کو کھا رہی ہے یہ بھی بیٹھ گئی بڑھیا نے اسکو بھی تمبا کو دی اور کہا مین سوتی ہون تھک بہت گئی ہون مہترانی دو گھڑی رات تڑکے سے مجکو جگا دینا اور مین تجکو دو پیسے زیادہ دون گی میرا حال کسی سے ذکر نہ کرنا بھٹیاری اس ممانعت سے سمجھ گئی کہ بیشک اسمین کچھ بھید ہے لیکن بظاہر بولی کہ نہین مین بھلا کس سے کہونگی ہملوگن کا بی بی یہ طریق نہین غرضکہ بڑھیا نے لیٹ کر نفیر خواب بلند کی اور اس نوجوان نے چپکے چپکے رونا شروع کیا بھٹیاری نے پاس آ کر بلائین لین اور کہا بی بی رووت کیون ہو اس نازنین نے کہا مین مقسوم جلی نانصیب کیا اپنا حال بیان کرون یہ بڑھیا محل مین میرے جایا کرتی تھی دم دلاسا دیکر بھگا لائی مین ایک زمیندار کی بیٹی ہون اور وہ گاؤن کا صرف مالک نہیں ہے کئی اور بھی گاؤن مین تجارت بھی کرتا ہے بڑا مال اپنے پاس رکھتا ہے آج مجکو گھر چھوڑے تیسرا روز ہے نہ گھر جا سکتی ہون نہ کہین اور میرا ٹھکانا یہ بڑھیا کٹنی ہے اور میرا زیور اُتار کر مجکو بیچنا چاہتی ہے مہترانی اگر تم سے ہو سکے تو میرا اّلہ یہ تم لو اور اس بڑھیا کے پھندے سے مجکو چھڑاؤ۔''[1]

ہندوستان میں طریقۂ علاج دیسی ہوتا تھا۔ بیماری اور ان کا علاج عوام وخواص دونوں کی اہم ضرورت تھی۔ چنانچہ اس دور کے ہندوستان میں انگریزی دواؤں سے وابستگی بہت کم یا بالکل نہیں تھی۔ چھوٹی سے لے کر بڑی بیماری تک کے لیے نیز طاقت اور دفاع کمزوری کے لیے عموماً یونانی اور آیرویدک علاج ہی ہوتا تھا حکیم اور وید کی موجودگی تمام داستانوں اور ناولوں میں نظر آتی ہے۔متفرق روغن اور یونانی حکیموں کی دوائے صحت بھی مسلم تہذیب کا حصّہ ہے۔ بڑی سے بڑی بیماری میں بھی حکماء کا ہی علاج ہوتا تھا جس کا ذکر متعدد تاریخی کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ تاریخ سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ 'گذشتہ لکھنؤ' میں حکیموں کا ذکر کچھ اس طرح پیش کیا گیا ہے۔

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص ۶۷، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

''آصف الدولہ کے زمانے میں جب لکھنؤ کمالوں کی قدردانی کا مرکز قرار پایا تو دہلی کے بہت سے خاندانی اطبّا نے یہیں توطّن اختیار کرلیا اور چندروز کے بعد زبان اور شاعری کی طرح فن طب بھی خاص یہیں کا فن بن گیا چنانچہ لکھنؤ کے حکیم مسیح الدولہ، حکیم شفاالدولہ، حکیم مرزا محمد علی، حکیم سید محمود مرتعش، حکیم مرزا کوچک، حکیم بنّا، حکیم مرزا محمد جعفر کے ایسے عالی پایہ وگراں قدر طبیعت پیدا کئے تھے جو سچ یہ ہے کہ اپنے فنون کے مجتہد تھے اور سلف کے سارے سرمایۂ علمی پر ان کی نظریں تھیں، ہوتے ہوتے فن طب کو یہاں تک ترقی ہوئی کہ لکھنؤ کا شاذ و نادر ہی کوئی محلّہ ہوگا جس میں کوئی نام ور خاندان اطبّا نہ موجود ہو۔ خاص شہر کے صدہا محلّوں کے علاوہ گردونواح کے گانو اور قصبوں میں بھی ہزاروں مطب جاری تھے۔ اور ہندوستان کے جن درباروں اور شہروں میں مشہور و نامور طبیب سب لکھنؤ اور اطراف لکھنؤ کے تھے۔ چنانچہ قصبۂ موہان کے ایک طبیب کو دربار گیکھاڑ بڑودہ میں وہ عزت حاصل ہوئی جو بہت کم اطبّا کو حاصل ہوسکی ہوگی۔ غرض ایسے نامور طبیب خاک لکھنؤ نے پیدا کئے جن کی مسیحانفسی کے کارنامے آج تک بچے بچے کی زبان پر ہیں۔

دربار اودھ کے آخر عہد میں سید محمد مرتعش کے ایک شاگرد رشید کلیم محمد یعقوب نے اپنا مطب جاری کے ایسی مرجعیت عامہ حاصل کی کہ اُن کی ذات سے ایک بہت بڑے نامور طبّی خاندان کی بنیاد پڑ گئی جو آج بلا مبالغہ دنیا بھر میں جواب نہیں رکھتا۔ اسی خاندان کے مرحوم ناموروں میں حکیم محمد ابراہیم، حکیم حافظ محمد عبدالعلی، حکیم محمد اسماعیل، حکیم محمد مسیح، حکیم محمد عبدالعزیز، حکیم حافظ محمد عبدالولی تھے۔ اور حکیم عبدالحفیظ صاحب، حکیم عبدالرشید صاحب، اور حکیم عبدالمعید صاحب اس وقت اپنی مسیحائی کے کمالات دکھا رہے ہیں۔ کاش یہ اپنے خاندانی فن کو چھوڑ کے دوسری ہوسوں میں نہ پڑتے۔''[1]

تاریخ کے بعد اب ذرا داستان طلسم ہوشربا میں حکیموں کا نقشہ ملاحظہ ہو:

''ابوالفتح یہاں پھنسا خیال کیا یہ مکان جو سامنے احاطے کے ہے اسکو چلکر دیکھوامیہ

---

[1] گذشتہ لکھنؤ از عبدالحلیم شرر، ص ۱۵۸ تا ۱۵۹، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۱ء

مکان سے کوٹھے پر آیا دیکھا ایک مرد اور ایک عورت مکان مین ہے مرد تو کپڑے پہن رہا ہے عورت نے دو شیشی اور کاغذ بہت سا لاکر ایک تخت پر رکھا جب مرد کپڑے پہن چکا عورت نے کہا یہ دونون شیشی تیار ہین مگر دوا ے صحت آج بہت کم ہے مرد نے کہا آج تو زیادہ چاہیے حکم آیا ہے کہ آج سے پچیس عدد شیر جایا کرین کہ سات دن کے عرصے مین فقط طلسم کشا اپنی فوج مین اکیلا رہے اور کوئی باقی نہ رہے عورت اندر سے جا کر ایک شیشی اُٹھا لائی کہا اسمین روغن آبلہ ہے دوسرے مین روغن صحت ہے مرد انھین لیکر باہر چلا امیہ نے شیشیونکی بخوبی پہچان لیا نیچے آیا یہ شخص سمت احاطہ چلا۔''[1]

صرف جشن، رہن سہن، کھان پان اور زبان میں طلسم ہوشربا اودھ سے مماثلت نہیں رکھتی بلکہ طلسم کا طریقۂ حکومت و نظام بھی انتظام اودھ سے مماثلت رکھتا ہے یہاں کے افسران ہمیں اودھ کے افسران نظر آتے ہیں اس وقت ہندوستان پر انگریز حاوی تھے۔ حکومت اودھ کی فوج کا جو سرکاری نظام تھا وہ انگریزوں کے طرز انتظامیہ کا تھا یہاں مغلیہ طرز کی منصب داری نہ ہوکر انگریزوں کے طرز کی افسر شاہی تھی۔ یہ طرز حکومت طلسمی حکومت سے بہت مماثلت رکھتی ہے۔ 'تاریخ اودھ' میں نجم الغنی نوابین اودھ کی فوج کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ ۔

''شجاع الدولہ نے انگریزون کی نقل پر فوج تیار کرنی شروع کی تلنگے اور چھلنگے مقرر کر کے تورہ دار بندوقون کی جگہ چقماق دار بندوقون سے اُنکو مسلح کیا پٹھان اور شیخ اور مغل نوکرون کو یکقلم موقوف کر دیا ارو جدید سپاہ کی درستی شروع کی ستر (۷۰) ہزار کے قریب سپاہی نوکر رکھ کے پلٹنین بنائین اور قواعد سکھائی اور سوار اُنکے پاس پچاس ہزار سے کم نہ تھے۔ علاوہ اگلی توپون کے چار (۴) سو توپین نئی تیار کرائین بعض کہتے ہین کہ ایک لاکھ ۳۳ ہزار ہر قسم کے پیادے تھے اور نادر العصر مین لکھا ہے کہ آخر زمانۂ شجاع الدولہ مین اٹھائیس ہزار سوار شیخ احسان مرتضٰی خان بڑیچ۔ خواجہ اسد خان اٹکسی اور یوسف کان قندھاری کی افسری مین تھے اور تاریخ شاہیہ مین پیادون کی ستّر (۷۰) یا اسّی (۸۰) پلٹنین بتائی ہین محمد فیض بخش فرح بخش مین کہتا ہے کہ نواب نے اسّی (۸۰) ہزار سُرخ وردی والے تلنگے اور سیاہ وردی والے چالیس ہزار سپاہی

[1] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، ص ۲۴۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

جمع کیے تھے۔ بائیسی کا شمار سیاہ وردی والون مین تھا اور اپنے بعض خواجہ سراؤن اور
چیلون اور غلامون کو انگریزی فوج کی نقل سے جنرل بنایا جنکے ساتھ پلٹنین توپخانے
اور اسباب وغیرہ مع متعلقات کے مقرر کیا۔ اُنکے نام یہ ہیں۔ محبوب علی بسنت علی۔
شیدی بشیر۔ لطافت علی جس کا عرف خواجہ لطافت ہے۔''[1]

صفدر حسین بھی 'لکھنؤ کی تہذیبی میراث' میں شجاع الدولہ کے نظام حکومت میں بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اس جمعیت کے علاوہ شجاع الدولہ کے پاس بائیس ہزار پیغامبر اور ناموس بھی
ملازم تھے جو ہفتہ وار پونا سے اور پندرہ روزہ کابل سے خبریں لاتے رہتے تھے۔''[2]

طلسم ہوشربا اودھ کی ریاست کے زوال کے فوراً بعد ضابطۂ تحریر میں آئی چنانچہ طلسم افسران میں بھی اودھ کے افسران کی جھلک نظر آتی ہے، جس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

''قمقام جادو نے غل مچایا یارو اس ظالم کو لینا کمند ہاے سحر مین گرفتار کرلو ایک شخص پر
تمھارا قبضہ نہین ہوتا جھلاّ کر ساحرون نے آواز دی آپ تین لاکھ کے افسر ہین سب
طرح ہمسے بہتر ہین پانچہزار روپے تنخواہ کے پاتے ہین مقابلے مین دشمن کے نہین
جاتے ہین برق جہندہ پر کون ہاتھ ڈالے شیر پر بلوہ کیا کرین سحر ہمارا جواب دیتا ہے
ہمارے دار چلنے مین وہ رستم صولت صاحب ہمت سپر بھی منھ پر نہین لیتا افسر ایسے
ہوتے ہین آپ ہمارے بھروسے چلے تھے ملکہ ماہیان نے جو حکم دیا جاگیر و منصب
ملیگا قتل کا بیڑا اُٹھایا اب کیون نہین مقابلہ کرتے شرما کر قمقام جا پڑا کہا او نامردمین
تمھارے بھروسے پر نہین آیا ہون دیکھو کوکب کو مارتا ہون بڑھکر سحر کرنے لگا گولا
مارا۔''[3]

طلسم ہوشربا میں لکھنؤ کی ہی طرح جانوروں کی لڑائی کو کھیل کے طور پر استعمال کرنے کے مناظر بھی ملتے ہیں۔

---

[1] تاریخ اودھ، حصہ دوم از نجم الغنی، ص ۱۵۷، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۹ء

[2] لکھنؤ کی تہذیبی میراث از ڈاکٹر سیّد صفدر حسین، ص ۱۲۶، اردو پبلشرز، ۸ تلک مارگ، لکھنؤ، ۱۹۷۸ء

[3] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، ص ۸، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

''اسد نے فقرہ مذکور کہکر پھینکا شیر وفیل آپس مین لڑنے لگے ایک نے ایک کو ہلاک کیا ہر کس یہی چاہتا ہے کہ لوح کو اٹھا لون تین سو شیر و پلنگ وغیرہ آپس مین لڑکر ہلاک ہوئے گوشت خرد دندان سگ کا مضمون ظاہر ہو گیا ایک شیر ببر سب مین قوی تھا وہ باقی رہا۔۔۔۔''[1]

یہ مناظر کہیں اور سے نہیں بلکہ اسی لکھنوی تہذیب کی طلسمی فضا سے مستعار ہیں جہاں پتنگ بازی کے ساتھ مرغ بازی، بٹیر بازی یہاں تک کہ شیر اور تندوؤں کی لڑائی بھی کرائی جاتی تھی۔ 'گذشتہ لکھنؤ' میں اس طرح کی لڑائیوں کے بارے میں شرر نے لکھا ہے۔

''شیر اکثر تیندوؤں سے لڑائے جاتے مگر یہاں ایسے ایسے زبردست تیندوے تھے جن سے شیر بہت کم جیت سکتا۔ ان کی لڑائی کی شان بھی وہی ہوتی جو شیروں کے باہم لڑنے کی ہے کبھی کبھی شیر اور ہاتھی بھی لڑا دیے جاتے مگر ان کی لڑائی جوڑ کی نہ ہوتی اور اس کے نتیجے بھی خلاف امید مختلف قسم کے ہوتے اگر ہاتھی خوب خیالا ہوتے تو شیر بہت کم اس سے پیش پا سکتا تھا۔ سب سے زیادہ پر لطف لڑائی شیر اور گینڈے کی ہوتی، گینڈے سوا پیٹ کے حصّہ زیریں کے، روئیں تن واقع ہوا ہے۔ اس پر نہ شیر کے دانت اثر کرتے ہیں اور نہ پنجے۔ اِسی قدر مضبوطی کے زعم میں وہ کسی زبردست سے زبردست حریف کی پروا نہیں کرتا۔ اور خود جب سر جھکا کے حریف کے پیٹ کے نیچے گھستا ہے تو اپنے بانسے کے اوپر والا ہولناک سینگ پیٹ میں اس طرح پیوست کر دیتا ہے کہ آنتیں باہر نکل پڑتی ہیں اور حریف کا کام تمام ہو جاتا ہے، شاذ و نادر ہی کبھی ایسا ہوا کہ شیر نے گینڈے کو چاروں خانے چت گرا کے اپنے ناخنوں اور دانتوں سے اس کے پیٹ پھاڑ ڈالا ہو ورنہ اکثر یہی ہوتا کہ گینڈا اپنا سینگ بھونک کے شیر کو مار ڈالتا۔''[2]

گاؤں اور گاؤں کے زمینداروں کا ذکر بھی کہیں کہیں ملتا ہے۔ اس کے علاوہ بھٹیارن، جمعدارن، مہترانی وغیرہ عام طبقے کے کردار ہر جگہ نظر آجاتے ہیں۔ طلسم ہوشربا جلد ششم سے گاؤں کا ایک

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، ص ۴۲۹، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] گذشتہ لکھنؤ از عبدالحلیم شرر، ص ۱۹۶، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۱ء

منظر پیش ہے۔

''جو جو گاؤں قریب تھے وہان کے رہنے والون س ء جو ملاقات ہوئی کسی نے کہا ہمارے گائون سے چار غائب ہوے کسی نے کہادو کا پتہ نہین ہے تلاش کرتے کرتے آخر خبر سنی مشعل جادو مالک حجرہ بلا مہمان افراسیاب ہوا ہے اسی کے واسطے طفلان حسین پکڑے جاتے ہین صد ہالاشہ جنگل مین ملا ویلم کو یہ سب خبرین گذرین ویلم نے ایک آواز دی دیہات سے گہار جمع ہوئی ساٹھ ستر ہزار گنوار سب کا افسر ویلم اور سب پٹی دار سب کے سامنے ویلم نے بدعت افراسیاب ظاہر کی سب نے کہا ایسے پادشاہ کا منھ جلانا چاہئیے تمام دیہات کےلڑ کے غائب ہوے سب کے مردے ملے چل کراس حرامزادے بجیا کو مارو پکر کراس کی بھی ذلت کی تدبیر کرو یہی اس کی سزا ہے افراسیاب بولے گا اس سے بھی موجود ہین اب دیہات مین غریو ہوا ساٹھ ہزار زمیندار پاسیون کے پرے جمے ہوے تیر کمٹھے لیے ہوے دیہات سے نکلے طرف لشکر افراسیاب کے چلے یہان وہ وقت ہے کہ مشعل میدان مین کھڑا ہے چاہتا ہے کہ مبارزطلبی کرون افراسیاب قریب تخت حیرت براے انتظام کھڑا ہوا ٹہل رہا ہے کہ دیکھا صحرا سے گرداڑی گنوارون کا لشکر بصد کروفر گنوار ٹٹوؤن پر سوار ڈھال پھٹکے باندھے ہوے ایک سمت پاسیون کے پرے خبردارون نے کہا گسیان وہ سر شعبدہ باز کھڑا ہے گوٹے پٹھے کے کپڑے پہنے ہے افراسیاب سمجھا تھا یہ سب زمیندار مابدولت کی مدد کو آے ہین یکا یک سب بلوہ کر کے طرف مشعل کے چلے گالیان دیتے ہوے افراسیاب نے پکارا ارے تم کون ہو جوش محبت مین اپنے اپنے فرزندون کی مشعل پر جا گرے ویلم نے جھپٹ کر مشعل کو نیزہ مارا کوئی گرز لے کر بڑھا پاسیون نے تیرون کی بوچھار کی جب تک فوج افراسیاب پہونچے مشعل کو مثل چیونٹیون کے لپٹ گئے وہ جو آپس مین وعدے کر کے چلے تھے ببول کی بے چھلی میخین ہاتھ مین چاہتے تھے مشعل کے ساتھ مین وہی بات کرین افراسیاب جاپہونچا سرما و ابریق دوڑے لیکن مشعل کو نیم بسمل کر دیا ایسے قبضے بلچک پڑے بیہوش ہو گیا افراسیاب بمشکل چھوڑا کر لایا سرما و ابریق نے مشعل کو زمین سے اٹھایا

مشعل بیہوش وہ ہوش سر پھٹا ہوا جسم تمام پارہ پارہ علم کا یا پلٹ کا بھولا جب افراسیاب نے آ کر مدد کی کل زمیندار تلوار کھینچ کر افراسیاب پر جا پڑے تلوار چلنے لگی۔''[1]

عیش وعشرت اور جشن کا ماحول

شاہان اودھ کی تہذیبی وراثت کا جائزہ لیں تو نظر آئیگا کہ جہاں تہوار، خوشیوں اور فتوحات وغیرہ کے موقع بہت شان وشوکت سے آراستہ جشنوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ خصوصاً شادی بیاہ کے موقع پر دولہا دولہن کا خاص اہتمام ہوتا تھا نیز دعوت طعام میں اس قدر اہتمام ہوتے تھے کہ سن کر منھ میں پانی آ جائے۔ مؤرخین نے شاہان اودھ کے ان جشنوں کے چشم دید بیان رقم کئے ہیں۔ صفدر حسین 'لکھنؤ کی تہذیبی میراث' میں یوں رقمطراز ہیں:

''جب رات ختم ہوگئی اور دِن نِکلا بادشاہ نے بیدار ہوکر حمام کیا۔ پوشاک بدلی، لباسِ شاہی زیبِ تن فرمایا، تاجِ مُرصّع سر پر رکھا، موتیوں کا ہار گلے میں پہنا، جواہرات سے جڑے ہوئے چھوٹے بڑے جَوشن بازوؤں پر باندھے، انگلی میں انگوٹھی پہنی اصفہانی تلوار کمر میں لگائی، اور اِس بناؤ سے ہاتھی پر طلائی حوضے میں سوار ہوکر فرح بخش سے برآمد ہوئے۔ یہ حکم پہلے سے تھا کہ بازاروں کی دُکانیں اور لبِ سڑک کے مکانات آراستہ رہیں۔ صرّاف اپنی اپنی دوکانوں کو طرح طرح کے رنگوں سے منقش کر کے لباس ہائے فاخرہ پہن کر بیٹھے تھے جن کے سیدھی جانب اشرفیاں رکھی تھیں۔ اُلٹی طرف روپیوں کے ڈھیر تھے اور سامنے قِسم قِسم کے زیور اور سونے چاندی کے برتن رکھے ہوئے تھے بزازوں نے اپنی دوکانوں کو باولے، زربفت کمخواب اور اطلس کے قیمتی اور رنگین کپڑوں سے سجایا تھا اور دوکانوں کی چھتوں پر طوائف سنگار کر کے تماشے کی منتظر تھیں، سڑک پر تماش بین نوجوان بانکے ترچھے اچھے اچھے کپڑے پہنے پھرتے تھے کہ سواری بادشاہ کی آئی۔ اس میں علٰحیدہ علٰحیدہ جُلوس کی صف بندھی تھی۔''[2]

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۱۱۹ تا ۱۲۰، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] بحوالہ نجم الغنی، لکھنؤ کی تہذیبی میراث از ڈاکٹر سیّد صفدر حسین، ص ۱۶۲، اردو پبلشرز، ۸ تلک مارگ، لکھنؤ، ۱۹۷۸ء

طلسم ہوشربا میں بھی حمزہ کے بیٹے ایرج کی شادی کا اسی قسم کا منظر ملاحظہ ہو:۔

''اس لطف سے یہ محفل آراستہ ہوئی کہ دست راست والون کو رشک ہوا کہ خواجہ نے ایرج نوجوان کو پرورش فرمایا بذات خود اہتمام مین مصروف ہین بعد اس صحبت عیش و نشاط کے تیاری ہوئی کہ برات اس تکلف سے آراستہ ہو کہ کبھی ایسے سامان اس تکلف سے نہ ہوئے ہون خواجہ کے انتظام کاروبار عیاران خوش انجام سات لاکھ جوانان گلگون پوش مرکب باساز ویراق مرصع کار پھول بے شمار ایرج کو اُسی طرح تخت سلیمانی پر سوار کیا قاسم نے جوش محبت مین پایۂ تخت پر ہاتھ رکھدیا نورالدہر و بدیع الزمان بھاری سہرا سنبھالے ہوئے دولہا ماہ رخسار زیور گل کی بہار سہرہ زرتار کا جو چہرۂ زیبا پر آراستہ ہوا بیمثال انتخاب گویا خطوط شعاعی مین آفتاب صاحبقران زمان بصد عظم وشان پشت اشقر دیوزاد پر سوار تمام سرداران ایرج نامدار کمرین کسے ہوئے ہر مقام پر قلعہ آتشبازی چھوٹتے ہوئے اس تکلف سے منزلین طے ہو رہی ہین جس مقام پر شب کو اُتر پڑے زمیندار غنی ہو گئے اتنے بڑے لشکر مین گدا کی صدا نہین کوکب روشنضمیر نے قصر جمشیدی کو مثل عروس شب اول آراستہ کیا ہے جمشید نے آکر خبر دی کہ حضور اس تکلف سے قاسم وغیرہ نے محفل آراستہ کی ہے کہ روح جمشید پروانہ شمع محفل ہے و چراغ تابان و درخشان مثل ماہ کامل ناچ وغیرہ کا وہ سامان تھا کہ مشتری دلو جان سے خریدار زہرہ بصد رعنائی آئینہ وار فرش عرش تھا کرسیان جواہر نگار جھاڑ کنول نایاب کل سامان محفل انتخاب و لاجواب اے والد نامدار صاحبقران عالی وقار بڑی دھوم سے برات لیکر آتے ہین شمسہ ہائے بارگاہ دیکھ کر ماہ و مہر شرماتے ہین حضور بھی اس محفل عیش و سرور کو بہ تکلف تمام آراستہ کرین آپ کے بھائی صاحب خواجہ عمرو کو اس شادی کے تکلف مین بڑی کوشش ہے چاہتے ہین اس شادی مین ایسا سامان ہو کہ دیکھنے والے کیفیت شادی اسد نامدار کو فراموش کرین کوکب نے بہ تکلف تمام قصر جمشیدی کو آراستہ کردیا۔''[1]

مذکورہ مناظر صرف لشکر اسلام میں ہی نہیں ہے بلکہ طلسمی لشکر میں بھی اس طرح کے جشن آراستہ

[1] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، ص ۱۰۲۳، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

کئے جاتے ہیں۔ یہاں بھی گانے کے لئے بھٹیارن ہوتی ہیں، فیل بان ہوتے ہیں ہاتھی ہوتے ہیں یہاں بھی ہر شئے خوبصورت حسین آراستہ و پیراستہ۔ اودھ میں بھی سارے جشن عیش و مسرت کے بیچ حمد و ثنا بھی گائی جاتی ہے یہاں بھی پونے دوسو خداؤں کے نام مرقوم ہیں لیکن قابل ذکر ہے کہ داستان گو کا قلم لشکر حمزہ کی شادی کا منظر بیان کرنے میں جتنی قلم کی زرافشانی کرتا ہے اتنا ہی طلسم کا منظر بیان کرنے میں اس کا قلم رواں رہتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''یہ تخت ہائے زرین ہزار در ہزار نازنینان مہ جبین کے گانے کی پکار اس کے بعد ایک مست ہاتھی نظر آیا چارون بھٹیان پٹکتا ہوا ماتھا رنگین ہلال زرین ہیکل کئی لاکھ روپے کی تیاری کی گلے مین گھنٹی سونے کی ٹھن ٹھن بجتی ہوئی گردن پر فیل کی ایک جوان فیلبان کئی ہزار روپے کی تیاری کا جوڑا زیب جسم پگڑی پر الماس کا پھول آراستہ گجباک سونے کی ہاتھ مین تخت طاؤسی اُس فیل مست پر کسا ہوا نوشہ حسین و کم سن مرادون کے دن چہرہ مثل آفتاب عالمتاب صورت مین لاجواب سہرا زرتار اس پر بہاری سہرے کی بہار زربفت کا پہنے ہوئے دریاے سلاح مین غوطہ مارے تیغۂ آبدار کمر مین جوڑی خنجر نایاب کی لگی ہوئی قرولی زیب کمر سنہرا فیتہ شان کہکشان دکھاتا ہے خود زرین صیقل مصیقل آفتاب عالمتاب تابان و درخشان سر پر ایک رومال ہاتھ مین مگس پرانی نوشاہ کی کر رہا ہے پشت پر لکھ در لکھ فوج دریا موج جوڑے سب کے رنگین جوانان خوش آئین پھریرے علمہاے زنگاری کے کھلے ہوے اُن پر تعریف پونے دوسو خداوندون کی بخط جلی مرقوم برات کے آمد کی دھوم نوشاہ پر زر و جواہر لٹتا ہوا ہزار ہا شہدے روپیہ لوٹ رہے ہین آواز دیتے جاتے ہین ارے پھینک ارے پھینک مٹّھا روپیون کا برابر چل رہا ہے لٹیرے لوٹ رہے ہین شہدون کی کمرون بینڈیان روپیون کی چڑھی ہوئی ہین ہزار ہا ساقی بچہ دُرد در گوش مرصع پوش اس رہروی مین جام سبو گردش مین ہے مست کرنے کی کوشش مین ہے خوشی خوشی آپس مین چہلین کرتے جاتے ہین ٹھٹھے لگاتے ہین خوش فعلیان کر رہے ہین شراب پلاتے جاتے ہین۔''[1]

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد ششم از احمد حسین قمر، ص ۳۴، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

اس طرح کے جشن کے شواہد مصدقہ کتابیات تاریخ میں بھی ملتے ہیں۔نوابین اودھ عیش وعشرت میں ڈوبے حسن کے دلدادہ ہوتے تھے۔عوام بھی ان کے اس کردار سے متنفر نہیں ہوتے تھے چنانچہ خوبصورت عورتیں دولت کی لالچ میں اپنے آپ کو نواب کے سپرد کرتی تھیں جو اس کے لئے تیار نہ ہوتیں وہ جلاوطنی اختیار کرتیں۔یہ فحاشی طلسم ہوشربا میں بھی نظر آتی ہے۔

''بادشاہ نے ایک عیش محل مقرر کیا تھا جسمین سیکڑون عورتین جمع ہوگئی تھین اُنمین سے ایک بھنگن بھی تھی جسکا خطاب صاحبہ محل تھا ایک کلانوت کی دو بیٹیان تھین انمین سے ایک کا خطاب مہتاب محل دوسری کا آفتاب محل تھا رذیل قوم کی اور بہت سی عورتین اس محل مین داخل اور صاحب خطاب تھین جب یہ بات شہر اور علاقے مین شائع ہوئی کہ بادشاہ کا مزاج انسان پسند ہے کسی پر بند نہین تو جس دشمن آبرو کی بہن یا بیٹی خوبصورت ہوئی وہ اپنی ترقی کی آرزو مین خوشی خوشی لاکر حاضر کرنا فخر سمجھتا اور اکثر نیک چلن اور بدچلن عورتین دولت وحشمت کی تمنا مین ہزار جان و دل سے مشتاق تھین کہ بادشاہ کے محل تک کسیطرح رسائی ہو اور بہت عورتون نے بادشاہ کے محل مین نوکر ہونے کی آرزو پر شوہرون کو جوابدیا بادشاہی خواجہ سرا اور کہاریان ہوا کے گھوڑون پر سوار کوچہ بکوچہ پھرتی تھین اور خوبصورت عورتونکو زر و زیور کی طرح دیکر عیش محل مین پہونچاتی تھین اگر اُنکا کوئی وارث انکار کرتا تو گوشمالی کی نوبت آتی تھی چھوٹی قوم والونکا تو یہ حال تھا اور اب ارباب آبرو کی عزت پر آبنی تھی اور الامان کا لفظ زبانون پر جاری تھا بہتون نے جلاے وطن اختیار کیا شہر پر لات ماری۔''[1]

طلسم ہوشربا میں بھی حسن وعشق کے دلفریب مناظر ہر جانب بکھرے ہیں۔

''ادھر بروج قصر طلسم کے در کھل گئے ان میں پریان کھڑی تھین ساز ہاتھون مین لیے تھین زلفین رخسار پر لہراتی تھین اس طرح کا ساز بجا کر گانا گاتی تھین کہ خاطر پیر فلک سے ترانہ زہرہ کا بھلاتی تھین پیشوازین ستارہ دار پہنے تھین کچھ بائین پر کچھ داہنے پر تھین شہزادہ جس طرف کروٹ لیتا تھا تماشائے عجیب ملاحظہ فرماتا اس اثنا مین طرفہ تماشا نظر آتا کہ سامنے میدان مین کچھ طاؤس زرین بال ظاہر ہوکر لوٹنے

[1] تاریخ اودھ، حصّہ چہارم از نجم الغنی، ص ۳۰۷، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۹ء

لگے اور لوٹ کر بشکل زنانِ خوبرو بن گئے ایک ایک ان مین کا فروستم گر ادا مست نشہ حسن غارت گر جان شیدا تھی سیم برگل اندام ومہ لقا تھی کسی کی زلف مشکین سوار ختن کو مول لینے کا ارادہ رکھتی کسی کے ابرو خنجر کھینچ کر ظلم پر آمادہ رہتے آنکھون پر چشم غزالین قربان رہتی کسی کا رخسار نازک خانہ دلہائے عشاق مین آگ لگانا کسی کا لب معجز نما مردم چشم نظارگیان کو بیمار بناتا ہر ایک عشوۂ گرگل سے زیادہ نازک چشم خمار مین نرگس وغزل سے کہین بڑھ کر ملکہ صاد دختر ناز وغمزہ سے بہتر ایک ایک ان مین مہرجبین ماہ مبین ۔'' ۱؎

''صورت نگار نے اندر جا کر دونون عاشق ومعشوق کو لپٹے پڑے دیکھا خون آنکھون مین اُتر آیا کچھ سحر پڑھکر دستک دی کہ جہان یہ دونون طالب ومطلوب لپٹے تھے اتنا ٹکڑا زمین کا اُکھڑا اور وہ طبقہ برروے ہوا چلا صورت نگار آپ بھی بزور سحر اڑ کر چلی برق جو باہر بارگاہ کے کھڑا تھا یہ ماجرا دیکھکر رونما ہوا نیچے اسی طبقے کے روانہ ہوا اور ادھر آنکھ خواب غفلت سے رعد اور الماس پریچہرہ کی کھلی رعد نے چاہا کہ بزور سحر ملکہ کو لیکر اُڑ جاؤن مگر سحر یاد نہ آیا اسوقت ملکہ سے کہا معلوم ہوتا ہے ہم تم گرفتار ہو گئے ملکہ رونے لگی افتاب حسرت سے منہ دھونے لگی کہ اے فلک بیمہر تجھے اتنی بھی صحبت پسند نہ آئی اور ایک لمحہ مین جدائی دکھلائی اسی طرح کبھی شکایت چرخ غدار کرتی تھی اور کبھی باہم گلے ملکر روتی تھی بیقراری سے بصد اندوہ وحرمان گریہ وزاری کرتی تھی۔'' ۲؎

حکومت اودھ میں میلوں کا اہتمام بہت زور وشور سے ہوتا تھا کیونکہ میلہ قدیم ہندوستانی ثقافت کا حصّہ تھے جب شاہی حکومتیں آئیں تو یہ میلے تکلفات سے پُر ہونے لگے۔ آج بھی ان میلوں کی روایت قائم ہے۔ 'شرر' نے 'گذشتہ لکھنؤ' میں قیصر باغ کے میلے کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

''سال میں ایک مرتبہ قیصر باغ میں ایک عظیم الشان میلا ہوتا تھا جس میں پبلک کو بھی قیصر باغ میں آنے جانے اور جہاں پناہ کی عشرت پرستیوں کا رنگ دیکھنے کا موقع مل جاتا۔ بادشاہ نے سری کرشن جی کا رہس جو ہندوؤں میں مروّج ہے دیکھا تھا اور سری

۱؎ طلسم ہوشربا، جلد سوم از محمد حسین جاہ، ص ۲۱، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

۲؎ طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۳۱۹، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

کرشن جی کی معشوقانہ روش عاشقی اس قدر پسند کی گئی تھی کہ اُس رہس سے ڈراما کے طور پر ایک کھیل ایجاد کیا تھا جس میں خود کنھیّا بنتے۔ مخدّرات عصمت آیات گوپیاں بنتیں اور ناچ رنگ کی محفلیں گرم ہوتی تھی جوش جوانی کے جذبات میں جوگی بن جاتے موتیوں کو جلا کے بھبھوت بنائی جاتی جس کی بدولت فقیری میں بھی شاہی کے کرشمے نظر آتے۔ میلے کے زمانے میں ان صحبتوں میں شریک ہونے کی عام اہل شہر کو اجازت ہو جاتی، مگر اس شرط کے ساتھ کہ گیروے کپڑے پہن کے آئیں۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسّی اسّی برس بڈّھے بھی شنگرفی کپڑے پہن کے چھلیا بن جاتے اور بادشاہ کی جوانی کے بادہ طرب سے اپنے بڑھاپے کا جام بھر لیتے۔''[1]

صفدر حسین نے 'لکھنؤ کی تہذیبی میراث' میں قیصر باغ کے میلے کا ذکر یوں کیا ہے۔

''قیصر باغ کا میلہ بھی اُن یادگار مناظر میں سے ایک تھا اس میلے کا سبب انعقاد یہ بتایا جاتا ہے کہ واجد علی شاہ کی والدہ نے اُن کی چھٹی کے موقع پر اُنہیں ''جوگیا لباس'' پہنایا تھا جس کی سالگرہ منّت کے طور پر اسی لباس میں ہوتی تھی۔ بادشاہ نے ''قیصر باغ'' کی تکمیل پر اس تقریب سالگرہ کو جشنِ عامّہ کی صورت دیدی تھی اور یہ طے پایا گیا تھا کہ اس میلے میں جو لوگ شریک ہوں وہ تمام جوگیا لباس ہی میں آئیں چنانچہ خلقت کو شنگرفی لباس پہن کر میلے کے بہانے سے اپنے بادشاہ کے محل کی شان و شوکت، آراستگی اور انداز زندگی کے دیکھنے کا موقع مل جاتا تھا۔ یہ سلسلہ تین دِن تک برابر قائم رہتا تھا اور بہت سی دلچسپیوں، تماشوں اور تفریح کے مشغلوں کے علاوہ بادشاہ کی طرف سے عام لوگوں کی دعوت بھی ہوتی تھی۔''[2]

امیرؔ افسردہ ہوکر غنچۂ دِل سُوکھ جاتا ہے　　وہ میلے ہم کو قیصر باغ کے جب یاد آتے ہیں

(لکھنؤ کی تہذیبی میراث از ڈاکٹر سیّد صفدر حسین، ص ۲۰۴، اردو پبلشرز، ۸ تلک مارگ، لکھنؤ، ۱۹۷۸ء)

مرزا جعفر حسین نے اپنی تصنیف 'قدیم لکھنؤ کی آخری بہار' میں قدیم لکھنؤ کے متعدد میلوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میلوں میں ہر قسم کی تفریح کے سامان بھی ہوتے تھے اور ضروریات زندگی کے اسباب تمام

---

[1] گذشتہ لکھنؤ از عبدالحلیم شرر، ص ۱۰۴، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۱ء

[2] لکھنؤ کی تہذیبی میراث از ڈاکٹر سیّد صفدر حسین، ص ۹۲، اردو پبلشرز، ۸ تلک مارگ، لکھنؤ، ۱۹۷۸ء

ملک سے یکجا اکٹھا کیے جاتے تھے۔

''میلے ہر ہر شہر، ہر قریہ اور ہر دیہات میں ہوتے ہیں اور اب بھی ہوتے ہیں لیکن قدیم لکھنؤ کے میلوں کی ایسی شائستگی، صفائی اور دلفریبی کسی دوسری جگہ نہ دیکھی گئی اور نہ سُنی گئی۔ لکھنؤ کے میلوں کی طرح واجد علی شاہ نے اپنے دورِ حکومت میں ڈالی تھی۔ قمری کلینڈر کے بموجب بادشاہ کی ولادت ماہ ذیقعدہ کی تیرہویں تاریخ کو ہوئی تھی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی چھٹی کے موقع پر ان کی والدہ محترمہ نے ان کو جوگی بنایا تھا اور ان کی سالگرہ برابر جوگیا لباس میں ہوتی تھی۔ بادشاہ نے 'میلۂ سلطانی' کی اسی تاریخ میں بنا رکھی تھی۔ کہنے کو وہ 'میلۂ سلطانی' تھا لیکن تمام خواص وعوام کو شرکت کے لئے اذنِ عام تھا البتہ ہر شخص کے لیے جوگیا لباس میں آنا ضروری تھا۔ وہ خود بھی وہی لباس زیب تن فرماتے تھے اور تمام علما وفقہا، امراء ورؤسا، شعراء وادیب نیز تمام شہری جوگیا لباس میں آتے اور میلے میں لطف اندوز ہوتے تھے۔ اس ''میلۂ سلطانی'' کے مفصل حالات تاریخوں اور تذکروں میں مندرج ہیں۔۔۔۔۔۔ جب محلّے محلّے میلے لگنے لگے تو لوگوں کو بڑی سہولتیں ہونے لگی تھیں۔ ہر محلّہ میں ہر ماہ میلہ لگتا تھا۔ جہاں چھوٹے چھوٹے دُکاندار زمین پر فرش بچھا کر اپنا اپنا سامان فروخت کرتے تھے یہ سامان متفرق چھوٹی چھوٹی چیزوں پر جن کی آئے دن ضرورت ہوتی تھی فروخت ہوتا تھا۔ بعض دُکانیں نفائس کی بھی ہوتی تھیں۔ جابجا چھوٹی چھوٹی دُکانیں مٹھائیوں اور پکوانوں کی بھی لگی رہتی تھیں جہاں سے سیر کرنے والے خریداری کر کے قرب وجوار میں کسی مقام پر بیٹھ کر کھالیا کرتے تھے۔ بچّوں کے لیے پُرانے طرز کے جھولوں وغیرہ کا بھی انتظام بھی رہتا تھا۔۔۔۔۔''[1]

اس کے علاوہ مرزا جعفر حسین نے 'قدیم لکھنؤ کی آخری بہار' میں آٹھوں کا میلہ، کالی جی کا مندر کا میلہ، مہتروں کا میلہ، عیش باغ کا میلہ، ہولی کا میلہ، علی گنج کا میلہ، کاتک کا میلہ اور عید کے پیچھے لگنے والے ٹڑ کے میلے کا ذکر یوں کیا ہے۔

''شہر کے تمام میلوں کے تفصیلات تو درکنار ان کی صحیح تعداد بھی بتانا بہت دشوار ہے۔

[1] قدیم لکھنؤ کی آخری بہار از مرزا جعفر حسین، ص ۱۷۱ تا ۱۷۲، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۱ء

البتہ اتنا بیان کر دینا کافی ہوگا کہ بعض میلے مقرّرہ اوقات میں اور بعض مخصوص موسموں میں ہوا کرتے تھے۔بعض ایسے بھی تھے جن کے مقامات حالات کے تحت بدلتے رہے تھے۔مثلاً شہر کا ایک بہت پُر بہار میلہ تھا جو آٹھوں کا میلہ کہلاتا تھا۔یہ ہولی کے آٹھویں روز تالاب گنگنی شکل میں لگا کرتا تھا۔پھر یہ عیش باغ منتقل ہوا اور اس کی مرجعیت میں کمی آ گئی۔کچھ مدت کے بعد نخاس میں لگنے لگا تھا اور غالباً اب بھی کہیں نہ کہیں لگتا رہتا ہے اسی میلے کی طرح محلّہ نگریان میں ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا۔جس میں خواص وعوام بڑے شوق سے شریک ہوتے تھے۔

شہر لکھنؤ کا مرکزی مقام چوک تھا جہاں متعدد میلے لگتے تھے۔محلّہ وار سالانہ اجتماعات ہیں سب سے آخر کا میلہ چوک ہی میں لگتا تھا جس میں جوق در جوق لوگ بڑے اشتیاق سے شرکت کرتے تھے۔اسی محلّہ میں کالی جی کا مندر بھی ہے۔وہاں بھی ہر ہفتہ میلہ ہوتا تھا اور اس میلے میں بھی بڑے ہجوم لگے رہتے تھے۔سالانہ میلوں میں علی گنج کا میلہ اب تک شہرت کا مالک ہے کئی روز تک بازار لگی رہتی ہے گو کہ اب پہلی سی بات نہیں رہی لیکن اس میلے میں اب بھی مٹی کے برتن ارو دیگر ضروریات کی چیزیں اچھی اور سستی ملا جاتی ہیں۔اس میلہ کو کاتک کا میلہ کہتے ہیں۔

بعض میلے مخصوص طبقوں کے نام سے مشہور تھے کیونکہ اسی طبقہ کے لوگوں نے ان کی بِنا ڈالی تھی۔ایسے میلوں میں سب سے نمایاں حیثیت مہتروں کے میلے کی تھی جو وکٹوریہ اسٹریٹ پر لگا کرتا تھا۔یہ لوگ جھنڈوں میں طرح طرح سے ناریل باندھتے اور سیران کرتے تھے۔۔۔۔

متذکرہ بالا تمام میلوں سے بدرجہا زیادہ کچھ اور میلوں کی اہمیت تھی جو رؤسا و عمائدین کے نزدیک بھی قابلِ ستائش تھے اور جن میں وہ گراں قدر ہستیاں بھی شرکت کرتی تھیں۔شہزادگان اور رؤسائے عظام اپنی اپنی سواریوں پر تشریف لاتے تھے اور انھیں سواریوں پر ٹھہر کر یا گھوم کر لطف اندوز ہوتے تھے۔جوق در جوق لوگ آتے رہتے اور جگہ جگہ جمِ غفیر لگا رہتا تھا۔یہ میلے عیش باغ میں ہر سال ساون کے مہینے میں غالباً ہر جمعہ اور ہر ہفتہ کو لگا کرتا تھا۔تال کٹورہ روڈ سے ملکہ جہاں کی کربلا

تک لق و دق میدان میلہ گاہ تھا۔ اس میلہ میں تفریح کے جملہ سامان فراہم رہتے تھے۔۔۔۔

دوسرا قابلِ ذکر اور گراں قدر میلہ ''عید کے پیچھے ٹر'' کہلاتا تھا۔ عیش باغ کی عیدگاہ میں عید کے دوسرے روز یہ میلہ پہلے بھی لگتا تھا اور اب بھی لگتا ہے۔ البتہ فرق یہ ہوگیا ہے کہ پہلی سی بہاریں نہیں اور نہ آدمیوں کا وہ ہجوم رہتا ہے۔ دوسرے میلوں کی طرح یہاں بھی بازاریں لگتی تھیں اور کھیل وتماشے کے جملہ ساز وسامان فراہم رہتے تھے۔۔۔۔۔

شہر کا سب سے زیادہ صاف سُتھرا، شُستہ اور گران قدر اجتماع ہولی کا میلہ تھا۔ جواب تک گول دروازے کے مقابل کمپنی باغ میں لگتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شہر کے تمام دوسرے میلوں کا سلسلہ جن میں محلّہ وار میلے بھی شامل تھے، ہولی کے میلے ہی سے شروع ہوتا تھا۔۔۔''[1]

گنبد نور کا میلہ اور عمرو کے قتل کا میلہ طلسم نور افشاں میں سالانہ میلے کا ذکر جب ہم دیکھتے ہیں تو اس میں لکھنؤ میں لگنے والے ان ثقافتی میلوں کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں۔ ان میلوں میں انواع و اقسام کے کھانے ،تفریح طبع کے سامان، حسن وعشق کی جلوہ طرازیاں سب ہی نظر آتی ہیں۔ اسی طرح کے میلوں کا ذکر طلسم ہوشربا میں مختلف مقامات پر آیا ہے۔ جس میں سے ایک میلے کی تفصیل یہاں پیش کی جارہی ہے۔

''شہنشاہ افراسیاب بجاہ وحشم میلے مین آیا اور حال آمد خداوندزادی ملکہ لالان خون قبا سُنکر کشتیان زروجواہر کی برنظر لیکر سامنے ملکہ کے گیا تسلیم کی نذردی عذر عدیم الفرصتی کیا ملازمون کو تاکید اکید کی کہ خبردار ملکہ عالم کو کوئی تکلیف نہو سب حاضر خدمت رہین جملہ سامان راحت موجود رہے پھر وہان سے رخصت ہوکر صحراے باغ جمشید مین گیا یہان آسنی بچھائے ملکہ حیرت پوجا جمشید کا کر رہی تھی ایک پانؤن سے کھڑی سحر پڑھ رہی تھی اور افراسیاب نے پاندان طلائی منگا کر گلوری اپنے ہاتھ سے لگا کر ملکہ کے مُنھ مین دی اور حیرت کو ایسا جوش سحر کا تھا کہ تھر تھر مثل برگ بید کے کانپنے لگی

[1] قدیم لکھنؤ کی آخری بہار از مرزا جعفر حسین، ص ۱۷۲ تا ۱۷۴، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۱ء

اور گلوری کھا کر سر ہلایا کہ افراسیاب نے ارشاد کیا کہ سب ساحر ہمراہی وہان سے ہٹ گئے۔۔۔۔۔ ایسے میلے مین یہ باغ پر بہار چھوٹے چھوٹے اور گھنے درخت سایہ دار نیچے درختون کے فرش عمدہ بچھا تھا نسرین بدن سمن رخون کا مجمع تھا سیماب چمن ہر سمت چھایا تھا۔۔۔۔۔ جب یہان سے بھی آگے بڑھا کچھ لوگون کو دیکھا کہ ساز یعنے ستار و بین اور سارنگی و چکارا وغیرہ بجاتے ہین۔۔۔۔۔ جب اور آگے چلا پالین ساقنون کی تنی دیکھین نیچے پال کے چوکا تختون کا بچھا تھا اُسپر چاندنی کا فرش و قالین آراستہ تھا مقابا اور صندوقچہ دھرا تھا صندوقچے سے لگا ہوا آئینہ جلی رکھا ساقنین ہزارون بناؤ کئے سولائی سفید اودی گوٹ کی اوڑھے آگے سے طوق سونے کا دکھانے کو گلا کھولے پائچے پاجامے کے پیچھے تخت پر پڑے ماتھے پر افشان لگائے پٹے چھوڑے بال بنائے لب تخت باہزاران ناز و انداز بیٹھی تھین۔۔۔۔۔ اُن سے آگے بڑھکر مدک والون کی دکان نظر آئی حلقہ کیے لوگ بیٹھے تھے قلمین سلگتی ہوئی ہاتھ مین تھین مہر و حقے پر جمے تھے گنگا جمنی چھینٹے سامنے رکھے تھے۔۔۔۔۔ یہان سے جو آگے بڑھا میخوارون کا جلسہ نظر پڑا دکان کلوار کی بسنتی سجی اونچے چبوترے پر گلبیان شراب ارغوانی اور زعفرانی کی چنّی تھین کچھ لوگ اندر دکان مین بیٹھے تھے۔۔۔۔۔ میخانے کی سیر دیکھکر آگے چلے دیکھا کچھ بانکے بگڑ گئے ہین تلوار باہم کھنچی ہے شور بلند ہے لوگ بھاگتے پھرتے ہین کہ یکا یک دھوتو دھوتو تُرہی پُھنکی اور کوتوال دوڑلیکر دوڑا کچھ بھاگ کھڑے ہوے کچھ کو پکڑ لیا ایک طرف چور گرہ کاٹ گرفتار ہوے ہین کوئی کسیکی جیب کاٹتا تھا کوئی کسی کا رومال شانے پر کھینچکر بھاگا تھا اس ہنگامے سے جب آگے بڑھے حلوائیون اور نان بائیون کی دُکانین بصد صفائی اور زیبائی نظر آئین۔۔۔۔ اُن سے آگے بڑھکر کبڑنون اور سنکریون کی بہار دیکھی کہ لہنگے قیمت کے مہنگے پہنے سامنے ٹوکرون مین ترکاریان انار امرود شریفے وغیرہ چنے تھے۔۔۔۔ بیچ سڑک پر خوانچے والے پھرتے دال موٹھ اور حلوا سوہن اور کچالو اور دہی بڑے اور گول گپے مصالحہ دار بیچتے تھے قلمین بالون کی کنپٹی پاس نکلتی تھین کان مین سینکین گُھڑسی کمر بندھی تھی پتے اُس مین بھرے تھے ہر سمت صدا لگاتے پھرتے اُن کو

دیکھتے ہوئے جب آگے بڑھے بزازہ آراستہ پایا کہ بزاز تھان عمدہ کپڑون کے ڈھیر کیے دلال دکان کے قریب پھرتے۔۔۔۔اُنکی دُکانون سے ہٹ کر صرافہ تھا ایک ایک صراف پیسون کا ڈھیر لگائے ٹاٹ کے نیچے اٹھنیان چونیان روپے چھپائے بیٹھا ساہ جی اور سیٹھ جی لقب اُنکا تھا۔۔۔یہان سے آگے بڑھکر جوہری بازار مین پہونچے ایک ایک جوہری حسین یاقوت لب مرجان دست فرش معقول بچھائے ڈبّے ہیرے پنے کے کھولے جواہر کی پرکھ جانچ کر رہے تھے۔۔۔۔۔بازار مین برہمن قشقے ماتھے پر دیے چندن بدن مین لگائے لیٹا کمر مین گھڑسے ڈول ہاتھ مین لیے کڑا بجاتے پھرتے تھے ایک طرف سقے بادلے اور کھاروے کی لنگیان باندھے کٹورے کمر سے باندھے مشک دوش پر اُٹھائے چھلے سے کٹورے بجاتے تھے۔۔۔۔آگے بڑھا بساط خانے کو سجا دیکھا کہ دُکانون مین زینے بنے ہین سفید کپڑے سے منڈھے ہین اُنپر کھلونے اور باجے اور چاقو اور قینچی اور آئینے اور سوت کے گولے اور ہر قسم کا اسباب عمدہ ولایتی رکھا تھا چھتریان ٹنگی تھین ایک طرف سُرخ سبز رنگین پیالیان اور لڑکون کے کھیلنے کی چکئی اور لٹو اور سپنیس اور ڈولیان رکھی تھین بعض دکان پر مسی اور سرمہ رکھا تھا بعض کے یہان شیشہ اور سوئی نگینے وغیرہ تھے کہین کنگھی ہاتھی دانت اور سینگ کی نایاب تھین کہین انگیریزی چیزین لاجواب تھین''[1]

''غرضکہ جماؤ میلے کا کہان تک بیان کیا جائے۔۔۔مہاجن نیچے جامے پہنے لڑکون کو ساتھ لئے سیر کراتے پھرتے ہین ہندنیان اپنا اپنا بناؤ کیے پھر رہی ہین اُن مین رام جنیان بھی ہین کہین طوائف بناؤ کئے آشناؤن کو ساتھ لیے بیٹھی ہین کلیجی کے کباب بُھن رہے ہین کہین ایک رنڈی پر دو عاشق ہین اُسپر قصہ ہوا ہے کہین لونڈے پر جھگڑا ہوا ہے تلوار چلی ہے دوڑ گئی ہے لاگین لگ رہی ہین نٹ تماشہ کر رہے ہین نٹنیان ناچ رہی ہین جھولے پڑے ہین سانون ہوتے ہین درختون کے نیچے دریان بچھی ہین شریف لوگ بیٹھے ہین ایک سمت افیونی بیٹھے ہین افیون گھلتی ہے گنے چھلتے ہین۔۔۔۔بعض اونگھ رہے ہین مِن مِنا کر بات کرتے ہین تالاب مین جابجا

[1] طلسم ہوشربا، جلد اوّل از محمد حسین جاہ، ص۸۶۲ تا ۸۷۰، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

لوگ نہاتے ہین ہندو چندن رگڑ رہے ہین تلک دیتے ہین کھور صندل کے اور قشقے
ہاتھون پر کھینچ رہے ہین کہین درخت تلے ٹکن پر گھڑا رکھا ہے پیندے مین اُسکے مہین
سوراخ کیا ہے نیچے سری مہادیو جی کی مورت رکھی اُسپر بوند بوند پانی ٹپکتا ہے بعض
کمل کی تھیلی میں ڈالے مالا جپتے ہین بعض گاے کی مورت ہاتھ مین لیے چندر ما کو
پانی دیتے پیپل کے درخت پر کھاروے کی جھنڈی بندھی ہے چبوترہ درخت کا بندھا
ہے اُسپر جوگی گیروالباس پہنے مندرے کان مین کنٹھی گلے مین ڈالے شیر کی کھال پر
بیٹھا ہوا مالا جپتا ہے آگے ٹھیک رکھی ہے اُسمین اُپلہ دبا ہے چیلے گرو ناریل پی رہے
ہین بعض جوگی چھتری لگائے چھپر کے پیچھے بیٹھے ہین آزاد فقیر لمبی ٹوپی پہنے مانگتے
پھرتے ہین کہین مہر شاہی اڑے رفاعی گرز ہلا رہے ہین مڑ چڑے سر چیرتے ہین
اشراف مٹھائی لیتے ہین گنوار مولی اور جوار اور گڑ کھا رہے ہین ہنڈولے گڑے ہین
سوانگ کے تخت آتے ہین سیف برچھی سانگ نگلتے ہین کوئی مُنھ سے سوت نکالتا
ہے کوئی ہار نگلتا ہے پھول اوگلتا ہے۔"[1]

ہندوستان میں زمانۂ قدیم سے موسیقی کی خاص اہمیت رہی ہے جب مذہب سماج پر حاوی تھا اس وقت بھی بھجن کیرتن وغیرہ کی روایتیں اور درگاہوں میں بھی محفل سماع کی روایت پورے ہندوستان کی تاریخ میں ملتی ہے۔ عہد مغلیہ میں جن فنون لطیفہ کی سرپرستی شاہی بارگاہوں تک پہونچ گئی تو مہاراج تان سین جیسا رتن اور بیجو جیسا نغمہ ساز موسیقی کی دنیا میں تابندہ ہو گئے اور لکھنؤ میں تو پہلے ہی نوابین اودھ اور شاہان اودھ میں موسیقی کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ اودھ کے آخری تاجدار نواب واجد علی شاہ تو گانے میں تو رقص بھی کرتے تھے۔ ان کے عہد میں موسیقی اور رقص کی خوب ترقی ہوئی۔ اندر سبھائیں اور راس لیلائیں منظوم قصوں پر مبنی ہوتی تھیں۔ نیلم پری کا ناچ زینت شاہی تھیٹر تھا چنانچہ اس دور کے فکشن میں بھی ناچ گانوں اور رنگ رلیوں سے بھرپور زندگی رواں دواں نظر آتی ہے۔ ناول 'امراؤ جان ادا' ایک طوائف کی کہانی ہے اگرچہ وہ فکشن ہے لیکن اس طرح کی طوائفیں لکھنؤ میں ہونا کوئی حیرانی کی بات نہیں۔ چنانچہ رقص و موسیقی یہاں کی تہذیب کا حصّہ تھے۔ 'لکھنؤ کی تہذیبی میراث' کے بیان سے اس اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

[1] طلسم ہوشربا، جلد اوّل از محمد حسین جاہ، ص، ۸۷۵ تا ۸۷۶، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

''موسیقی کا شوق بھی شاہانِ اودھ میں شجاع الدولہ کے وقت سے چلا آ رہا ہے چنانچہ ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ شجاع الدولہ نے منیر الدولہ کی دعوت کے موقع پر جو جلسے کئے تھے اُن میں رقص و موسیقی کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ اسی طرح جنگِ رُہیلہ کی فتح کے بعد بھی شجاع الدولہ کے خیام میں رقص و موسیقی کے محفلیں منعقد کی گئی تھیں اور اربابِ نشاط پر ہزاروں روپے صرف کئے گئے تھے۔ ایک ہمعصر کا بیان ہے کہ شجاع الدولہ موسیقی کے شوقین ہونے کے علاوہ خود بھی اس فن کے بہت بڑے ماہر تھے اس لئے ان کے عہد میں نغمہ نوازی ترقی پر تھی اور ہندوستان بھر کے مُطرب و رقّاص فیض آباد میں جمع ہو گئے تھے جن میں تان سین کے دبستانِ موسیقی کے ماہرین بھی شامل تھے۔ ان باہر سے آنے والوں کے علاوہ اجودھیا، بنارس اور جَون پور کے وہ فن کار بھی تھے جو اسی علاقے کی حدودِ سلطنت میں پیدا ہوئے تھے اور کلاسیکی رقص و موسیقی میں کمال رکھتے تھے۔ اِن سب کے باہمی ربط و اتصال اور اشتراک سے اودھ میں موسیقی کی ایک نئی شان اور تازگی پیدا ہو گئی تھی جو آصف الدولہ کے عہد میں کچھ اور زیادہ عروج پا گئی تھی۔''[1]

'گذشتہ لکھنؤ' میں بھی شہر لکھنؤ کی اس اہمیت کا شرر تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔ سبھی کو موسیقی کا علم ہے۔ عام لوگ بھی موسیقی کی اچھی واقفیت رکھتے ہیں اور ذرا سی دھن سے انہیں گویا کے رتبہ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ شرر کے الفاظ میں۔

''لکھنؤ میں موسیقی کو اس قدر عروج ہو گیا تھا کہ ہر محلات اور شہروں کے امرا اور دولت مندوں کے یہاں کے امرا ذوقِ صحیح رکھتے ہیں سمجھتے ہیں، دھنوں، راگوں اور راگنیوں کو پہچانتے ہیں اور دو ہی ایک تانیں سن کے سمجھ جاتے ہیں کہ یہ گویا کس پایے کا ہے۔ معمولی گانے والا یہاں کی صحبتوں میں فروغ نہیں پا سکتا۔ بازاری لوگ اور عموماً لڑکے جو سڑکوں اور گزرگاہوں میں گاتے پھرتے ہیں، وہ بھی مختلف چیزوں کو ایسے سچے سروں میں ادا کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے راگنی اور لے گلے میں اتری ہوئی ہے۔ اکثر شہروں میں لوگ کثرت سے ایسے ملیں گے، جو شعروں کو

[1] لکھنؤ کی تہذیبی میراث از ڈاکٹر سیّد صفدر حسین، ص ۲۴۶، اردو پبلشرز، ۸ تلک مارگ لکھنؤ، ۱۹۷۸ء

موزوں نہیں پڑھ سکتے، بہ خلاف اس کے، یہاں آپکو ایسا جاہل ڈھونڈے نہ ملے گا
جو اشعار کو موزوں نہ پڑھ سکتا ہو۔ دلیل ہے اس بات کی کہ لے داری یہاں کے بچے
بچے کے رگ و پے میں سرایت کرگئی ہے۔ بعض اوقات کسی بازاری لڑکے کو بھیرویں،
موہنی، بھاگ یا کسی اور دھن میں ایسی خوبی سے گاتے سنا گیا ہے کہ سننے والے محو ہو
گئے اور بڑے بڑے گویوں کو ان پر حسد آنے لگا۔'' ۱

طلسم ہوشربا میں بھی ہر ہر موقع پر رقص و سرود کی محفلیں آراستہ ہوتی ہیں۔ تاریخ سے موسیقی کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے بعد اب طلسم ہوشربا سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

'' کچھ لوگون کو دیکھا کہ ساز یعنی ستار و بین اور سارنگی و چکارا وغیرہ بجاتے ہین بایان
ساتھ مل رہا ہے ٹھیکے مین ادھا بجتا ہے نئی نئی تانین اور اوپچین لیتے ہین کوئی کدارا
بجاتا ہے کوئی ملار گاتا ہے کسی کو پیلو اور جوگیا پسند ہے تماشائیون کا ٹھٹ لگا ہے واہ واہ
کی صدا بلند ہے۔'' ۲

جنگ اور سحر کے بعد طلسم ہوشربا میں جو رنگ اوّل تا آخر رواں دواں نظر آتا ہے وہ عیش پرستی کا رنگ ہے۔ نوابین اودھ کے محل کی تعداد پر کوئی بندش نہیں تھی واجد علی شاہ کے پری محل کا ذکر ہر جگہ ملتا ہے۔ دیگر بادشاہ بھی جس خاتون کی طرف راغب ہو جاتے اسے اپنے محل تک پہونچانے کے لیے تمام کوشش کر ڈالتے تھے۔ نتیجہ میں اس وقت طوائفوں کے علاوہ اودھ میں کثرت سے انہیں عورتوں کی تعداد تھی جو پیسوں کی خاطر اپنی پاکدامنی کو داغدار کرتی تھیں۔ اکثر اس میں مردوں کی شراکت بھی اتنی تھی یہ عیاشی محض مردوں تک محدود نہیں عورتوں میں بھی تھی۔ چنانچہ طلسم ہوشربا کے اکثر کرداروں میں عیاشی اور بدکرداری کے یہ رنگ نمایاں نظر آتے ہیں۔ جہاں دو جنس مخالف سامنے ہوئے جنسی خواہشات اور عاشقانہ جذبات جوش میں آجاتے ہیں طلسم ہوشربا میں ایسے ہزاروں منظر ہیں ایک منظر ملاحظہ ہو۔

'' خلاصۂ کلام عمرو یہ تماشا دیکھتا ہوا اجلال جادو کی پشت پر جا کھڑا ہوا ساحر کی صورت
بنا ہوا ہے اجلال جہان بیٹھا ہے اسکے سامنے ایک مکان معلوم ہوتا ہے اور اُسکے

---

۱ گذشتہ لکھنؤ از عبدالحلیم شرر، ص ۲۳۶ تا ۲۳۷، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۱ء

۲ طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۸۶۵، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

دروازہ پر پردہ پڑا ہے وہ پردہ بار بار اُٹھا کر ایک زن حسینہ و جمیلہ اجلال کو دیکھتی ہے اور یہ بھی اسی طرف نگران ہے اہل محفل تو ناچ دیکھ رہین ہین کوئی اجلال کے ادھر دیکھنے کا خیال بھی نہین رکھتا ہے عمرو نے جو یہ ماجرا دیکھا معلوم کیا کہ یہ باغ شاید محلات شاہ سلیمان سے ملا ہوا ہے اور عورتین بھی محلات کی در و بام پر سے ناچ دیکھ رہی ہین اور جس طرف کہ اجلال دیکھ رہا ہے اور وہ عورت جھانکتی ہے یہ بھی سلیمان کی کوئی زوجہ یا دختر ہے بس عمرو یہ خیال کر کے اسی پردہ کی جانب آیا اور ٹھہرا رہا کہ ایک کہاری وہان سے کسی کام کو باہر نکلی عمرو نے اُس سے کہا کہ ہماری بی بی بادشاہ کی بی بی پاس ملازم ہے ذرا اُنھین بلا دو کہاری نے کہا اس پردے مین شاہزادی نسرین عنبرین مودختر بادشاہ ناچ دیکھنے آئی ہین اور بی بی بادشاہ کی علٰحیدہ دوسرے کمرے مین ہین وہان مین نہین جا سکتی تم وہ جو سامنے داہنی طرف کو کمرہ بنا ہے وہان جا کر اپنی زوجہ کو دریافت کرو عمرو نے کہا اچھا اور وہان سے علٰحیدہ ہوا اور سمجھ گیا کہ اس پردے مین دختر شاہ ہے کہ جسکو اجلال دیکھتا ہے۔''[1]

تاریخ اودھ میں بھی شاہان اودھ کی بوالہوسی کے قصے جگہ جگہ ملتے ہیں۔ایک دو مثالیں پیش ہیں۔

''دختر مرزا باقر علی خان بن حسین علی خان سابق چکلہ دار روہیلکھنڈ کہ بظاہر سُرخ و سفید تھی اُسکی جلد بدن باریک تھی آنکھین بڑی بڑی تھین ہونٹ پتلے تھے اور چودھوین رات کے چاند کی طرح روشن نظر آتی تھی بادشاہ کو دکھائی ایک نگاہ مین بادشاہ کی طبیعت اُسکی طرف مائل ہوگئی اور مواصلت کے خواہان ہوئے نائب نے عرض کیا کہ یہ لڑکی قوم سے اشراف اور خاندان سے عزت دار ہے بازاری عورت نہین کہ حضور کا حکم صادر ہوتے ہی جیسے ہو سکے اپنے آپکو حاضر کرے اگر طبیعت مبارک اسکی طرف رجوع ہے تو اُسکے باپ کو شرفا کے طور پر راضی کرنا چاہئے اور سلاطین ماضیہ جس طرح اپنے جان نثارون کے ساتھ پیش آتے تھے اُسیطرح عقد شرعی کر کے خدمت مبارک مین سرفرازی بخشی جائے یہ صورت اُسکے الدین کی عزت کا موجب ہوگی اور سیاہ مین تکرار اور عذر کی جگھ نہ رہے گی روشن الدولہ کی عرض بادشاہ

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۳۱، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

نے قبول فرمائی اور شادی کے سرانجام کے واسطے ارشاد کیا روشن الدولہ نے مرزا باقر سے اسطرح تذکرہ کیا کہ عورات مشاطہ نے آپکی بیٹی کا ذکر حضرت تک پہونچایا ہے حضرت اُس کتخدائی کے خواہان ہین اگر منظور ہو تو کار خیر ہے اسمین کوئی مضائقہ نہین مرزا باقر نے جوابدیا کہ مین ایک غریب خانہ زاد بادشاہ کا ہون بھلا یہ امر کیسے صورت پذیر ہوگا اول یہ کہ اول یہ کہ لوگ کہین گے فلان شخص نے لالچ مین آکر یہ کام اختیار کیا ہے (۲) حضرت کے صدہا محل ہین تین روز رغبت کر کے خواص پورہ مین داخل کر دینگے تمام عمر مین فضیحت ہوتا رہیگا اور بیٹی کہا کریگی کہ باپ نے جان بوجھ کر مجھے ڈبویا (۳) اگر بادشاہ کے حکم کے مطابق یہ کام اختیار بھی کرون تو فرمایئے کہ شادی کا جو دستور ہے حضور کے مقابلے مین وہ مجھ سے کیا ادا ہو سکے گا۔''[1]

''۱۲۴۶ھ ہجری مین بادشاہ کے مزاج مین عیش وعشرت نہایت بڑھ گیا تھا رات کو شراب خواری کی کثرت ہوتی تھی اور چند خوبصورت خواصین زیور و پوشاک سے آراستہ ہو کر صحبت مین رہتی تھین اور راگ کا زور ہوتا تھا ایکدن شب کے وقت سات خواصون نے اتنی شراب پی کہ نہایت مدہوش ہو کر بادشاہ کے ساتھ شوخی اور بے ادبی کرنے لگین اور مزامیر کے ذریعہ سے اتنی باہم زدوکوب کی کہ نغمات کے آلات ٹوٹ پھوٹ گئے چند خواصین زخمی بھی ہوگئین جس سے بادشاہ کا عیش منغص ہوگیا بادشاہ نے تنبیہ و تادیب کے لیے سب کو ایک کوٹھری مین بند کر دیا اور قفل لگوا کر کنجی اپنے پاس لیکر سُو رہے زوال کے وقت تک کسی نے اُنکی واویلا اور فریاد پر توجہ نکی موسم کی حرارت اور نشۂ شراب کی گرمی اور کوٹھری کی تنگی وحبس کی وجہ سے پیاس کی فریاد کرتی تھین مگر کوئی اُنکے حال پر متوجہ نہوا یہانتک کہ نہایت بیتابی کے ساتھ ساتون مرگئین۔''[2]

بات بات پر نوازنا اور خلعت دینا بھی یہاں کی تہذیبی روایت تھی کسی سے خوش ہوئے تو وہ انعام واکرام اور خلعتوں سے نواز دیا گیا۔ کبھی کبھی جاگیریں اور زمینیں بھی دی جاتی تھیں۔ اگر عورت ہے تو

---

[1] تاریخ اودھ، حصّہ چہارم از نجم الغنی، ص ۳۶۵، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۹ء

[2] تاریخ اودھ، حصّہ چہارم از نجم الغنی، ص ۲۵۳ تا ۲۵۴، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۹ء

زیورات اور قیمتی لباس و خلعتیں اس کا انعام ہوتی تھیں جس میں اکثر چاپلوسی اور خوشامد کا بھی دخل ہوتا تھا۔ 'نجم الغنی' ایسا ہی ایک قصہ بیان کرتے ہیں۔

''مسٹر لوہم فرخ آباد کا جج تھا اس زمانے میں وہ اپنے عہدے سے علٰحیدہ ہو کر کلکتے کو جارہا تھا حکیم مہدی علی خان نے دل مین خیال کیا کہ شاید اس سے کچھ کام نکل جائے اسلیے اُسکو تحریر کیا کہ آپ کلکتے کو جاتے وقت لکھنؤ ہوتے جایئے یہان کی سیر بھی کیجئے اور بادشاہ سے بھی مل لیجئے مین نے اُنکو آپکی ملاقات کا مشتاق کر دیا ہے چنانچہ صاحب مذکور حکیم صاحب کا طلبیدہ لکھنؤ آ گیا مہدی علی خان نے اپنے مکان کے دروازے کے پاس ایک عالیشان خیمے مین ٹھہرایا اس سلطنت کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی بڑا انگریز یہان آتا تو رزیڈنٹ کے ذریعہ سے بادشاہ سے ملتا مگر حکیم صاحب نے اپنے کام کے لیے خفیہ اپنے ساتھ شب مین لیجا کر مسٹر لوہم کی بادشاہ سے ملاقات کرائی مسٹر مذکور نے بادشاہ کو سمجھا دیا اور ایسی باتین کین کہ رزیڈنٹ کے کہنے سے جو بادشاہ کے دل مین فکر پیدا ہوگئی تھی وہ جاتی رہی اور ے جمادی الآخری ۱۲۴۶ھ ہجری مطابق ۴ نومبر ۱۸۳۰ء کو خلعت وزارت دیکر منتظم الدولہ کے خطاب سے سرفرازی بخشی اگرچہ یہ خطاب مہدی علی خان کا پُرانا تھا لیکن انکے اخراج کے بعد معتمد الدولہ نے غازی الدین حیدر سے تاج الدین حسین خان کو دلوا دیا تھا۔''[1]

خلعتوں سے نوازنے کی یہ رسم ہمیں طلسم ہوشربا میں بھی نظر آتی ہے۔

''صرصر نے جا کر دیکھا کہ تخت شاہی پر صورت نگار بیٹھی ہے ہزارہا ساحر اور جادوگرنیان گردو پیش زیب دہ کرسی و دنگل ہین جلسۂ طرب جمع ہے صرصر آداب بجا لائی پشتارہ سامنے رکھ دیا اور عرض کیا کہ گنہگار رعد کو لائی ہون یہ حاضر ہے صورت نگار بہت خوش ہوئی اور صرصر کو بہت بھاری خلعت دیا مقام عزت پر بٹھایا تعظیم و تواضع کر کے رخصت کیا اور حکم دیا کہ ملکہ الماس پری چہرہ کو بلاؤ کہ آ کر اپنے بھائی کے قاتل کو قتل کرین کس لیے کہ وہ اسی لیے ساتھ آئی ہین۔''[2]

---

[1] تاریخ اودھ، حصّہ چہارم از نجم الغنی، ص ۲۵۴ تا ۲۵۵، مطبع منشی نول کشور لکھنؤ، ۱۹۱۹ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۳۱۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

شہر کی زینت وسجاوٹ میں بادشاہ کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے نوابی عہد میں حضرت گنج ہو یا قیصر باغ یا لال باغ تمام شہر شہر نگاراں تھا۔ خوبصورت باغ اور باغیچے سے آراستہ حسن اور دلکشی جس کا کوئی نظیر کوئی نہیں ۔

''دارالسلطنت کی رونق زیادہ تر اُس کے لاتعداد گلستانوں، سبزہ زاروں، خانہ باغوں اور عمارتوں پر منحصر تھی۔ شہری آبادی کے مختلف النوع مکانات، باغات اور معبدگاہوں کے چھوڑتے ہوئے یہاں چار پانچ شاہی باغات، کئی خانہ باغ، دو(۲) وسیع رمنے، چار شاہانہ آب وتاب کے مقابر، دو(۲) عالیشان مساجد، دو(۲) پُر شوکت امام باڑے، دو(۲) نفیس بارہ دریاں، چھ عظیم الشان محلّات اور پندرہ بیس کوٹھیاں ایسی تھیں جن کے مناظر کو سامنے رکھ کر اگر کسی بلندی سے شہر پر نظر ڈالی جاتی تھی تو وہ دُنیا کے حسین ودلکش شہروں میں سے ایک نظر آتا تھا۔''[1]

یہ خوبصورت مناظر جہاں باغات کی جلوہ سازیاں بھی ہیں۔ چار سمت درختوں کی قندیلیں ہیں۔ طلسم ہوشربا میں بھی نظر آتے ہی ہیں اور اوّل تا آخر بکھرے ہوئے ہیں۔ طلسم ہوشربا جلد اول سے ملاحظہ ہو۔

''باغ کی گھانس جو لگی تھی ہر نوک گیاہ پر پھول یاقوت رنگ کھل گئے اور مثل گوہر شب چراغ کے تابندہ اور روشن ہوئے اور حصار باغ آئینہ کا نظر آنے لگا کہ جو چیز بیرون باغ تھی سب دکھائی دیتی تھی چار سمت درختون مین قندیلین اور فانوسین جواہر کی آویزان ہو کر ضیا بخش گلزار بہار ہوگئین باغ کی عمارت کے اندر شیشہ آلات روشن ہوے روشنی ہو رہی تھی۔۔۔۔ آج بوجہ جشن ہونے کے کمال مزین وآراستہ کیا گیا ہے ہر روش پر جواہر چھٹکا ہوا ہے اور زمانہ کے پھول جواہر کے لگے ہین کاسہ ہاے چینی وبلورین دھرے ہین بعض انمین نرگس دان الماش تراش ہے تاک انگور پر ایسا جوش ہے کہ میکشون کو اُسکی تلاش ہے خوشون پر تمامی کی تھیلیان چڑھی ہین کلابتوؤن کی ڈوریان کسی ہین درختان اصلی کے مقابل شجر جواہر کے لگے ہین پالو ہرن چمنستان مین کودتے ہین سینگ اُنکے چاندی سونے سے منڈھے ہین جھولین

[1] لکھنؤ کی تہذیبی میراث از ڈاکٹر سیّد صفدر حسین، ص۱۴۳، اردو پبلشرز، ۸ تلک مارگ، لکھنؤ، ۱۹۷۸ء

زردوزی کی اور تمامی کی پڑی ہین اور درخت تمام بادلے سے منڈھے ہین اور ہر
درخت کے نیچے چبوترے بلور کے بنے ہین اور نہرین اور حوض آب صاف وشفاف
سے لبریز ہین اُنمین مچھلیاں رنگ برنگ کی تیرتی ہین تماشہ خیز ہین منہدی کی ٹیٹون پر
عشق پیچان لپٹا ہے مقیش کترا ہوا روشون پر پڑا ہے گیند مقیشی اور قمقمے درختون مین
لٹکے ہین سرو کے درخت قامت رعنائے معشوق کو شرماتے ہین ہر سرو کی چوٹی پر
طاؤس ناچتے ہین۔۔۔۔''[1]

نواب کا محل بھی دریا کے کنارے خوبصورت مناظر کے بیچ ہے جسے شجاع الدولہ نے تیار کروایا۔
آصف الدولہ نے اس کے حسن میں مزید اضافے کیے۔ایک مثال ملاحظہ ہو۔

''نواب کا محل دریا کے کنارے واقع ہے جہاں سے دریائے گومتی اور مشرقی خطۂ
زمین کے وسیع مناظر صاف نظر آتے ہیں اس محل کا کچھ حصّہ نواب شجاع الدولہ نے
تیار کرایا تھا لیکن موجودہ حکمراں (آصف الدولہ) نے اس میں بہت زیادہ اضافہ کیا
ہے۔اس احاطے میں وسیع قطعات اور ایک دربار جہاں وہ حاضرین سے آزادی
کے ساتھ ملتے ہیں تیار کرایا ہے۔ یہ دربار تین محرابوں کا ایک سلسلہ ہے جو ایک
دوسرے کے متوازی اور بَربَری (Moorish) انداز کے ستونوں پر قائم ہیں۔اس
کی چھت اور دیواریں خوبصورتی کے ساتھ ملمّع کی گئی ہیں اور سجاوٹ اور گلکاری سے
منقّش ہیں۔دربار تک آنے والا زینہ ایک خوبصورت چمن میں واقع ہے۔اس چمن
کا قرینہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ ہم اکثر ہندوستانی مصوّری میں دیکھتے ہیں یعنی یہ
مُربع قطعات پر مشتمل ہے۔اس چمنستان میں ایسی تیز خوشبو کے پُھول لگائے
ہوئے ہیں کہ جو ایک یورپین کے اعصاب پر فوراً حملہ آور ہوتے ہیں۔اس عمارت کا
بیرونی حصّہ کچھ زیادہ توصیف کے قابل نہیں ہے اسے دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ شاید
بارہویں صدی میں یورپ کا بیرنس کاسل (Baron's castle) بھی اسی انداز
کا ہوگا۔''[2]

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۴۹۸ تا ۴۹۹، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] لکھنؤ کی تہذیبی میراث از ڈاکٹر سیّد صفدر حسین، ص ۱۴۹ تا ۱۵۰، اردو پبلشرز، ۸ تلک مارگ، لکھنؤ، ۱۹۷۸ء

ایسی ہی دھوم دھام اور سجاوٹ طلسمی حکومت میں بھی نظر آتی ہے۔

''عمرو نے اندر شہر کے آ کر دیکھا کہ کٹورا کھنک رہا ہے گرم بازاری ہر طرف ہے کرسی دُکانون کی برابر دونون طرف بیچ مین پختہ پتھر کی سڑک درخت مولسری کے سایہ دار کنارے سڑک کے لگے ہین خریدار بیوپاری سیاح ہر قسم کے لوگ خوشحال و دلشاد ہر طرف لین دین کرتے پھرتے ہین سقون کے کٹورون کی جھنکار دلالون کی بول چال ہر سمت دھوم دھام خلقت کا اژدھام عمارتین گچ اور پختہ تعمیر کمرے نفیس و خوش قطع و دلپذیر عمرو سیر کنان قریب دارالعمارۃ شاہی کے پہونچا یہان سے اہل عملہ کو اسی باغ کی طرف کہ جہان سامان دعوت اجلال ہوا ہے جاتے دیکھا عمرو بھی اُنھین کے ساتھ ساتھ اس باغ مین آیا یہان بڑا سامان اور تجمل شاہانہ دیکھا کہ باغ سرسبز و شاداب آبیاری رحمت نخلبندی حقیقی سے سیراب ہے طائران خوش الحان زمزمہ سرا گلشن گلہاے صحن باغ لب نہر سرو چراغان رشک دہ داغہاے خاطر عاشقان ہے فرش مکلّف بچھا ہے اجلال مسند پر بیٹھا ہے سامنے ناچ ہو رہا ہے۔''[1]

طلسم ہوشربا کی اس ماحول سے مناسبت رکھنے والی ایک تاریخی تصویر پیش ہے۔

''میں سب کے ہمراہ ایوانِ شاہی میں داخل ہوا۔ اس محل کے کمرے عام طور سے بہت وسیع اور اعلیٰ درجہ کے جھاڑ فانوس سے آراستہ تھے۔ بیش قیمت اور نفیس چوکٹوں میں بہت سی عمدہ عمدہ تصویریں اور مرقعے آویزاں تھے۔ قصّہ کوتاہ، عجائب صنعتِ نوادرِ روزگار کا ایک ذخیرہ تھا جسے دیکھ کے بجائے محظوظ ہونے کے آدمی حیران و ششدر رہ جاتا تھا۔ جگمگاتے جھاڑ فانوس، صندل اور آبنوس وغیرہ نادرالوجود لکڑیوں اور ہاتھی دانت کی میزیں، الماریاں، نفیس نفیس زرہ بکتر، کود اور چار آئینہ کے جوڑ اور جواہرات سے مغرق اسلحہ، جواہر جڑی ہوئی ڈھالیں، ہر طرف انہیں چیزوں کی بہتات تھی جن کے دیکھنے سے نظر خیرہ ہوتی تھی۔ اس محل میں صرف کھانے کا کمرہ جس میں بادشاہ اپنے مصاحبینِ خاص کے ساتھ خاصا نوش فرماتے تھے۔ بہت سادہ سجا تھا اور سجاوٹ کی سادگی میں انگریزی کھانا کھانے کے کمروں

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۳۰، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

سے کچھ فرق نہ رکھتا تھا۔''[1]

عشق کی رنگ آمیزی اردو کی تمام داستانوں کا اہم خاصہ ہے۔مختصر داستانوں باغ و بہار،نوطرز مرصع سے فسانہ عجائب تک کی داستانوں کے قصوں کا محور عشق ہی ہے۔امیر حمزہ میں بھی عشق مرکزی حیثیت کا حامل ہے اور طلسم ہوشربا میں بھی اوّل تا آخر عشق ہی رواں دواں ہے۔جتنی جادوگرنیاں شریک طلسم ہوتی ہیں ان میں سے پیشتر عشق کے ہاتھوں مجبور ہو کر شریک لشکر اسلام ہوتی ہیں اور انہیں کے سہارے یہ جنگ اختتام پر بھی پہنچتی ہے۔عشق کا یہ تصور کہیں اور کا نہیں لکھنوی ماحول کا دیا ہوا ہی ہے جہاں واجد علی شاہ کے محل کی تعداد ۱۰۰ سے اوپر تھی اور محل کا خطاب دے کر کسی بھی منظور نظر کو داخل محل کیا جاتا تھا۔بیگم حضرت محل بھی اسی طرح داخل محل ہوئیں تھیں۔صرف واجد علی شاہ ہی نہیں ان کے صوفی باپ امجد علی شاہ اور دیگر نوابین اودھ کی داستان زندگی عشقیہ مضمون سے بھری ہوئی ہے چنانچہ طلسم ہوشربا میں بھی عشق ضرورت اور مصلحت اندیشی کے تحت رواں دواں نظر آتا ہے۔داستان کی شروعات بدیع الزماں کے عشق سے ہوتی ہے پھر اسد غازی کے انگنت عشق دیگر شہزادوں ایرج وغیرہ کے عشق سے داستان میں رنگ آمیزی بھی ہے اور استحکام بھی یہ عشق داستان کی سجاوٹ نہیں ضرورت بن سامنے آتا ہے۔ایرج نوجوان کو بھی رہائی کے لیے عشق کی ضرورت ہے ایک مثال پیش ہے ۔

''ایرج نوجوان نے کلیجہ پر ہاتھ رکھا ملکہ انجم ماہ رخسار تو پھڑک گئی ضبط نہ کر سکتی تھی جی چاہتا ہے اُٹھکر لپٹ جاؤن سوزن جادو کو کرسی پر جگہ دی اور کہا بوا کس بیگناہ کو پکڑ لائین کیا پیشہ جلادی اختیار کیا یہ جوان کس خاندان عالی سے ہے کیا تمھارا گناہ کیا اسکے ہاتھ سے کسی کا خون ہوا جو اسطرح بیدردی سے گرفتار کیا ہے یا کوئی ساحر زبردست ہے تم نے سراپا سحر مین مبتلا کر دیا گلے مین بیچارے کے سانپ لپٹے ہتکڑیان اتنی بھاری بیڑیان دوہری بوا کچھ سامری جمشید کا بھی خوف ہے تم تو جلاد بنگئین بوا سوزن تم تو کلیجہ مین کھٹکین اسم بامسمےٰ ہوگئین درزی کی سوئی کبھی گاڑھے مین کبھی زربفت مین قطع و برید تم پر ختم ہوئی سوزن نے کہا ملکہ عالم آپ ناحق خفا ہوتی ہین مین گھڑی بھر کے واسطے آئی ہون اپنے قیدی کو لیکر چلی جاؤنگی یہ شخص قاتل

---

[1] لکھنؤ کی تہذیبی میراث از ڈاکٹر سیّد صفدر حسین ،ص ۱۵۱ تا ۱۵۲ ،اردو پبلشرز ،۸ تلک مارگ ،لکھنؤ ،۱۹۷۸ء

ساحران طلسم اسکندری ہے اسکے رگ و ریشہ مین جرأت بھری ہے اس جوان نے
جا کر طلسم مین ہزارون کو قتل کیا۔''[1]

''ملکہ قمر طلعت غضنفر کو دیکھکر بیہوش ہوگئی کنیزون نے جلد جلد گلاب چھڑکا کہ ملکہ کو
ہوش آیا اور اسنے شاہزادہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور بارہ دری مین لائی مسند پر بٹھایا اور آپ
پہلو مین بیٹھی کشتی شراب کی اپنے آگے کھینچکر جام شراب سے بھر کر شہزادے کو پنجۂ
نگارین خوشنما پر رکھ کے دیا شہزادے نے فرمایا کہ اے ملکہ جب تک تم مسلمان نہوگی
یہ شراب ہمپر حرام ہے ملکہ نے شہزادے کی خوشی کے لیے کلمۂ طیبہ زبان پر جاری کیا
شہزادہ غضنفر بہت خوش ہوا پھر ملکہ کو گلے سے لگایا بوسہ لب شیرین کا لیا اور وہ جام مے
ارغوانی لیکر پیا اب تو دور جام بے دغدغہ نیرنگی ایام چل نکلا اس مین وہ زمانہ آیا کہ دن
مائل پرواز ہوا اور شب عشرت نے منھ دکھایا۔''[2]

یہی نہیں جب عشق کے مناظر آتے ہیں تو مثنویوں اور واجد علی شاہ کی عشقیہ اور بیانیہ نظموں کی پیش کش میں داستان گو کا قلم بھی بے لگام ہو جاتا ہے اور شعر و شاعری کا دریا رواں ہو جاتا ہے۔

اے کشتۂ تیغ دل ربائی — دے ظلم رسیدۂ جدائی
اے آہوے وادی مودت — آوارۂ دشت رنج فرقت
اے ماہ منیر عشقبازی — اے یکہ سوار ترکتازی
اے بلبل گلشن محبت — اے قمری سرو باغ محنت
تجسا کوئی بے زیا نہ دیکھا — مجسا کوئی باوفا نہ دیکھا
اس بات بز نمین تیرے عاشق — سچ سمجھو اسکو میرے عاشق
گر یاد رہے یہ بات تجکو — گر دور کہین سمجھ کے مجکو
وان آنکھ کسی سے گر لگائی — تو جان لو اسمین موت آئی
دلمین اگر آرزو کچھ آئی — تو تیر ہے خنجر جدائی
گر ہاتھ ہوے کسی کے پا بوس — برسون ہی ملوگے دست افسوس
فرقت مین ہمارے تو خبردار — رکھنا مری یاد سے سروکار[3]

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصہ دوم از احمد حسین قمر ص ۲۴۱، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء
[2] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۷۵۸، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء
[3] طلسم ہوشربا، جلد پنجم حصہ دوم از احمد حسین قمر ص ۲۵۹، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

یہ رنگ کہاں سے آیا؟ ظاہر ہے یہ بھی لکھنؤ کا رنگ ہے خصوصاً عہد واجد علی شاہ میں عشق و عاشقی کے چرچے عام تھے۔ واجد علی شاہ نے کو اپنی عشقیہ داستانیں نظم کر کے اپنے عنفوان شباب میں کافی بدنامی حاصل کی تھی۔ 'گذشتہ لکھنؤ' میں شرر لکھتے ہیں ۔

''وہ کہاریوں، رنڈیوں، خواصوں، محل میں آنے جانے والی عورتوں، غرض صدہا عورتوں پر عاشق ہوئے اور چوں کہ ولی عہد سلطنت تھے، اپنے عشق میں خوب کامیاب ہوے۔ جن کی شرم ناک داستانیں، ان کی نظموں، تحریروں اور تصنیفوں میں خود ان کی زبانی سے سن لی جاسکتی ہیں اور یہی سبب ہے کہ تاریخ میں ان کا کیرکٹر سب سے زیادہ ناپاک اور تاریک نظر آتا ہے۔''[1]

[1] گذشتہ لکھنؤ از عبدالحلیم شرر، ص ۱۰۱ تا ۱۰۲، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۱ء

باب ششم

داستان امیر حمزہ میں طلسم ہوشربا کی ادبی اہمیت

(۱) نثری ادب کی ترویج میں طلسم ہوشربا کی اہمیت
(۲) اردو ادب میں با اقتدار عورتوں کی عکاسی
(۳) طلسم ہوشربا کی مقبولیت: زبان اور انداز بیان
(۴) دیگر اصناف ادب پر داستانوی اثرات

اردو میں داستان امیر حمزہ کی سحر طرازیوں کی جلوہ سامانیاں ایک صدی سے بھی زیادہ کی ادبی وراثت پر محیط ہیں۔ یک جلدی داستان امیر حمزہ سے ۴۶ جلدی طویل سلسلے تک میں داستان امیر حمزہ کی شہرت اور مقبولیت میں کمی نہیں آئی یہ سلسلۂ طباعت بار ہشتم نہم اور دہم تک بھی پہنچے اور بیسویں صدی کی تقریباً چوتھی دہائی تک طبع ہوتے رہے۔ ان تمام دفاتر میں بھی دفتر پنجم طلسم ہوشربا خصوصاً قابل ذکر ہے۔ اس دفتر کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ یہ ۴۶ جلدوں میں سب سے مقبول دفتر ثابت ہوا۔ طلسم ہوشربا کی داستان نوشیروان نامہ سے ایرج نامہ تک کے داستانوی سلسلے کے آگے کی کڑی ہے لیکن گذشتہ سے پیوستہ ہونے کے باوجود طلسم ہوشربا کی سات جلدیں ایک الگ اکائی کی شکل میں مکمل ہیں کیونکہ اس کی شروعات سرحد ہوشربا سے ہوتی ہے اور اختتام ہوشربا کے خاتمے سے ہوتا۔ چنانچہ قاری یا سامع کے لیے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ گذشتہ یا آئندہ دفاتر تک بھی یقینی طور سے رسائی حاصل کرے اور چونکہ طباعت میں بھی طلسم ہوشربا کو اولیت حاصل تھی اس لئے سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت اسے ہی حاصل ہوئی اور کسی دفاتر کو یہ اہمیت نصیب نہیں ہوئی۔

طلسم ہوشربا کی مقبولیت کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ داستان امیر حمزہ کے سلسلے کی جو داستانیں نول کشور پریس میں لکھیں اور چھپیں ان میں اوّلیت طلسم ہوشربا کو حاصل ہے۔ طلسم ہوشربا کی طباعت کا سلسلہ ۱۸۸۱ء سے شروع ہوا اور اوائل ۱۸۹۳ء تک چلا اور اس کے دوسرے تیسرے ایڈیشن ۱۹۱۷ء تک چھپتے رہے۔

ظاہر ہے یہ داستانیں بیان کنندہ کے لیے تھیں کیونکہ اس وقت فن داستان گوئی بادشاہ وامراء کے دربار سے نکل کر عام لوگوں تک پہونچ چکی تھی گلیوں اور چوراہوں پر داستان گوئی کا اہتمام کیا جاتا تھا لوگ اپنے ضروری مشاغل سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اکٹھا ہوتے تھے اور داستان گو کہانی میں تجسس بناتے ہوئے ایک ایک قصّہ کو طول دے کر بیان کرتا تھا۔ اس لئے جب یہ فن عام لوگوں تک پہونچ گیا تو انہیں قصّہ بیان کرنے کے لئے تحریری مواد کی ضرورت ہوئی اسی مقبولیت کو پیش نظر رکھکر منشی نول کشور نے فورٹ ولیم کالج اور غالب لکھنوی کے نسخہ کو سامنے رکھکر عبداللہ بلگرامی سے از سر نو داستان

امیر حمزہ تحریر کرائی یہ چار دفاتر پر مبنی یک جلدی داستان صرف امیر حمزہ کے خاندانوں کے گرد گھومتی تھی لہٰذا تجارتی نقطۂ نظر سے داستان کو مزید دلچسپ بنانے کے لیے نول کشور نے وجاہت حسین جاہ کو ملازم رکھا اور داستان گوئی سے داستان نویسی کی طرف مراجعت کی اور وجاہت حسین جاہ نے داستان امیر حمزہ کے زیرِ عنوان ایک نیا دفتر طلسم ہوشربا کے نام سے تخلیق کیا جس میں طلسم ہوشربا نام کی ایک نئی طلسمی سلطنت تخلیق کی۔ یہ داستان بے پناہ مقبول ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئی اور سلسلہ آگے بڑھا یکے بعد دیگرے نئی جلد آتی گئی اور فروخت ہوتی گئی۔ چنانچہ اس کے دوسرے اور تیسرے ایڈیشن بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں تک چھپتے رہے اور ہاتھوں ہاتھ نکلتے رہے کیونکہ داستانیں بھی تفریحِ طبع کا ذریعہ تھیں ۱۹۲۲ء میں بولتی فلمیں آئیں تب داستان گوئی کا رواج رو بہ زوال ہوا۔ اس وقت کے لحاظ سے اس کی قیمت بہت زیادہ تھی پھر بھی کئی ایڈیشن چھپا۔ یہ طلسم ہوشربا کی مقبولیت کی دلیل ہے کیونکہ یہ داستان گوئی صرف عوام کا شوق ہی نہیں بلکہ داستان گویوں کی معیشت سے بھی وابستہ تھی چنانچہ منشی نول کشور نے اس ضرورت کو مد نظر رکھکر اس سلسلہ کو طویل کیا اور ساتویں جلد میں طلسم شکنی ہوئی۔ اس کے بعد بھی طلسم ہوشربا کی مانگ کو سر دست رکھتے ہوئے دوبارہ بقیہ طلسم ہوشربا تحریر کرائی جو ۱۸۹۷ء میں آئی لیکن ۱۸۹۳ء سے ۱۸۹۷ء کے درمیان دوسری اہم داستانیں تورج نامہ صندلی نامہ وغیرہ خصوصاً احمد حسین قمر کی طلسم نور افشاں منظر عام پر آ چکیں تھیں اس لیے بقیہ طلسم ہوشربا کو مقبولیت نہیں ملی۔ خصوصاً طلسم نور افشاں سے لوگ طلسم ہوشربا میں واقفیت رکھتے تھے تو اس کی طلسم شکنی کے لیے منتظر تھے۔ چنانچہ طلسم ہوشربا کی مقبولیت کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ اسے اوّلیت کا شرف حاصل ہے اور دلچسپی کے عناصر اس میں داستان امیر حمزہ کی یک جلدی داستان سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کی ابتدا کا انداز ہی انوکھا ہے:

''آغاز داستان حیرت بیان طلسم ہوشربا اور داخلۂ لشکر لقا کوہستان مین

فرد نگارندہ نقاش معنی قریب   عروس سخن را چنین دادہ زیب

ساقیان خمخانۂ اسماء وجرعۂ نوشان جام افکار بادۂ ارغوانی شنجرف تحریر سے ساغر قرطاس
کو اسطرح مملو کرتے ہین کہ جب زمرد شاہ باختری نے طلسم ہزار شکل سے رہائی پائی
اُسکے وزیر بتدبیر نے صلاح بتائی کہ ملک کوہ عقیق گلزار سلیمانی کا بادشاہ عالیجاہ فوج

بیکران و پہلوانان دوران رکھتا ہے اور اسی ملک سے ڈانڈا طلسم ہوشربا کا ملا ہے حاکم طلسم افراسیاب جادو شہنشاہ ساحران نہایت زورآور جو کہ نہیب شمشیر سے اُس کے سرکشان دہر کانپتے اور تھراتے ہین اور سحر آزمائی سے سامری عہد اور جمشید روزگار کان پکڑتے ہین۔''[1]

ظاہر ہے جب طلسم ہوشربا کو اتنی غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوگئی تو دوسری داستانوں کو اس کے مدمقابل آنا ایک دشوار کن مرحلہ تھا کیونکہ پہلے آنے والی چیزوں کو ہمیشہ ہی مابعد پر افضلیت حاصل ہوتی ہے چنانچہ اس کی اوّلیت اس کی ادبی اہمیت کا ایک بہت بڑا سبب ہے کیونکہ طویل داستانوں میں اب تک کسی داستان کو یہ شرف حاصل نہیں تھا۔ بوستان خیال ۱۸۵۵ء میں آئی اور اس میں بھی عیاروں اور ساحروں کے ہی قصے تھے کیونکہ فورٹ ولیم کالج میں ہی امیر حمزہ یک جلدی میں چھپ کر مقبول ہو چکے تھے اور غالب لکھنوی نے اسے مزید مقبول کیا تھا۔ یہ نسخہ اتنا مقبول تھا کہ بیسویں صدی تک چھپتا رہا۔ www.rekhta.com پر نول کشور پریس کا یک جلدی نسخہ موجود ہے جس پر بار ہشتم درج ہے غالب لکھنوی کا نسخہ تو شمس الرحمٰن فاروقی کی سرپرستی میں کلاسیکی ادب سلسلہ میں اکسفورڈ پریس سے بھی شائع ہوا۔ اسی سلسلے میں طلسم ہوشربا کی بھی تمام ۱۰ جلدیں جو کہ ۱۹۸۸ء میں خدابخش لائبریری سے شائع ہوئیں تھیں۔ ایک بار پھر اکیسویں صدی میں چھپیں چنانچہ اس مقبول داستانوی سلسلے کے بعد بوستان خیال کو خاطر خواہ مقبولیت حاصل نہیں ہوتی اور عجائب القصص کے زمانے تک خصوصاً اردو داستانوں کو عوام میں وہ مقبولیت حاصل نہیں تھی جبکہ طلسم ہوشربا تحریر کیے جانے تک فورٹ ولیم کالج اور نول کشور نے داستان کی ہر دلعزیزی کے لیے زمین ہموار کر دی تھی پھر اس داستان کا انداز بیان غالب لکھنوی اور جاہ و قمر کی جادو بیانی بھی مقبولیت کے بڑے اسباب ہیں۔

نثری ادب کی ترویج میں طلسم ہوشربا کی اہمیت

اردو کی نثری تاریخ کے ابتدائی عہد میں صرف صنف داستان ہی ادب کے معیار پر کھری اترتی نظر آتی ہے کیونکہ اردو میں جب داستان نویسی کی شروعات ہوئی تو اردو ادب کا تمام تر اثاثہ شعری ادب پر

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۳، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

مبنی تھا۔ غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، رباعیات، قطعات وغیرہ پر خوب خوب طبع آزمائی ہو رہی تھی۔ غور طلب ہے کہ یہ تمام شعری اصناف فارسی سے ہی مستعار تھیں ایسے میں اگر ہم نثری سرمایہ پر نظر ڈالیں تو چند دیباچے، تقریظیں یا زیادہ سے زیادہ تہذیبی نقطۂ نظر کے بیان جو عموماً یا تو واقعہ کربلا پر مبنی تھے یا علمائے کرام وصوفیائے کرام کی کتابیات پر مشتمل تھے جن کا مدعا و مقصد ادب نہیں بلکہ ایصال ثواب تھا۔ ایسے میں داستان نویسی ہی وہ صنف ادب تھی جس کا تعلق ادبِ ذوق سے تھا اور شاعری کی طرح یہ بھی فارسی زبان سے ہی مستعار تھیں اکثر تو ان میں ترجمہ تھیں۔ ان داستانوں کا مقصد بھی بیانیہ ہی تھا اور یہ سنانے کے لیے ہی تحریر کی گیئں تھیں پڑھنے کے لیے یا ادبی دعووں کے لیے نہیں مقصد مجلسی ہی تھا لیکن تفریحی جس میں سب سے زیادہ مقبولیت داستان امیر حمزہ کو حاصل ہوئی اور اس میں بھی طلسم ہوشربا کے سات دفاتر سب سے زیادہ مقبول ہوئے۔ باغ و بہار اور فسانۂ عجائب کے بعد جنہیں پورے طور پر داستان کے زمرے میں نہیں رکھا جاتا۔ سب سے اہم کڑی طلسم ہوشربا ہی ہے۔ یہ امر نہایت حیرت انگیز ہے کہ جس حمزہ کو قاری داستان امیر حمزہ کی مقبولیت کا سبب مانتے ہیں وہ دفتر اول نوشیروان نامہ سے ہی مرکزی حیثیت کے حامل ہیں۔ یہی نہیں چار دفاتر پر مبنی یک جلدی داستان امیر حمزہ کے تینوں سلسلوں میں بھی یہ مرکزیت موجود ہے لیکن اگر ہم طلسم ہوشربا کی مقبولیت کے اسباب کی تلاش کریں تو یہاں حمزہ کی برتری نہیں نظر آتی بلکہ یہاں تو کئی نکات ذہن میں آتے ہیں۔ پہلا تو جیسا کہ مذکور ہے کہ امیر حمزہ کی بہادری، دین اسلام کے لیے ان کے دل میں بیکراں محبت اس کی وجہ ہوسکتی تھی لیکن پھر اور دفاتر کو بھی یہی مقبولیت حاصل ہونی چاہیے تھی لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اگر طلسم ہوشربا دفتر اول ہوتی تو یہ سوچا جاسکتا تھا کہ ایک نئے طرز ادا سے داستان امیر حمزہ کا آغاز ہوا اس لیے یہ قصّہ مقبول ہوا لیکن ایسا بھی نہیں ہے۔ ایک نکتہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ طلسم ہوشربا کو داستان امیر حمزہ کا منتہا مانا جائے لیکن یہاں بھی ایک دقت ہے کہ جب یہ داستان محض بیانیہ ہے اور اس میں کوئی مربوط قصّہ ہے ہی نہیں بس ہر قدم پر قصّہ در قصّہ پیدا ہوتا ہے تو یہ احتمال بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا قصّہ نویسوں محمد حسین جاہ اور احمد حسین قمر کے سر اس کامیابی کا سہرا جاتا ہے؟ ایسا بھی نہیں ہے۔ طلسم ہوشربا کی ابتدائی چار جلدیں محمد حسین جاہ کی تحریر کردہ ہیں اور بعد کی اور بقیہ طلسم ہوشربا احمد حسین قمر کی لیکن روانی سے طلسم ہوشربا پڑھتے جاتے ہیں انداز بیان میں

کوئی فرق نہیں ملے گا اور آگے نکلیں طلسم نور افشاں اور طلسم ہفت پیکر بھی پڑھ جائیے تو یہاں بھی کسی کمتری کا احساس نہیں ہوگا وہی خصائص زبان و بیان کی روانی، استعارے، اشعار کی بھرمار قصّوں کی طوالت اور تکرار اور جنگ کے منظر نامے سب امیر حمزہ کی ساری ہی جلدوں میں موجود ہیں تو پھر طلسم ہوشربا میں ایسا کیا تھا؟ افراسیاب، حیرت جادو یا وہ فضا جو اول تا آخر طلسم ہوشربا میں چھائی ہوئی ہے۔ ان سب کا تجزیہ کرنے کے لیے طلسم ہوشربا کے فنی خصائص کا اجمالی جائزہ ضروری ہے۔

جیسا کہ اولاً لکھا جا چکا ہے داستانوں کا بیانیہ ہی اس کا لازمی جزو ہے اور بیانیہ میں انداز بیان ہی خصوصی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے جائزہ لینے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلسم ہوشربا کی کامیابی کا اصل نکتہ اس کے پرکشش انداز بیان میں مضمر ہے۔ وہ جنگ کا منظر ہو یا جشن کا خوف و دہشت کا ہو یا حسن جمال کا ہر موقع پر داستان نویس اپنے قلم کے جادو بکھیرتا نظر آتا ہے۔ یہ کمال فن ہے کہ تحریر کرتے وقت تقریر یا بیانیہ کے منظر کو سامنے رکھ کر لکھا جائے اور اس میں بیان شدہ کے تمام اوصاف موجود ہوں یہ الگ طرح کا ہی فن ہے۔ شاید افسانہ یا ناول لکھنے میں اتنا محتاط رویہ رکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اسے پُر سکون ماحول میں پڑھنا ہے لیکن یہاں سامع کے ذوق کو اور اس کی توجہ کو بھی ملحوظ رکھنا ہے کیونکہ طوالت کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ قصّہ کو طول بھی دیا جا رہا ہو اور بیزاری بھی نہ پیدا ہو کیونکہ بیزاری کی صورت حال میں سامع محفل چھوڑ کر چلا جائے گا یہ تبھی ممکن ہے جب تجسس اور دلچسپی قائم رہے۔ شاید اردو میں ڈراما نگاری کی ناکامی کا یہی سبب ہے کہ لکھتے وقت ڈراما اسٹیج اور ناظرین کی توقعات کو ملحوظ نہیں رکھا گیا لیکن یہاں سامع کی دلچسپی ملحوظ خاطر ہے۔ چنانچہ جنگ کا منظر ہو یا عشق کا بیان یا سحر کے مناظر یہ بیان اتنی دلچسپی اور چٹخارے سے بیان ہوتے ہیں کہ کوئی محفل چھوڑنے کا متحمل نہیں ہوتا۔ اسی کے ساتھ ہی آگے کیا ہوگا کا تجسس قاری اور سامع دونوں کو اس وقت تک اپنی گرفت میں رکھتا ہے جب تک طلسم شکنی نہیں ہو جاتی۔ طلسم ہوشربا کی یہی مقبولیت اردو میں نثر نگاری کو ایک نیا انداز دینے میں معاون ہوئی۔

اردو ادب میں با اقتدار عورتوں کی عکاسی

ایک اور اہم بات جو قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے وہ خیر و شر کا تصادم ہے جو قدر مشترکہ

داستان امیرحمزہ کے خیر وشر کے معرکے ہیں وہ ہیں لقا اور حمزہ، لقا کے ساتھ ساحروں کی سحر طرازیاں ہیں تو حمزہ کے ساتھ عیاروں کی عیاریاں اور خود حمزہ کے معجزات کہ وہ ہر بار ساحروں کی فتنہ پردازیوں سے بچ نکلتے ہیں لیکن طلسم ہوشربا میں جو مختلف ہے وہ ساحرائیں اور یہ ساحرائیں بے حد طاقتور غیر معمولی صلاحیتوں کی حامل اور خود مختار ہیں خصوصاً ملکہ حیرت جادو جو کہ طلسم ہوشربا کے بادشاہ افراسیاب کی بیگم ہے یوں تو افراسیاب کی کئی منظور نظر ہیں لیکن ملکہ حیرت میں ایک خاص بات ہے بادشاہ تو افراسیاب ہے لیکن بادشاہت حیرت جادو کی ہے کیونکہ حیرت غیر معمولی طاقت اور فہم وفراست کی مالک ہے اور اپنی سوجھ بوجھ کے ذریعہ وہ افراسیاب کو ہر مصیبت سے بچالیتی ہے یعنی یہ خالص ہندوستانی عورت کا کردار جو اپنے شوہر کی طرف سے کتنی ہی بے توجہی کا شکار ہو لیکن مصیبت کے وقت ستی ساوتری بن کر شوہر کو ملک الموت سے بھی چھین لاتی ہے۔ فسانۂ عجائب کی ملکہ مہر نگار بھی اس طرح کی خوبیوں کی حامل ہے اور فسانۂ عجائب بھی لکھنؤ کی مقبول ترین داستان ہے لیکن اس میں داستانوں کے تمام عوامل نہیں پائے جاتے اس لیے ماہرین فن داستان نے اسے کمزور داستان سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اس میں داستان گوئی کے خصائص نہیں ہیں لیکن ملکہ حیرت کی طاقت اور فہم وفراست طلسم ہوشربا کی کامیابی کا ایک اہم باب ہے۔ حیرت کی بہادری کی مثال ملاحظہ ہو:

> ''مصور تو غرق زمین ہوا مگر اور ساحر جو سامنے کھڑے تھے اُنکو اُس گولے نے جلا کر راکھ کر دیا یہ ماجرا دیکھکر حیرت جادو نے ایک بیضہ سحر کا مارا کہ اُسمین سے دھوان اور سیاہی نکلکر مثل چادر ظلمات کے پھیلکر مہرخ جہان کھڑی تھی وہانتک پھیل گئی اور چالاک معمار وغیرہ سب اُس تاریکی مین پوشیدہ ہو گئے اور صرصر تو اپنی کمبختی سمجھ کر علٰحیدہ جا کر کھڑی ہوئی تھی وہ حیرت کے پیچھے اب جا کر کھڑی ہوئی پھر حیرت نے دو گولے اپنی انگیا مین سے نکالے ایک گولے کی یہ خاصیت تھی کہ کیسے ہی زبردست جادوگر اس تاریکی کا پیدا کرنے والا ہو مگر اس گولے کے مارنے سے وہ تاریکی دفع ہو جائے اور روشنی ہو جائے مقیدان تاریکی رہا ہو جائین۔''[1]

ملکہ حیرت کے علاوہ بھی اگر نظر غائر سے دیکھیں تو طلسم ہوشربا میں صرف نسوانی کرداروں کا ہی

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۲۵۱، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

دبدبہ ہے خواہ لشکر افراسیاب کی بات ہو خواہ لشکر اسلام کی۔ اگرچہ لشکر اسلام میں نسوانی کرداروں کا فقدان ہے اور جیسا کہ ماقبل عرض کیا جا چکا ہے گردیہ بانو کے علاوہ کسی کردار کا ذکر خاندان حمزہ میں نہیں لیکن طلسم شکنی جس کا ذمہ لیکر اسد غازی داخل طلسم ہوئے تھے۔ اس میں انہیں ہرگز بھی کامیابی حاصل نہیں ہوتی اگر انہیں ملکہ مہرخ کی سربراہی اور ملکہ بہار جادو اور سرخمو کاکل کشا جیسی طاقتور ساحرنیوں کی معاونت حاصل نہ ہوتی۔ مہرخ اتنی طاقتور ہے کہ اسد کے لیے اسے زیر کر کے اپنا مطیع بنانا ممکن ہی نہیں تھا چنانچہ وہ کتاب سامری میں اسد کی طلسم شکنی کی پیشن گوئی دیکھ کر خود بخود شریک لشکر اسلام ہوئی۔ ذیل کے اقتباس سے ملکہ مہرخ کی طاقت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

''یہ سُنکر مہرخ صحراے طلسم مین آکر چلہ کش ہوئی پوجا کرتی رہی جب چلہ پورا ہوا صدا آئی کہ جلد جا تیرے لشکر کو میرے پوتے نے برباد کر رکھا ہے کچھ پھول یہان سے چُنتی ہوئی جانا اور طلسمی پتلون سے لشکر کو اپنے بچانا مہرخ نہ یہ صدا سُنکر پھول چنکر سحر کی جھولی مین بھرے اور دستک دی کہ آندھی آئی ابرزرد رنگ پیدا ہوکر زمین پر اُترا اس ابر پر بیٹھکر اپنے لشکر کی جانب روانہ ہوئی اور اسوقت آکر پہونچی کہ بہار دعا مین مصروف تھی اور ہنوز دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ ابرزرد سمت فلک نمایان ہوا اور نعرہ کی صدا آئی کہ منم ملکہ مہرخ سحر چشم لشکریون نے اپنی مالکہ کو دیکھکر خوشی کی مہرخ نے پھول باغ سامری کے لشکر مصور پر کھینچ مارے دفعتہً ایسی آندھی آئی کہ جہان سیاہ ہوگیا اور لکے ابر سُرخ و زرد کے لشکر حریف پر آکر چھاگئے ایک طرف کے ابر سے پیکان تیر اور دوسری سمت سے پتھر گران برسنے لگے مہرخ نے ابر اپنا زمین پر اُتار کر نعرہ کیا کہ اے بچیا آئینہ دار جادو یہ تحفہ باغ سامری کا آکر لے اور پھول پھینک کر ایسا سحر پڑھا کہ زمین شق ہوئی ایک ساحر پیدا ہوا کہ سارا جسم اسکا آئینہ کی طرح چمکتا تھا اور وہ پھول اسنے اُٹھا کر سونگھے اسی وقت جسم مین آگ لگی اور جلکر خاک ہوگیا صدا آئی مارا آئینہ دار کو بس اسکے جلتے ہی وہ پتلے بھی جو آئینے لشکر بہار کو دکھاتے پھرتے تھے سب جل گئے اور لشکری جو دیوانے ہوکر اپنے لشکر سے لڑ رہے تھے ہوش مین ہوکر حملہ آور فوج عدو پر ہوے۔''[1]

[1] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۷۸۷، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

ملکہ براں نہ ہوتی تو تفت بلاؤں پر فتح پانا ممکن نہیں تھا جنہیں مارے بغیر طلسم شکنی ممکن نہیں تھی۔ ملکہ برّاں بھی مہرخ کی طرح بے حد ذہین اور غیر معمولی طاقت کی حامل ہے۔ اپنی ذہانت سے اپنے باپ کوکب روشنضمیر کو اپنا ہم خیال بنالیتی ہے۔ کبھی اپنی طاقت سے اور کبھی اپنی فراست سے دشمنوں کو زیر کر دیتی ہے۔ خطرناک ساحر طلسم اختریہ کی مالک اختر جادو سے جنگ کا منظر دیکھئے:

''برّان شمشیرزن لڑتی ہوئی طرف اختر جادو کے چلی بڑے بڑے ساحران نامی صفونپر مارے لربھڑ کر اپنے کو سامنے اختر جادو کے پہونچایا للکار کر آواز دی او اختر جادو غیر ساحرونپر بڑے زور شور سے جاتی ہے ہمسے مقابلہ کر کہ لطف سحر و ساحری ملے اختر بھی بادشاہ طلسم اختر یہ ہے ٹوکتے ہی طرف بران کے پلٹ پڑی آپسمین سحر ہونے لگے جب اختر نے سحر کیا بران پر آگ برسی بران نے گولا اُٹھا کر مارا آگ بجھی اختر پر برق گری اختر نے اپنے کو برق سحر سے بچایا لکہ ابر سیاہ بران پر گرایا بران اُس ابر کو توڑ کر نکلی مثل ستارۂ سحری چمک کر سحر کیا اختر پر تلوارین گرین اس سنگدل نے پتھر برسا کر تلوارون کو توڑا اسطرح کے سحر جو آپسمین ہوے وہ سحر پلٹ کر لشکر اختر پر گرتے ہین ہزار ہا آگ سے جلے ہزار ہا پانی سے ٹھنڈے ہوئے پتھرون سے ہزار ہا کے سر پھٹے لشکر اختر مین فریاد الغیاث کی صدا بلند ہر خورد و کلان دردمند اختر نے دیکھا ان سحرونمین میرا ہی لشکر پامال ہوتا ہے بران اپنے کو بچا رہی ہے اختر نے نیچہ کھینچا سپر ہاتھ مین لی سحر کرتی ہوئی طرف بران کے چلی جو سحر بران پر کیا بران نے بسہولیت اُس سحر کو دفع کیا بران بچتی اُسکے ارادے کو سمجھتی نیچہ ہلالی نیام انتقام سے کھینچا شیرانہ لگا نہنگا اختر پر جا پڑی دونومین نیچہ چلنے لگا نیچون سے شعلہ ہاے آتش نکل رہے ہین گرد کے ساحر جل رہے ہین جب آپسمین چند وار چلے دونون لڑنے والے برابر رہے بران شمشیرزن جلدی کر کے کمر کو بتا کر سر پر اختر کے آئی اختر گھبرائی بران نے اختر کو سایہ مین تلوار کے لیا اختر ہٹتی جاتی ہے اپنے کو بران کے وار سے بچاتی ہے بران ہر مقام پر قصد کرتی ہے کہ نیچہ مارون سر اس خودسر کا اڑ جاے اختر بدحواس عالم یاس اہالیان لشکر بھی مثل زلف پریشان بصورت آئینہ حیران ہر طرف یہی غریو ہے کہ بران اختر پر غالب ہے۔''[1]

[1] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، ص ۹۷۰ تا ۹۷۱، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

یہاں تک کہ اسلامی لشکر میں نسوانی کرداروں کے فقدان کے باوجود ملکہ گردیہ بانو کی مختصر سی موجودگی اوران کے فیصلے کے استحکام نے طلسم ہوشربا کی طلسم شکنی کی شروعات کی اگر وہ اپنے شوہر کے خلاف بدیع الزماں کو شکار پر جانے کی اجازت نہ دیتی تو طلسم کشائی اور اسد غازی کو داخل طلسم کرنے کے لیے کہانی کو کچھ الگ طرح کا تانا بانا بنا پڑتا لیکن بدیع الزماں شکار پر گئے گرفتار ہوئے اور اسد غازی مع عیاروں کے داخل طلسم ہوئے اور کہانی کا ایک طویل قصّہ شروع ہوا جو طلسم کشائی پر ختم ہوا یعنی اوّل تا آخر گردیہ بانو کی عدم موجودگی کے باوجود ان کا احساس بنا رہتا ہے۔اس کے معنی یہ ہوئے کہ طلسم ہوشربا میں صنف نازک نزاکت کا نہیں بلکہ طاقت کا پیغام بن کر آتی ہے وہ اپنے حسن کو کمزوری نہیں بلکہ طاقت بناتی ہے اور ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی ہے۔

چنانچہ جس خودمختاری کا اعلان خواتین نے بیسویں صدی میں کیا اور جس نسائیت کی بات بیسویں صدی میں شروع ہوئی اس کی بنیادیں ہمیں طلسم ہوشربا میں دکھائی دیتی ہیں جبکہ اگر ہم بیسویں صدی کے ناول پڑھیں تو بیشتر میں عورت کمزور دبی کچلی ہے۔اگر اس کے دل میں خودمختاری کے جذبات اٹھتے ہیں تو اس پر عمل کرنے میں ڈرتی ہے۔نذیر احمد کے ناولوں میں اگر عورتوں کو محض نصیحت اور اصلاح کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو رسوا کی عورت بھی طاقتور نہیں ہے اسے بھی استحصال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی کے پریم چند اور ترقی پسند مصنفین تک کی عورت کمزور دبی اور سسکتی ہوئی ہے لیکن طلسم ہوشربا کی عورت تمام طاقتوں کی مالک ہے۔وہ سحر کرنا بھی جانتی ہے اور ہتھیار چلانا بھی وہ اپنے حسن کے جلوؤں سے مرد کو اپنا گرویدہ بھی کرتی ہے اور اپنے جلوؤں سے وہ اسے اپنی چالوں کا شکار بھی بناتی ہے اس میں ہمیں رضیہ سلطانہ، بیگم حضرت محل اور رانی لکشمی بائی نظر آتی ہے امراؤ جان اور پریما نہیں۔

'گذشتہ لکھنؤ' میں بیگم حضرت محل کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

> ''اب لکھنؤ میں برجیس قدر کا زمانہ اور حضرت محل کی حکومت تھی۔ برجیس قدر کے نام کا سکہ جاری ہوا۔عہدہ داران سلطنت مقرر ہوے۔ ملک سے تحصیل وصول ہونے لگی اور صرف تفنن طبع کے طور پر محاصرے کی کاروائی بھی جاری تھی۔لوگ، حضرت محل کی مستعدی و نیک نفسی کی تعریف کرتے ہیں۔وہ سپاہیوں کی نہایت قدر کرتی اور

ان کے کام اور حوصلے سے زیادہ انعام دیتی تھیں۔"[1]

بیگم حضرت محل کی طاقت اور ان کے حسن کی جلوہ سامانیاں دونوں میں ہی طلسم کی ساحرنیوں کے رنگ اجاگر نظر آئیں گے۔ یہ عشق میں بھی آگے ہیں اور تلوار میں بھی اور طلسم کی ساحرائیں بھی عشق کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسد، بدیع الزماں، ایرج وغیرہ کی گرویدہ ہو کر خود کو ان کے لیے وقف کر دیتی ہیں اور ان کی حفاظت کے لیے بڑے سے بڑے ساحر سے جنگ آزماں بھی ہوتی ہیں۔

'Palace Culture Of Lucknow' میں بیگم حضرت محل کا تعارف دیکھئے۔

"Nawab Hazrat Mahal is decided the most well known begum of Wajid Ali Shah because of her heroic and courageous role in theFreedom Struggle of 1857 when her minor son, Birjis Qadar was crowned as King of avadh by the sepoys. Interestingly, she was not a particularly favourite or important wife of Wajid Ali Shah and her role in the political affairs till the outbreak of the Struggle was insignificant. Wajid Ali Shah did not care for her much during his exile and did not enter into a regular correspondance with her.

Originally Mahak Pari, she was employed in the Parikhana. When she became pregnant, she was made a begum and given title of Iftikharunnisa Begum."

"This Begum exhibits great energy and ability. She hadexcited all Oude people to take up

---

[1] گذشتہ لکھنؤ از عبدالحلیم شرر، ص ۱۰۷، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۱ء

interest of her son, and tke chiefs have sworn to be fatithful to him. He further described her 'as ardent, intriguing, subtle, courageous and devoted to her son." 1

طلسم ہوشربا میں ساحر نیاں طاقت میں بھی لازوال ہیں اور اپنی ریاست کے لیے طاقت کا مظاہرہ کرتی ہیں۔بیگم حضرت محل بھی واجد علی شاہ کے پری خانے سے ہیں اور لشکر اسلام کی ساحرائیں بھی عشق کے ہاتھوں مجبور ہو کر شامل لشکر اسلام ہوئیں پھر بھی یہاں عورت ملکہ ہے اس کی خدمت کے لیے مرد ہیں وہ اس کے ایک اشارے پر اس کا حکم پورا کرنے کے لیے تیار ہیں یہ ایک عجیب وغریب دنیا ہے جو حقیقی دنیا سے بہت الگ ہے لیکن قاری اس میں گم ہو جاتا ہے۔ یہ کردار کمزور نہیں ہیں یہ کسی کے ہاتھ آسانی سے آنے والی نہیں اور انسانی نفسیات ہے کہ اسے جو نہیں ملتا وہ اس کے پیچھے بھاگتا ہے چنانچہ قاری ان عورتوں کے سحر سے زیادہ ان کی شخصیت کے سحر میں گم ہوتا ہی چلا جاتا ہے اور دو سال چار سال انہیں کہانیوں کے سحر میں گرفتار ہو کر کاٹ دیتا ہے اسے وقت کی بربادی نہیں مانتا بلکہ زندگی کے خوشگوار لمحات مانتا ہے۔ غالبؔ جیسا شاعر بھی داستان امیر حمزہ کے طلسم کی قید کا ذکر اپنے خط میں نہایت اظہار مسرت سے کرتا ہے اور بادۂ ناب کی بوتلوں اور داستان کو ایک درجہ دیتا ہے یعنی یہ نشہ ہی اس کی جان ہے۔

چنانچہ طلسم ہوشربا کی یہ کشمکش جو ملکہ تصویر جادو اور بدیع الزماں کے عشق سے شروع ہوتی ہے اور ملکہ مہ جبین الماس پوش اور اسد غازی کے عشق سے پروان چڑھتی ہے ملکہ مہرخ اور ملکہ بہار کے مطیع ہونے سے اس میں جوش دلچسپی اور تجسس کا عنصر پیدا ہوتا ہے۔ملکہ براں کے ہاتھوں اختتام تک پہونچتی ہے۔اس کی کامیابی اور مقبولیت کا زیادہ تر مدار نسوانی کرداروں کا ہے اور اس کی مقبولیت کا ایک اہم باب اس کے نسوانی کردار ہیں۔

---

1. Palace Culture of Lucknow, Amir Hasan, Page No. 160&161, B.R. Publishing Corporation, 461 Vivekananda Nagar, Delhi-110052, 1983)

طلسم ہوشربا کی مقبولیت: زبان اور انداز بیان

یہ انداز بیان محض امیر حمزہ کا ہی نہیں یا قمر اور جاہ کا بھی نہیں بلکہ یہ لب ولہجہ اس وقت کے لکھنؤ کا رائج لب ولہجہ ہے اگر انیسویں صدی کے نصف آخر کے ادب کی زبان و بیان کا بغور مطالعہ کیا جائے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کسی خاص شخص یا صنف ادب کی زبان نہیں ہے اس وقت لکھنؤ کی تہذیب اپنی ایک مخصوص شناخت رکھتی تھی جس کی نشانیاں آج بھی باقی ہیں وہاں کے لباس، تعمیرات، دسترخوان کی طرح وہاں کی زبان میں بھی ایک خاص کشش تھی۔ آج تک روایت ہے کہ لکھنؤ کے پہلے آپ پہلے آپ کی تہذیب میں ٹرین چھوٹ جاتی ہے ظاہر ہے اس تہذیب کو نظر میں رکھتے ہوئے یہی تحریر وتقریر کی زبان بھی تھی۔ اس وقت کا کوئی بھی ادب پارہ اٹھایئے اس کی زبان بول دیگی کہ ہم لکھنوی تہذیب کے پروردہ ہیں۔ اس کا ایک نمونہ 'فسانۂ عجائب' سے ملاحظہ ہو ۔

> ''جو گفتگو لکھنؤ میں کو بکو ہے۔ کسی نے کبھی سُنی ہو سنائے۔ لکھی دیکھی ہو، دکھائے۔ عہدِ دولت بابر شاہ سے تا سلطنت اکبر ثانی کہ مثل مشہور ہے، نہ چولھے آگ، نہ گھڑے میں پانی، دہلی کی آبادی ویرانی تھی۔ سب بادشاہوں کے عصر کے روزمرّے لہجے، اردوئے معلّٰی کی فصاحت، تصنیفِ شعرا سے معلوم ہوئی۔ یہ لطافت اور فصاحت و بلاغت کبھی نہ تھی، نہ اب تک وہاں ہے۔ قطع نظر اس سے لوگ اِس خلقت کے، گرہ سے کھوئیں اور جلسہ کریں۔ چنانچہ ایک بندے کے شفیق جگت آشنا جناب مرزا محمد رضا، مجمع خوبی از پا تا فرق، تخلص برقؔ۔ فی الحقیقت کلامِ بلاغت نظام ان کا، صاعقۂ خرمنِ ہستی حاسد ہے۔ بھائی بند شاعروں کا بازار ان کے روبرو کاسد ہے۔ جوان خوشرو، بہادر آشنائے بامزۂ نیک خو، شبِ ماہ صحبتِ مشاعرہ، بدولت خانہ مرزا معیّن ہے۔ رئیس امیر صغیر و کبیر، تشریف لاتے ہیں۔ اس مکانِ وسیع میں آدمیوں کی کثرت سے جگہ کی قلّت ہوتی ہے۔ ہوا کشمکش سے بار پاتی ہے، جب پنکھے کی سعی اٹھاتی ہے، سخن سنج، بیرنج خوش گو، نازک فہم، باریک بیں، نیکخو جمع ہوتے ہیں۔ لوگ ان سے، وہ لوگوں سے لطف اٹھاتے ہیں۔''[1]

[1] فسانۂ عجائب از مرزا رجب علی بیگ سرور، بیان مولّف در بارۂ لکھنؤ، ص ۱۱۹، سنگم پبلشرز، الہ آباد، ۱۹۶۹ء

چنانچہ طلسم ہوشربا کی زبان میں بھی وہ نفاست صاف جھلکتی دکھائی دیتی ہے جو اس وقت کی دوسری تصانیف میں ہے خواہ وہ فکشن ہو تاریخ ہو یا پھر کچھ اور ہر جگہ مصنف کی تحریر کی جادو بیانی نظر آتی ہے۔ اردو کے گل بوٹے محمد حسین آزاد کے یہاں بھی ہیں سر سید کے یہاں بھی ہیں یہاں تک کہ ایک مؤرخ کی زبان بھی اپنی جلوہ سامانیوں میں یکتائے روزگار ہے تاریخ اودھ جو کہ نوابین اودھ کی تاریخ ہے اس میں بھی یہی انداز دکھائی دیتا ہے۔ 'تاریخ اودھ' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

''بادشاہ بیگم کو چونکہ شاہزادے کے ساتھ بیحد الفت تھی چند روز کی جُدائی سے نہایت بیتاب ہوگئین ایک مالن شاہزادے کے لیے ہار پُھول لیجایا کرتی تھی بیگم نے شاہزادے کے پاس اس مالن کی معرفت یہ پیام بھیجا کہ معلوم نہین کہ ان دنون کون سی بہتری کی بات معتمدالدولہ کی طرف سے اپنے حق مین دیکھی جو ہمارے حقوق دیرینہ کو خیر باد کہا اور اُسکی جھوٹی باتون مین آ کر ناحق سبکی حاصل کی ایجان عزیز اگر تمھاری بہتری وہان کے رہنے مین ہے تو چشم ما روشن دل ما شاد لیکن دل کو اسبات کا نہایت رنج ہے کہ دشمنونکے درمیان مین پہونچے ہو اللہ تمھاری حفاظت کرے مین تو ایک بوڑھی عورت ہون مجھکو کوئی ریاست کا لالچ نہ تھا جو کچھ مین نے کیا وہ تمھاری بھلائی کے لیے کیا تھا جو کچھ مجھپر گزرا وہ تمھاری ہوا خواہی و دوستی کی وجہ سے گزرا۔ جاے شکایت نہین ہے جو کچھ پیش آیا قسمت کا لکھا تھا شاہزادے کو جب یہ پیام پہونچا تو آبدیدہ ہوے اور کہلا بھیجا۔ من ہمان بندۂ دیرینہ کہ بودم ہستم۔''[1]

درج بالا اقتباس سے اس وقت کے مذاق کا پتا چلتا ہے یہ اس دور کا پسندیدہ انداز تحریر تھا عام لوگوں کے گفت وشنید کی زبان کا یہ انداز طلسم ہوشربا میں بھی گلکاریاں کرتا نظر آتا ہے۔ 'تاریخ اودھ' سے گزر کر اب طلسم ہوشربا کے انداز بیان کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

''اہالیان فوج گھبرائے پکارتے تھے یا خداوند نہنگ ہمارے افسر کو ہمین دیجیے آپ تو نہنگ لاڈلے ہین آواز آئی وہ بہشت کی سیر کر رہا ہے ایک ایک جام اب تالاب کا پیو عمر بڑھ جائیگی تمکو بھی سیر بہشت نظر آئے گی اب تو اہالیان لشکر دوڑے کوئی چلو سے

[1] تاریخ اودھ حصّہ چہارم از نجم الغنی، ص ۱۸۳، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۹ء

پیتا ہے کوئی کٹورا لیکر دوڑا کوئی لوٹہ لیکر آیا آٹھ لاکھ آدمی ہمراہیان جہانداز جوش مین آ کر پانی پر گرے جسنے پانی پیا وجد مین آ کر ناچنے لگا کوئی لڑکھڑایا کوئی گرا کوئی چیختا ہوا بھاگا کوئی پکارتا ہے مجھے خداوند نہنگ بلاتے ہین کوئی کہتا ہے بھائی ہم تو جاتے ہین کوئی کہتا ہے تالاب کا دریا بنگیا کوئی کہتا ہے پانی پینے سے کلیجہ چھن گیا کوئی کہتا ہے پانی پیکر آبرو پائی کوئی کہتا ہے سیر بہشت نظر آئی آٹھ لاکھ ساحرون مین ہنگامہ برپا ہے کیچڑ تک تالاب کی چاٹ گئے برہے گا رہے ہین گنوار غل مچا رہے ہین آٹھ لاکھ پانی پیکر بیہوش ہوے تالاب سے آواز آئی باشیداے کفاران بیجیا واے نابکاران پر دغا منم آفتاب عالمتاب آسمان عیاری وقطب فلک خنجر گزاری مہتر مہتران وبہتران سرہنگ سرہنگان بساطِ بلاد بنی آدم مولانا ے معظم ومکرم جامع الفضل والکرم دوندۂ بیدرنگ قلعہ گیرے بے جنگ مہر سپہر۔''[1]

''نہنگ مین خود بیٹھا درخت گرداگرد چن دیئے روپیے جا بجا دفن کر آیا تھا گنوارون کو بتا دیئے آنکھون کا نسخہ یہ سُرمہ سلیمانی تھا کل عارضے آنکھون کے وہ سرمہ دفع کرتا ہے نابینا کو اچھا کیا ٹینٹ پُھلّیان بہادین۔''[2]

''سرخیل نے ملکہ کی کمر مین پنجہ دیا حیران تھا کہ یہ بدمانس کہان گیا چہار جانب دیکھنے لگا عمرو نے سوا پانچ سیر کا پتھر گوپھن مین دیکر نعرہ کیا۔''[3]

''خورشید نے للکارا او ضعیفہ تو ہی نے سارا فساد برپا کیا یہ کہکے سحر کر دیتا ہے امتحان کے سر پر برق گری کبھی کوئی نیچہ گرا کبھی سر زخمی ہوا کبھی شانہ بیکار نیر اعظم کی حدت نے قیامت برپا کی وہ دہوپ پڑی جانور بھاگے بھاگے پھرتے ہین گھوڑے سوارونکو پٹک کر بھاگے آگ برسنے لگی زمین تپ رہی ہے ذرے چنگاریان بنگئے مثل زرہ مردان عالم کے کلیجے چھن گئے۔''[4]

''ایک شجر جو آب حکمت سے سیراب کیا ہے اور ہواے عیاری سے پرورش یافتہ ہے

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، ص۸۲، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء
[2] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، ص۸۳، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء
[3] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، ص۲۵۸، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء
[4] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، ص۲۵۹ تا ۲۶۰، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

گلستان افسون ہزارے کا پودہ ہے جسکا ہر برگ اعجاز ہر ثمر جسکا خدا ساز ہے بیخ حکمت کی جڑ ہے ثمر سے ظاہر سراسر ہے نشو و نما پذیر ہے زخمی کے اچھے ہونیکی سراسر تدبیر ہے بسان شمشیر بُرّان پھل اسمین لگے ہین پتے سر کی طرح گول بنے ہین پھلونکا رنگ لال ہے درخت زرگل سے مالا مال ہے ایسا پھل اُنھون نے کبھی گلشن دہر مین ندیکھا تھا بہت خوش ہوکر اُسکو زمین سے اُکھیڑا اور تعریف کرتے ہوے لیکر چلے پھلون سے اُس کے خوشبو آتی تھی دماغ جان بساتی تھی ایسی مہکتی تھی کہ روح کو تازگی دیتی تھی۔''[1]

''اب تو یہ حال ہوا کہ عاملان قضا نے فتیلہ تیغ روشن کر کے آسی ہستی کو جسم ساحران پر سے اوتارلیا بڑے بڑے سرکشون کو مار لیا اور یہی عزیمت رکھتے تھے کہ نقش حیات مٹا دین طلسم اربع عناصر کو بگاڑین مربع نشینان انجمن شجاعت نے کوئی کسر باقی نہ رکھی کہ مثلث زندگی کے قطر کو بگاڑ دین حواس خمسہ کے مخمس کو ترتیب وتبدیل کر کے اس شش جہت کے مسدس مین نام اپنا بلند کیا بہادری کو تعویذ بنایا۔''[2]

جیسا کہ باب اوّل میں درج ہے کہ اردو میں داستانوں کی تاریخ میں اوّلیت ملا وجہی کی سب رس کو حاصل ہے اگر چہ اسے مکمل طور پر داستان تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس میں قصّہ گوئی کے تمام اجزاء نہیں استعمال ہوئے لیکن اس کے تمثیلی انداز کا اثر تمام داستانوں میں دیکھا جا سکتا ہے یہ انداز طلسم ہوشربا میں بھی کثرت سے استعمال ہوا ہے۔

''جمشید کی روح نجس گوشہ لحد مین گھبرائی زردشت کے دلکو ایسی لگی کہ بجھائے نہ بجھی آتش نا دو فساد وہ شعلہ ور ہوئی کہ جسنے آتشکدۂ نمرودی کو اپنے روبرو سرد کر دیا دنیا نے وہ سرد مہری دکھائی کہ سوائے گرمجوشی کے دلاورون مین اور کچھ مذکور ہی نہ تھا نیزے سرکشیدہ بسان شعلۂ جوالہ ہوے سنانون نے چنگاریان خرمن جان عدو مین چھوڑ نا شروع کین تیرون نے وہ لگائی بجھائی کی کہ آب و تاب شجاعت دشمن مٹائی دو پٹون مین آگ لگائی گرز وہ کلہ زنی کرتے تھے کہ بڑے بڑے کلہ شکنونکو جواب دندان شکن

[1] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۹، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۱۲ تا ۱۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

دینے پر تیار تھے تیرون کی زبان سے گالیون کی بوچھار نکلتی تو عجب نہ تھا گرزون کے
دہن سے للکارنے کی صدا پیدا ہوتی تو بعید نہ تھا کمانین بھی آج سر جھکائے پشت خم
کیے بیٹھی چُھری بنی ہوئی تھین منت کش ہو کر دلمین تیرونکا گھر کیا چاہتی تھین کڑک
کڑک کر دھمکاتی تھین دلاورونکو لڑنے کے لیے کڑکاتی تھین بہادرون مین تو یہ شور و
شر تھا ساحرونمین علٰحیدہ ذکر فتح وظفر تھا بیرون کو جان عدو لینے کی تدبیر تھی ہر ایک پون
جس سے پناہ مانگے پانی شکل ساحرونکے شیر تھے آگیا بیتالون سے جدا اپنا فروغ دکھایا
تھا میدان رزم آتش بہار بنایا تھا اژدر زہر اُگلتے تھے کہ جسم زال دنیا درم کر گیا تھا
چمنستان دہر مین غنچہ نہین پھولا تھا جسم گلشن پر ورم آگیا تھا جادوگرنیون کی زلفین جو
کھل گئی تھین کمر پر پڑی ہوئی تھین جادہ راہ عدم بنی تھین کالی بلائین پیچھے پڑی تھین
ہر ایک شعلۂ رخسار تھی یا دم رزم آگ بگولہ ہوگئی تھی غصہ کی صورت آشکار تھی وہ شعلہ
ہائے سحر کا تابفلک سرکشیدہ ہونا خانہ پیر فلک مین آگ لگجانے کا دھڑکا وہ آندھیونکا سحر
کے زور کہ فلک بھی اپنے سات چھپرونکی خبر مانگتا تھا یہان سات چھپرونکا پھوس سحر
کرنے کو مانگا جاتا تھا تمام عالم مین شور قیامت برپا تھا کہین ابر سحر چھائے تھے کہین
برق طیان تھی کہین گھٹا مین مور چنگھاڑتے تھے کہین اُسی کالی بدلی مین سانپ برس
جاتے تھے آج تو آسمان نیلگون بھی ایک طاؤس سحر معلوم ہوتا تھا۔'' [۱]

طلسم ہوشربا میں جا بجا محاوراتی زبان بھی استعمال کی گئی ہے کیونکہ محاورے لکھنؤ کی عام بول چال کا حصّہ تھے اور وہاں کا عام اوران پڑھ انسان بھی بامحاورہ اردو بولتا تھا پھر طلسم ہوشربا میں تو لکھنؤ کی بیگماتی زبان کا بڑی حسن خوبی سے استعمال ہوا ہے۔ یہاں میں صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتی ہوں جو بہت مشہور محاورے ہیں۔

''ذرا میرے مُنھ نہ لگنا۔'' [۲]

''وہ تو ایک ہی لکیر کا فقیر بنا ہوا بیٹھا رہتا ہے۔'' [۳]

---

[۱] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۶۶ تا ۶۷، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[۲] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۱۸، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[۳] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۲۰، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

اس کے علاوہ طلسم ہوشربا میں الفاظ کی عجیب وغریب تراکیب بھی ایجاد ہوتی ہیں۔ مثلاً:

''نیک وبد، اچھی بُری، گھڑکی جھڑکی، دبڑ و گھسڑ وغیرہ''[1]

مثل کا استعمال بھی اس زمانے کی زبان کا خاصہ تھا اس کی چند مثالیں طلسم ہوشربا میں دیکھئے۔

''دبے پر چیونٹی بھی کاٹتی ہے۔''[2]

''ٹوٹی بانھ گل جنڈرے پڑی۔''[3]

''دولھا کے گھر کی شکر دُلھن کے کنوین کا پانی۔''[4]

چنانچہ قصّوں کے علاوہ عوام کی زبان سے قریب تر ہوتی ہوئی زبان کا طلسم ہوشربا کی مقبولیت میں خاص حصّہ ہے روزمرہ اور محاوروں کی لذتوں سے بھرپور زبان میں کچھ اور نہ ہو مگر کانوں کو خاص لذت محسوس ہوتی ہے پھر داستانیں تو بیانیہ ہیں اس میں قصّہ سے زیادہ زبان کی اہمیت ہوتی ہے۔ چنانچہ طلسم ہوشربا میں جو خوبصورت زبان ہے وہی اس کی کامیابی کی ضامن ہے۔ زبان کی ان مرصع کاریوں کے نمونہ طلسم ہوشربا میں لاتعداد ہیں۔ کسی بھی جلد کا کوئی صفحہ کھولئے حسن زبان کے نمونے، مرصع عبارت کی گلکاریاں اور اس کے باوجود پیچیدگی سے گریز تاکہ سامعین میں بیزاری کا احساس نہ پیدا ہو۔ الفاظ کے خوبصورت جال جیسے موتیوں کی مالا کے مانند پروئے گئے ہوں۔ اضافت دراضافت داستان کے قصہ درقصہ کو مزید دلکش بناتی ہوئی ایسا ہی ایک اقتباس زیرِنظر ہے۔

''اس نے اپنے گیسوئے دراز سے بالون کو توڑ کر کچھ افسون پڑھا کہ وہ بال مثل زنجیر پیچان کے بن گئے اس زنجیر سے اس نے بڑھ کے حکم دیا کہ جا اور اس لشکر مہرخ کی فوج کو مع سرداران باندھ لے اور ایک بال اور توڑ کر اس نے باغ کی جانب بہار جادو کے پھینکا کہ جا تو اس باغ کو بہار کے تاراج کر کے بہار کو مع کنیزون کے پکڑ لا وہ بال زمین پر گر کر ایک اژدہا خونخوار بنا اور شعلہ ہائے آتشین چھوڑتا ہوا جانب باغ

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۱۸، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[2] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، ص ۶۷، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[3] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۶۳، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[4] طلسم ہوشربا، جلد ہفتم از احمد حسین قمر، ص ۱۰۲۹، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

نگارین بہار روانہ ہوا اور باغ مین وہ باغی جب پہنچا وہ باغ تمام دشت ویران بن گیا خدا کی مار اس بس کی گانٹھ نے اپنے دم آتش فشان سے تمام درخت اور چمنستان جلا دیے جو شجر کہ پھولا پھلا تھا وہ اب چنار آتش فشان نظر آتا تھا طاؤس باغ اور لالہ کا دل اسی آتش سے داغی ہوا ہے حنا کا دل اسی رنج سے خون ہوا ہے سوسن دھوان بن گئی ہے۔۔۔'' [۱]

خوبصورت انداز بیان اور الفاظ کی بازیگری کے حسین مرقع کی ایک اور مثال پیش ہے۔ ایسے ہی زبان و بیان کے انداز طلسم ہوشربا کی مقبولیت کا سبب ہے۔

''ایک دن وہ زمانہ آیا کہ شجر زرین شعاع مہر چرخ اخضر پر پھلا پھولا نظر آیا کہ ہنگامِ سحر اس ببران سوار شہزادہ کو سوار کر کے ایک صحرا مین لایا شہزادہ نے دیکھا کہ صحرائے سبزہ زار طرفہ اس مقام پر ہمارے جو درخت ہے وہ پھولون سے لدا ہے ہرا بھرا ہے سبزہ رنگانِ دہر کو اپنی سرسبزی کے روبرو شرماتا ہے اور اس صحرا مین ایک درخت اور درختون سے سربلند نہایت سرسبز و خوشنما لگا ہے تنا اس کا ملائے احمر سے منڈھا ہے شاخین اس کی جنبش ہوا سے ہلتی ہین تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جوانانِ سبز رنگ جھوم رہی ہین طائرانِ خوش الحان اس پر بیٹھے زمزمہ سرائی کرتے ہین شاہزادہ کچھ دیر وہان ٹھہرا تھا کہ یکا یک تنا اس درخت کا شق ہوا اور اس مین سے ایک پتلا کہ جس کا منھ مثل طوطی کے تھا نکلا اور پکارا صنم خداوند سامری ببران اور اس کے ساتھ کے ساحرون نے سجدہ کیا جہانگیر چپ کھڑا رہا اب جو دیکھا تو اس شجر مین پھل لگ آئے اور بارِ اثمار سے شاخین جھک پڑین اور وہ پھل ببران نے توڑ کر کھائے اور شہزادہ کو بھی دیے اس کو جو کھایا تو بہت شیرین اور ذائقہ کے تھے غرض کچھ دیر مین وہ پتلا پھر اسی درخت مین سما گیا اور پھر درخت کا تنا برابر ہو گیا۔'' [۲]

طلسم ہوشربا میں بیانیہ کی تمام تر خصوصیات پائی جاتی ہیں اور یہ اس کی مقبولیت میں بہت معاون ہوئیں۔ داستان گو اس طلسمی دنیا میں اپنے ساتھ قاری یا سامع کو بھی لے جاتا ہے۔ اس کا یہ انداز بیان کہ

---

۱ طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۳۹۸ تا ۳۹۹، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

۲ طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۵۴۹ تا ۵۵۰، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

ہم داستان کا حصہ بن جائیں جنگ ہوتو ہم اس جنگ کے درمیان ہوں، طلسمی محل ہوتو بھی قاری اس سحر سے خود کو پوشیدہ کر کے محل میں بھی موجود ہو یہ ہمیں آج کی نئی ایجادات کی دنیا میں لے جاتا ہے جہاں 3D اور 4D کی تکنیک اپنا کر ہر منظر ہمارے سامنے رہتا ہے ہم اس ماحول میں خود کو محسوس کرتے ہیں اور داستان کا حصہ بن جاتے ہیں۔فن میں ڈوب جانے کی یہ کیفیت کسی دوسری صنف ادب میں نہیں ملتی۔ الفاظ کی جادو بیانی اور مصوری میں طلسم ہوشربا کی مقبولیت کا راز پنہاں ہے۔

''شہزادہ فتح کرنے پر طلسم کے آمادہ اپنی بارگاہ مین آکر پلنگڑی جواہر نگار بچھوا کر آرام پذیر ہوا شیشہ آلات بے قیاس اس بارگاہ مین لگا تھا فرش وکرسی وتخت سے آراستہ اس کو کیا تھا قنا تین ہر سمت کی گری تھین صحرائے طلسمی کی کیفیتین نظر آتی تھین چاندنی چھٹکی تھی کوڑیالا پھولا تھا سبزہ لہلہاتا تھا ہر درخت قامت یار کا جوبن دکھاتا تھا زلفِ جانان کی طرح الجھی ہوئی جھاڑیان نہرون مین ٹھنڈا ٹھنڈا پانی روان چاند کا عکس چشمون مین پڑا تھا ہزارہا چاندزمین کو منھ لگا تھا ادھر بروج قصر طلسم کے در کھلے گئے ان مین پریان کھڑی تھین ساز ہاتھون مین لیے تھین زلفین رخسار پر لہراتی تھین اس طرح کا ساز بجا کر گانا گاتی تھین کہ خاطر پیر فلک سے ترانہ زہرہ کا بھلاتی تھین پیشوازین ستارہ دار پہنے تھین کچھ بائین پر کچھ داہنے پر تھین شہزادہ جس طرف کروٹ لیتا تھا تماشائے عجیب ملاحظہ فرماتا اس اثنا مین طرفہ تماشا نظر آتا کہ سامنے میدان مین کچھ طاؤس زرین بال ظاہر ہوکر لوٹنے لگے اور لوٹ کر بشکل زنان خوبرو بن گئے ایک ایک ان مین کافر وستم گر ادا مست نشہ حسن غارت گر جان شیدا تھی سیم بر گل اندام ومہ لقا تھی کسی کی زلف مشکین سوار ختن کو مول لینے کا ارادہ رکھتی کسی کے ابرو خنجر کھینچ کر ظلم پر آمادہ رہتے آنکھون پر چشم غزالین قربان رہتی کسی کا رخسار نازک خانہ دلہائے عشاق مین آگ لگاتا کسی کا لب معجز نما مردم چشم نظارگیان کو بیمار بناتا ہر ایک عشوہ گر گل سے زیادہ نازک چشم خمار مین نرگس وغزل سے کہین بڑھ کر ملکہ صاد دختر ناز وغمزہ سے بہتر ایک ایک ان مین مہر جبین ماہ مبین۔''[1]

داستان نویس کے ان محاکاتی بیانوں میں اس کی زبان پر مضبوط گرفت تراکیب واستعارہ کے

[1] طلسم ہوشربا، جلد سوم از محمد حسین جاہ، ص ۲۱، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

استعمال میں قلم کی مشاقی، رعایات لفظی وتنسیق الصفات کی فراوانی اورخوبصورت انداز بیان طلسم ہوشربا کی حسن وتاثیرکودوچندکردیتاہے۔

''اس نے جوڑے سے اپنے کنجی نکالی اورقفل اس احاطہ کا کھولا یہ مع لشکراس کے اندر قدمزن ہوا عیار بھی اندر آئے یہان ایک تالاب بیچ احاطہ مین بنا تھا اسمین ہزار ہا غول تیرتا تھا پانی تالاب کا بالکل نیلا تھا اس ساحرہ نے کہا کہ اسمین کود پڑو سیدھے حوالی کوہ ارم مین پہونچو گے اسکے داہنے ہاتھ کیطرف جو راہ گئی ہے طلسم نورافشان کے جانیکی ہے قرطاس اسکے کہنے سے تالاب مین کودا اسکے پیچھے تمام لشکر اسکا ایک کے بعد دوسرا کودا یہانتک دونون عیار بھی غوطہ زن ہوے اورتادیر غلطان وپیچان چلے گئے پھر جو آنکھ کھلی تو صحراے سبزہ زار اور دشت پر بہار مین گزر ہوا کوسون تک زعفران کے کھیت لگے تھے رنگ رخسارۂ عاشقان کا پتہ دیتے تھےنہین نہین عروس بہارسونے مین زردتھی وہ جگہ دیکھکر آنکھون مین سرسون پھولی تھی دوردلسے رنج کی گردتھی کف دست میدانمین زعفران کیالگائی تھی گویاکسی جلد باز نے ہتیلی پرسرسون جمائی تھی وہ سیر دیکھکر ہنسی نہ تھمتی تھی مثل ہے کہ کیا زعفران کا کھیت دیکھا ہے وہان اصل مین زعفران کی کھیتی تھی وہانکی کیفیت دیکھ کر بسنت کی خبر رکھنا کیسا اپنی آپ خبر نہ رہتی خودفراموشی ہوتی وہان سے جب اورآگے بڑھے ایک پہاڑ سنگ مرمر سفید کا ایسا نورانی نظر آیا کہ جس کے رشک مین کوہ طور جلکر سرمہ بنا عکس کوہ سے وہ رشک وادی ایمن تھا ہر قطع دشت نور کا گلشن تھا آفتاب کی سنہری دھوپ اور پہاڑ کا عکس نورانی ملکر تمام دشت پر پرتوفگن تھا درختان صحرا تمام نقرئی وطلائی نظر آتے تھے شاہد بہار کا عجیب جوبن تھا ندیون کی اُس نور نے آبرو بڑھادی تھی گوہر کی آب وتاب فرط وصفا سے اُس نور نے مٹادی تھی ہر سمت گلہاے سرخ رنگ اس نور مین عجب بہار دکھاتے تھے بلور کے دریا مین عقیق ویاقوت بہتے نظر آتے تھے اس جگہ سیر وہ دیکھے جو مثل موسیٰؑ چشم مسرت رکھتا ہو موسیٰؑ کا دل اس جگہ کے دیکھنے کی آرزو مین غش تھا واقعی کیفیت سامان بہار لائق اش اش تھا اس دشت مین نور پھیلا تھا یا دیدۂ روزگار کی روشنی کا نمونہ تھا چمک اس سفیدی کی بروے ہوا ہر سمت پھیلی تھی چشم مشتاقان کے

لیے برق تجلی تھی دریاے نور موجزن تھا آبرو ریز چشمۂ مہر روشن تھا درختون کی سیاہی
سے نور کا چھنتا تارونکا زمین پر کھیت کرتا نظر آتا تھا گلہاے احمر کی سرخی اور کوہ کی سبزی
سے طرفہ ماجرا تھا کہ نور نار ایک جگہ روشن ہی نہین نہین معشوقان صبح رخسار کے خندان
رنگین دہن تھے دیدۂ نرگس مین بھی نور آیا تھا ایسا ہر جگہ وہ نور سمایا تھا۔''[1]

طلسم ہوشربا کے بیانیہ مین سامعین کی دلچسپی کو برقرار رکھنے کے لئے ایک طرف تو سحر کی جلوہ نمائیاں ہیں لیکن اکتاہٹ بھری سنجیدگی اور دہشت سے باہر نکالنے کے لئے ادب میں ظرافت کا رنگ بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔ طلسم ہوشربا میں ایسے کئی کردار ہیں جو بیچ بیچ میں ہلکی لطافت کا رنگ پیدا کرتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم تو عمرو عیار ہیں جن کی حرکات وسکنات تھوڑی دیر پہلے ہوئی ہنگامہ آرائیوں کو بھلا کر ہنسنے پر مجبور کرتی ہیں جب وہ لوٹ پاٹ کرتے ہیں یا لقا کی داڑھی مونڈتے ہیں یا ساحروں کے کپڑے اور زیورا تارتے ہیں یا اپنی لاچاری یا مجبوری ظاہر کرتے ہوئے شہزادوں سے پیسے مانگتے ہیں تو صورت حال مضحکہ خیز ہو جاتی ہے اس کے علاوہ بختیارک کا کردار بھی بیان میں لطافت پیدا کرنے کے لئے ہے وہ ہر وقت عیاروں کا سامنا ہونے پر پیرومرشد کہتا ہوا بھاگتا ہے اس کی صورت کا جو نقشہ داستان میں کھینچتا ہے اس کو سن کر ہی ہنسی آنے لگتی ہے وہ عجیب وغریب حرکتیں کرتا ہے جو کہ سامعین کو ہنسانے کے لئے ہوتی ہیں اور اگر عمرو عیار اور بختیارک ایک جگہ ہو جائیں تو جو صورت حال ہوتی ہے اس کا ایک منظر ملاحظہ ہو:

''عمرو نے بعد مال لینے کے اسکے خیمہ کو اسطرح لوٹا کہ نقش بوریا نہ چھوڑا اور پھر دو
رطب تازہ نکالکر بختیارک کو دیے کہ یہ خانۂ کعبہ سے آئے تھے اور تم اپنے تئین
مسلمان کہتے ہو پس انھین کھالو تبرک سمجھکر بختیارک نے ناچار وہ رطب کھائے اور
بیہوش ہوا عمرو اُسکا پشتارہ باندھ کے دوش پر رکھ کے خیمہ کی قنات کو چاک کر کے اُسکو
لیے ہوئے جنگل مین آیا پھر کپڑے اُسکے اُتار کے ایک لنگوٹی بندھوادی اور پھر ہوشیار
کیا اور خنجر ہاتھ مین لیکر کہا کہ ملک جی گڈھا کھودو ملک جی نے گڈھا کھودا جب وہ کمر
تک کھود چکے تب کہا کہ اُسمین اُتر جاؤ بختیارک لگا منتین کرنے لیکن عمرو نے کہا اے

[1] طلسم ہوشربا، جلد دوم از محمد حسین جاہ، ص ۳۷۸ تا ۳۷۹، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

حرامزادے اگر نہ اُترے گا تو ذبح کر ڈالونگا مجبور ہو کر اُسمین اُترا عمرو نے اُسکو توپ دیا فقط سینے سے سر تک کُھلا رکھا بختیارک نے کہا کہ مجھے جانور ستائینگے عمرو نے گھنگھرو لیکر اُسکے سر مین باندھ دیے اور کہا جب کوئی جانور آوے تم سر ہلانا یہ گھنگھرو بولینگے وہ بھاگ جائیگا اور ایک پیالے مین پانی بھر کر سامنے رکھدیا اور سوکھے ٹکڑے روٹی کے رکھدیے اور آپ وہانسے اُسی کی صورت بن کے روانہ ہوا اور سیدھا بارگاہ مین آیا لقاہر چند کہ رات زیادہ ہوگئی تھی مگر ابھی دربار مین بیٹھا ہوا تھا۔''[1]

جب بھی داستان امیر حمزہ کے طلسمی سلسلے کا ذکر ہوتا ہے تو ایک سحر آمیز فضا نظروں کے سامنے عکس پذیر ہو جاتی ہے لیکن اس عکس میں جو نقوش ظہور پزیر ہوتے ہیں اس میں کہیں ان چہار دفاتر کی جھلک نظر نہیں آتی جو فورٹ ولیم کالج کے زیرِ اہتمام خلیل علی خاں اشک نے تحریر کیں یا رام پور میں غالب لکھنوی نے لکھیں۔ یہاں تک کہ مطبع منشی نول کشور پریس سے غالب لکھنوی کی داستان امیر حمزہ کے جو چار دفاتر عبداللہ بلگرامی نے از سرِ نو تحریر کرائے جس کی مقبولیت نے ہاتھوں ہاتھ اس کی تمام کاپیاں ختم کرا دی تھیں۔ جس کے پیش نظر منشی نول کشور نے ۴۶ جلدوں کا طویل سلسلۂ داستان امیر حمزہ تحریر کرایا اور یہ ۴۶ جلدیں اپنے آپ میں داستانوی ادب کی ہی ہیں۔ اردو کے نثری ادب کی نا قابل فراموش تاریخ میں اس سلسلے میں جو دفاتر ضابطۂ تحریر میں آئے اس میں مقبول ترین دفتر طلسم ہوشربا کا ہے جسے احمد حسین قمر اور محمد حسین جاہ نے تحریر کیا۔ اگر چہ ان تمام دفاتر میں تقریباً ایک جیسے قصّے، ایک جیسا بیانیہ، ایک جیسے کردار و واقعات، ایک جیسے سحر و طلسمی ریاستیں ہیں لیکن بیانیہ کا جو انداز طلسم ہوشربا میں ہے وہ ان تمام دفاتر میں طلسم ہوشربا کو اوّلیت کا شرف بخشتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں قصّہ پن کا زیادہ تجسس اور انداز بیان پر منحصر ہونا اس کی مقبولیت اور تاثیر کا سبب ہے۔ طلسم ہوشربا میں دو طلسمی حکومت ہیں ایک خود طلسم ہوشربا اور دوسری طلسم نور افشاں لیکن مصنف کا مقصد طلسم ہوشربا کی طلسم کشائی ہے تا کہ شہزاد بدیع الزماں کو قید سے آزاد کرایا جا سکے اس لئے طلسم نور افشاں کا ذکر ہر جگہ ضمناً بلکہ معاون کے طور پر ہے جس کا بادشاہ خود ہی مطیع لشکر اسلام ہو کر طلسم ہوشربا کے بادشاہ افراسیاب سے جنگ کرتا ہے۔ حمزہ کے لشکر جس

---

[1] طلسم ہوشربا، جلد چہارم از محمد حسین جاہ، ص ۱۷۱، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

کی سربراہی اسد غازی کررہے ہیں، میں ۵ عیار ہیں۔ عمروعیار اور افراسیاب کے لشکر میں ۵ عیار بچیاں ہیں۔ اسی طرح مرکزی طلسم ہوشربا کے اندر کئی چھوٹی چھوٹی طلسمی ریاستیں ہیں جن کے سردار ساحر یا ساحرنیاں ہیں جن کے سحر کو توڑ کر ہی طلسم کشائی ممکن ہے۔

طلسم ہوشربا میں بیک وقت دو قصے ایک ساتھ موجود ہیں۔ اندرون طلسم اور بیرون طلسم بھی۔ چنانچہ ۱۰ جلدوں پر محیط یہ معرکہ آرائیاں طلسم ہوشربا کی مقبولیت میں اضافہ کا سبب ہیں۔ خدا بخش لائبریری سے مطبوعہ طلسم ہوشربا میں عابد رضا بیدا دنے درست لکھا ہے۔

''تہذیب، سماج اور زبان تینوں کے لئے طلسم ہوشربا ایک اہم ماخذ ہے۔''[۱]

چنانچہ اس جملے کے پس منظر میں یہ بات مصدقہ ہے کہ طلسم ہوشربا کہ مقبولیت کا ایک اہم سبب یہی ہے کہ اس کے ذریعہ سے اس وقت کے تہذیب، سماج اور زبان کی حقیقی تصویر سامنے آتی ہے۔ چاہ زمرد کے میلے اور گنبد نور کے میلے میں 'گذشتہ لکھنؤ' میں مذکور لکھنؤ کے اس میلے اور تہذیب کی جھلکیاں نمایاں ہیں جہاں چلنے میں کندھے سے کندھا چھلتا ہے۔

> ''عمرو اسی حالت میں انھین چھوڑ کر روانہ ہوا کچھ دن چڑھے میلے کے قریب حد کے پہونچا جہان کو راستہ پایا دس دس ہزار بیس بیس ہزار کے غول ساحرون کے آتے ہوئے نظر پڑے دکاندار دکانین لگائے تھے سرون پر گلنار شفتالوی قرمزی رنگ برنگ کی پگڑیان باندھے دکانین تمام آئینہ بند تھین بازار آراستہ ہو رہا تھا خیام اور بارگاہین کہ جن کے وصف کرنے مین زبان قاصر ہے اِستاد دیکھین کلس انکی سنہلی روپہلی نظر کو خیرگی دیتے تھے گویا ہزارون آفتاب نکلے ہوئے تھے لاکھون پالین دوکاندارون کی نصب تھین انبوہ خلائق تھا کہ کوسون تک تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔''[۲]

طلسم ہوشربا کی مقبولیت کا سب سے بڑا سبب اس کا بیانیہ تو تھا ہی کیونکہ داستان گوئی کا رواج تھا اور ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوتا تھا کہ روانی سے قصہ بیان کر سکے مختصر یک دفتری داستان کا سلسلہ جلد ختم ہو جاتا تھا چنانچہ یہ طویل سلسلہ اس وقت تک چلا جب تک داستان گوئی کا لیکن اس کے تاریخی اسباب بھی

[۱] طلسم ہوشربا، جلد اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم، ششم، ہفتم، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

[۲] طلسم ہوشربا، جلد اول از محمد حسین جاہ، ص ۸۶۲ تا ۸۶۳، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

تھے۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد اودھ کی ریاست بھی ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ واجد علی شاہ کو بادشاہت سے بے دخل کر کے کلکتہ بھیج دیا گیا تھا۔ بیگم حضرت محل نے انگریزوں سے شکست کھائی تھی۔ کلکتہ پہلے ہی انگریزوں کے ہاتھ آچکا تھا ایسے میں اپنی گذشتہ عظمتوں کو واپس لانا مشکل نہیں ناممکن تھا۔ چنانچہ ایک خیالی دنیا آباد کر لی اور سب کچھ فراموش کر دیا انگریزوں کو شکست نہیں دے سکے تو کیا افراسیاب کو تو شکست دے لی بلاؤں کو تو مار لیا غرضکہ داستان استعارہ ہے اس وقت کے نفسیاتی کشمکش کا۔ اگر غور سے دیکھیں تو تو افراسیاب اور اس کا طلسم اور طلسمی ریاستیں ساحر اور ساحرنیاں سب ایک خیالی دنیا ہونے کے باوجود کہیں نہ کہیں اودھ کی جاہ وحشم اور زرق برق زندگی کی نشاندہی کر رہی ہیں یہ ساحر کوئی اور نہیں لگتے انگریز ہیں جو اپنی چالاکی کے جادو سے ہندوستانیوں کو زیر کر رہے تھے ہم ان سے زمینی جنگ جیت نہیں سکتے لیکن دل میں کہیں نہ کہیں احساس شکست نے احساس جرم بھی پیدا کیا ہے چنانچہ اس خیالی حکومت میں عیاروں اور معجزات کی مدد سے سارے طلسم توڑ دینے میں کہیں نہ کہیں اس جذبہ کی کارفرمائی ہے کہ انگریزوں کو اب کوئی معجزہ ہی زیر کر سکتا ہے۔ بہر حال ان معجزات کی مدد سے افراسیاب کا طلسم توڑ کے اسے برباد کرتے ہیں اور اپنے ذہن کو تقویت پہنچاتے ہیں کہ ہم بھی جیت سکتے ہیں جو حقیقی دنیا میں نہیں کر سکتے وہ خیالی دنیا میں کیا اور ایک بار پھر پُرسکون نیند سو لیے۔ چنانچہ ایک مثبت نظریہ فکر کی کارفرمائی ضرور نظر آتی ہے۔ یہ قلبی سکون بھی طلسم ہوشربا کی کامیابی اور مقبولیت کا ضامن بنا۔

دیگر اصناف ادب پر داستانوی اثرات

طلسم ہوشربا کی مقبولیت کا راز اس میں بھی مضمر ہے کہ طرز میر کی طرز کی طرح طلسم ہوشربا بھی انداز بیان میں طرز فغاں ٹھہری۔ یہ مقبولیت ایسی بڑھی کہ داستان اپنے آپ میں ایک استعارہ بن گیا خوبصورت انداز بیان کا۔ مثنویاں تو خیر منظوم داستان ہی ہیں۔ داستان کے ذریعہ زبان اردو کو جو ترقیاں حاصل ہوئیں وہ اپنے آپ میں الگ تحقیق کا موضوع ہے۔ الفاظ کا بے پایاں ذخیرہ خوبصورت انداز بیان کی پیش کش، منظر کشی اور سراپا نگاری کے نئے تجربوں نے زبان کو مزید وسعت دی۔ بقول عبدالحلیم شرر۔

> ''زبان اردو کو جو ترقیاں لکھنؤ میں حاصل ہوئیں وہ شاعروں، ادیبوں، نثاروں اور مصنفوں ہی تک محدود نہیں ہیں۔ مختلف سوسائٹیوں اور طبقوں میں ترقی و وسعت

زبان کی نئی نئی صورتیں پیدا ہوئیں جنھوں نے ہر گروہ والوں کے لئے خاص دل
چسپیاں پیدا کیں۔[1]

اگر ہم داستانوی استعاروں کی بات کریں تو خود لفظ داستان ہی حسن وعشق کا خوبصورت استعارہ بن گیا۔ خصوصاً غزل میں حسن وعشق کے استعارے کے طور پر داستان لفظ کا خوب استعمال ہوا ہے۔ یہی نہیں کہیں زندگی کے سفر کو داستان سے تعبیر کیا کہیں نظموں میں بھی داستان سے معنی پیدا کئے دل کی آہ و فغاں میں داستان سے معنویت بھر دی اور کہیں براہ راست داستان گوئی کو ہی استعارہ بنا دیا۔ چند اشعار پیش ہیں۔

مختصر یہ ہے ہماری داستان زندگی
اک سکون دل کی خاطر عمر بھر تڑپا کیے
(معین احسن جذبی)

☆☆☆

سن کے ساری داستان رنج و غم
کہہ دیا اس نے کہ پھر ہم کیا کریں
(بیخود دہلوی)

☆☆☆

داستان گو آیا ہے
اور اپنے ساتھ کہانیوں کا پٹارا لایا ہے
(رتن سنگھ)

☆☆☆

عشق کی داستان کیا کہئے
خامشی ہے زبان کیا کہئے
(نظر برنی)

☆☆☆

[1] گذشتہ لکھنؤ از عبدالحلیم شرر، ص ۱۴۸، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۱ء

سن میری داستان حیرت میں
ہے زمین آسمان حیرت میں
(زوہیب نازک)

☆☆☆

تمہارا ذکر مری داستان بن بیٹھا
میں ایک ذرہ تھا اور آسمان بن بیٹھا
(جگدیش پرکاش)

☆☆☆

کیا کہئے داستان تمنا بدل گئی
ان کے بدلتے ہی دنیا بدل گئی
(دل شاہجہاں پوری)

☆☆☆

ایسے وہ داستان کھینچتا ہے
ہر یقیں پر گمان کھینچتا ہے
(نبیل احمد نبیل)

☆☆☆

اب جو دیکھا تو داستان سے دور
اٹھ رہا تھا دھواں چٹان سے دور
(رسا چغتائی)

☆☆☆

داستان فطرت ہے ظرف کی کہانی ہے
جتنا اتھلا دریا ہے اتنا تیز پانی ہے
(حیات وارثی)

☆☆☆

شاعری کے علاوہ فکشن پر بھی داستان کے واضح اثرات نظر آتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ قصّہ گوئی کی جڑ سے ہی ناول اور پھر مختصر افسانے کے شاخسانے پھوٹے ہیں۔قصوں سے دلچسپی اور انداز بیان نے ہی داستانوں کی خیالی دنیا کے برعکس افسانوں کو حقیقت نگاری سے نکال کر اس میں پُر لطف انداز بھرا اور شاید داستانوں نے ہی یہ باور کرایا کہ اگر ہم قصّہ سنا کر رومان وعشق، ہوا و ہوس کی باتیں لوگوں کو سناتے ہیں تو یہ ہی قصّہ حقیقی زندگی سے چن کر لوگوں کو زندگی جینے کی راہ بھی دکھا سکتے ہیں یعنی داستان بنیاد ہے فکشن کی راہیں ہموار کرنے کی، داستان اس درخت کی جڑ ہے جس کے پھل پھول افسانے اور ناول ہیں۔ اگر ناول نگار کو قصّہ سننے اور کہنے کا فن نہیں آتا تو وہ ناول بھی نہیں لکھ سکتا تھا چنانچہ اس نقطۂ نظر سے داستان بہت اہم ہے کہ ہم افسانوی ادب بلکہ اردو ادب کے تدریجی ارتقا کو داستانوں کے علم کے بغیر پوری طرح سمجھنے سے قاصر ہیں۔

یہ تو فطری اور حقیقی افسانوی ادب سے تخیلی اور مافوق الفطری داستانوں کا تعلق ہوا۔ اس کے علاوہ بھی اگر افسانوی ادب کو دیکھیں تو داستانوں نے بہت سے کردار بہت سے انداز اور استعارے اردو ادب کو دیے ہیں۔ انتظار حسین کے بیانیہ انداز میں کہیں نہ کہیں ہمیں طلسم ہوشربا کی جھلک نظر آتی ہے۔ ان کے افسانوی مجموعہ ’آخری آدمی‘ میں شامل افسانہ ’زرد کتا‘ کا انداز بیان ملاحظہ ہو۔

> ’’اس بادشاہ کا وزیر بہت عاقل تھا۔ دانشمندوں کی یہ ریل پیل دیکھ کر اس نے ایک روز سر دربار ٹھنڈا سانس بھرا۔ بادشاہ نے اس پر نظر کی اور پوچھا کہ تو نے ٹھنڈا سانس کس باعث بھرا؟ اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا:
>
> جہاں پناہ! جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔
>
> فرمایا: امان ملی۔ تو تب اس نے عرض کیا: خداوند نعمت تیری سلطنت دانشمندوں سے خالی ہے۔
>
> بادشاہ نے کہا: کمال تعجب ہے۔ تو روزانہ دانشمندوں کو یہاں آتے اور انعام پاتے دیکھتا ہے اور پھر بھی ایسا کہتا ہے۔
>
> عاقل وزیر تب یوں گویا ہوا کہ اے آقائے ولی نعمت گدھوں اور دانشمندوں کی ایک مثال ہے کہ جہاں سب گدھے ہو جائیں وہاں کوئی گدھا نہیں ہوتا اور جہاں سب

دانشمند بن جائیں وہاں کوئی دانشمند نہیں رہتا۔''[1]

قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں بھی یہ رنگ نظر آتا ہے ان کے اکثر افسانے بیانیہ کے انداز میں لکھے گئے ہیں۔قرۃ العین حیدر کے رپورتاژ میں بھی داستانوی رنگ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ وہاں بھی ماضی کی سحر آمیز فضا ان کا دامن نہیں چھوڑتی کہیں کہیں تو افسانے کہنے کا انداز بھی بیانیہ ہو جاتا ہے اور کہیں ناول کی فضا میں داستان جیسا سرور نظر آتا ہے۔

''نگارندہ داستان یوں لکھتا ہے پھر ماجرائے غریب کے ہوا پیمائے ایران ہما جب صبح سویرے فرودگاہ مہر آباد پر پُرفشاں ہوا، اس وقت کوہ دماوند کی چوٹی ابر میں پوشیدہ تھی اور فضا پر وہ خنکیِ جانفزا طاری تھی جس کے باعث لالہ زار عجم مینوسواد بہشت نژاد مشہور ہے۔ پایۂ تخت اس اقلیم کا پسند خاطر محبوبانِ جہاں قابل بود و باشِ خوبانِ زماں، شمیم اس کی دافع خفقان وخلجان۔ زمین اس کی رشک فردوس۔گلی کوچہ عجلت دہ باغ ارم۔مرد وزن بے آزار وخوش اطوار۔راستے تمام مصطفیٰ وہموار۔دوکانیں نفیس بطرزِ فرنگ۔خلقِ خدا باخاطر شاد۔ دولت و روغن معدنی وافر لیکن بہ ایں حکومت وثروت پادشاہ اولادِ نرینہ نہ رکھتا تھا اور بشب وروز مع بی بی ورعایا دستِ بدعا رہتا تھا۔''[2]

موجودہ دور کا فکشن بھی اس رنگ سے خالی نہیں نظر آتا کہیں عنوان کا انتخاب تو کہیں انداز بیان خواہ وہ رتن سنگھ کی کہانیاں ہو یا اسلم جمشید پوری جیسے نئے افسانہ نگار کی۔یہ انداز بیان قطعی طور پر داستانوں سے مستعار ہے یہ کردار داستانوں کے کردار ہیں۔یہی نہیں انتظار حسین کے اسی داستانوی انداز بیان نے انہیں اپنے ہم عصر دیگر افسانہ نگاروں میں ممتاز حیثیت کا حامل بناتا ہے۔ادھوری کہانی میں قصّہ گوئی ہر جگہ حاوی رہتا ہے۔قاضی عبدالغفار کے خصوصاً سبھی افسانوں میں داستان کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔'تین پیسے کی چھوکری' افسانوی مجموعہ میں شامل افسانہ 'وہ میرا انتظار کر رہی ہے' سے ایک مثال ملاحظہ ہو:

[1] آخری آدمی از انتظار حسین، ص۳۳، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی،۱۹۹۳ء

[2] کوہ دماوند از قرۃ العین حیدر، ص۲۵، مکتبۂ اردو ادب، لاہور،۱۹۷۹ء

''زندگی کے پُر شور دریا میں، رات کے وقت، کتنے دئے بہے چلے جاتے ہیں! حیات انسانی کے کوہساروں میں کتنے جگنو چمکتے ہیں اور پھر ان کو ظلمتِ شب اپنی چادر میں لپیٹ کر نہ جانے کہاں لے جاتی ہے؟ آسمان پر کتنی بجلیاں چمکتی ہیں اور پھر کالے بادلوں میں منہ چھپا لیتی ہیں۔ بادل کی گود سے ہزار مرتبہ نکلتی ہیں اور پھر اسی میں جا کر چھپ جاتی ہیں۔

یہ آٹھ پہر کی داستان ہے۔ گوشِ ہوش سنتا ہے۔ اور چشمِ عبرت دیکھتی ہے!!

ظاہر کی تشریح کا بیکار اور عیاں کا بیان فضول، پھر کیجئے کیا کہ دل کے زخموں کا لطف کریدنے سے دونا ہوتا ہے۔ مسکین فاختہ اپنے زخم کو اپنے پروں سے چھپا لیتی ہے مگر انسان زخم کو کریدتا رہتا ہے کہ کہیں خلش کم نہ ہو جائے۔ خون نہ رُک جائے!۔۔۔۔

۔ ہاں! اِن خشک پتیوں کی داستان خشک نہیں ہے۔ آبشار کی ملکہ سے پوچھو وہ میری داستان کی تصدیق کرے گی میری داستان اُسی کی داستان ہے۔ کیا وہ بھول گئی ہوگی؟''[1]

جدید دور کے مقبول ترین فکشن نگار مشرف عالم ذوقی بھی اپنے ناولوں میں داستانوں کے استعارے عہد جدید کی تباہی خیز طاقتوں اور شر و فساد کی سازشوں کے لئے کرتے ہیں خصوصاً ایشیائی ممالک میں عورتوں کی دل آزاری اور استحصال کے لئے کرتے ہیں۔ ان کا آخری ناول 'مردہ خانے میں عورت' میں داستانوں کو نئے دور کی استحصالی طاقتوں کی تباہ کاریوں کے استعارے کے طور پر بہت منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کے مذکورہ ناول کے بیک کور (Back Cover) پر تبصرہ کرتے ہوئے ادارہ میٹرلنک پبلشر نے طلسم ہوشربا کا ذکر کیا ہے۔

''مجھے خیال نہیں کہ جدید طلسم ہوش ربا کا علامتی پس منظر کسی نے اس طرح پیش کیا ہو کہ محسوس ہو، ہم آج بھی مافوق الفطرت عناصر، سحر و طلسم کی دنیا کے قریب ہیں اور طلسم ہوش ربا کے جادوئی کھیل اب بھی جاری ہیں۔ بے پناہ طاقت کا جن اب بھی طلسماتی لوح کے ذریعے چراغوں کو روشن کرنے اور تاریک کرنے کا کھیل، کھیل رہا ہے۔ نفرت اور تعصب، سیاست اور طاقت کے اوراق پر تہہ در تہہ ہزار داستانیں

[1] تین پیسے کی چھوکری از قاضی عبدالغفار، ص ۲۳ تا ۲۴ مکتبہ شاہراہ، دہلی، ۱۹۵۹ء

ہیں، جن کا سلسلہ داستان امیر حمزہ کے ہر دلعزیز کردار امیر حمزہ کے پر خطر معرکوں سے
شروع ہوا اور جب انجام کو پہنچا تو مرگِ انبوہ کے جادوگر نے افراسیاب کی جگہ لے
لی۔ مشرف عالم ذوقی نے ان داستانوں کو عہد جدید کا لباس پہنایا تو یہاں بھی ایک
افراسیاب جادوگر موجود تھا۔ مرگ انبوہ کا طوفان مردہ خانے میں عورت تک آتے
آتے اس قدر شدید ہو جاتا ہے کہ ہماری یہ خوبصورت کائنات طلسم ہوش ربا سے
زیادہ بھیانک محسوس ہونے لگتی ہے۔ یہاں وہ جنگی داستانیں بھی ہیں جو یہ سناتی ہیں
کہ کس طرح ایک جنگ افراسیاب جادوگر کے خلاف لڑی جا رہی ہے، وہ افراسیاب
جو جادونگری ہوش ربا پر حکومت کرتا ہے۔ ذوقی اس تہذیب کے نوحہ گر ہیں جہاں
ماضی حال اور مستقبل آپس میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔''[1]

ابوالکلام آزاد جب دوران قید احمد نگر قلعہ میں اپنے خطوط نما انشائیے تحریر کرتے ہیں تو ان کے نام 'داستان بے ستون وکوہ کن'، 'حکایت بادۂ وتریاک'، 'چڑیا چڑے کی کہانی' رکھتے ہیں۔ یہ رنگ کہاں سے آیا ظاہر ہے کہ داستان کی تاثیر نے یہ انداز بیان ہر اردو نواز شخصیت کے مزاج میں شامل کر دیا تھا۔

بیسویں صدی اور اس کے مابعد کے شعر و ادب میں داستانوی روایتوں اور استعاروں کا تو برملا اظہار رہے ہی لیکن جس داستان کا سب سے زیادہ ذکر ادیبوں نے کیا ہے وہ بھی طلسم ہوشربا ہے۔ بیسویں صدی کے مقبول مزاح نگار شوکت تھانوی کے مضمون 'افیونی کی جنت' سے درج ذیل لائنیں ملاحظہ ہوں:

''خاں صاحب نے طلسم ہوشربا کی جلد کے اندر سے نکلتے ہوئے فرمایا، ''سچ کہتے ہو
بھائی مرزا ہم تو واقعی جنتی ہیں۔ سولہ آنہ جنتی اور جو ہم کو جنتی نہ سمجھے اس پر اسی کالی گولی
کی مار پڑے۔''[2]

ان سب سے بھی بڑھ کر اب ذرا بچوں کے ادب کی طرف چلیں ہیری پوٹر جیسی کہانی کی مقبولیت کا سبب کیا ہے۔ اگر آج کا دور مافوق الفطری فضا کے لیے سازگار نہیں تو پھر یہ کہانی اتنی مقبول کیوں ہے۔ پنچ تنتر اور الف لیلہ قصّہ کی نادانستہ طور پر بچوں میں مقبولیت ادب میں داستانوں کی اہمیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ طلسم، سحر، جادو وغیرہ کا شاعری میں کثرت سے استعمال بھی داستان کی

[1] مردہ خانے میں عورت از مشرف عالم ذوقی، میٹرلنک پبلیکیشنز، لکھنؤ، ۲۰۲۱ء
[2] کائنات تبسم از شوکت تھانوی، ص ۱۰، علوی بک ڈپو محمد علی روڈ، ممبئی

مقبولیت کے ضامن ہیں۔

طلسم ہوشربا کے عمرو عیار نے ادب کو عیار کا ایک نیا استعارہ دیا۔

اگر اتنا نہ تو عیار ہوتا
تو دشمن کا نہ ہرگز یار ہوتا

(پنڈت جواہر ناتھ ساقی)

☆☆☆

سادے جتنے نظر آتے ہیں دیکھو تو عیار ہیں سب
زرد و زار و زبوں جو ہم ہیں چاہت کے بیمار ہیں سب

(میر تقی میر)

☆☆☆

اس دور کا ہر آدمی عیار ہو گیا
اپنا ضمیر بیچ کے سردار ہو گیا

(منظور علی راہی)

☆☆☆

اسی طرح سحر کو عشق کے استعارے کے طور پر کثرت کے ساتھ استعمال کیا گیا۔

مٹ جائے گا سحر تمہاری آنکھوں کا
اپنے پاس بلا لے گی دنیا اک دن

(ساقی فاروقی)

☆☆☆

باطل السحر دیکھ باطل تھے
تیری آنکھوں کا سحر آفت ہے

(میر تقی میر)

☆☆☆

قمر کا خوف کہ ہے خطرۂ سحر تجھ کو
مآل حسن کی کیا مل گئی خبر تجھ کو؟

(علامہ اقبال)

☆☆☆

جادو کا استعارہ بھی داستان کا ہی تراشیدہ ہے۔

مجھے دھوکا ہوا کہ جادو ہے
پاؤں بجتے ہیں تیرے بن چھاگل

(سید عابد علی عابد)

☆☆☆

اک ملاقات کا جادو کہ اترتا ہی نہیں
تری خوشبو مری چادر سے نہیں جاتی ہے

(راحت اندوری)

☆☆☆

جادو ہے یا طلسم تمہاری زبان میں
تم جھوٹ کہہ رہے تھے مجھے اعتبار تھا

(بیخود دہلوی)

☆☆☆

اردو شاعری میں طلسم کا استعارہ بھی داستانوں کے ذریعہ ہی آیا ہے۔

یہ کیا طلسم ہے کیوں رات بھر سسکتا ہوں
وہ کون ہے جو دیوں میں جلا رہا ہے مجھے

(ساقی فاروقی)

☆☆☆

ہمارا شعر بھی لوح طلسم ہے شاید
ہر ایک رخ سے ہمیں بے نقاب کرتا ہے

(سرفراز دانش)

☆☆☆

جلد خو اپنی بدل ورنہ کوئی کر کے طلسم
آ کے دل اپنا ترے دل سے بدل جاؤں گا

(جرأت قلندر بخش)

☆☆☆

زنبیل عمرو عیار کے کردار کا سب سے اہم حصّہ ہے اسی لئے غالبؔ نے بھی اپنے اشعار کو عمرو کی زنبیل سے استعارہ کیا تھا اور معنویت کو لقا کی داڑھی سے کیونکہ لقا کی داڑھی کی خاصیت تھی کہ اس کے ایک ایک بال میں موتی پروئے تھے اسی لئے عمرو لقا کی داڑھی مونڈ لیتے ہیں۔

در معنی میں میرا صفحہ لقا کی داڑھی
غم گیتی سے میرا سینہ عمرو کی زنبیل

غزلوں میں ہی نہیں نظموں میں بھی داستان کی جھلکیاں نظر آ جائیں گی۔ سحر کی باتیں، راز و نیاز کی باتیں، جادو، عیاری وغیرہ سے اردو کی نظمیں بھی عاری نہیں ہیں۔ اقبالؔ جیسے حقیقت پسند شاعر کے یہاں بھی غزل کا انداز و آہنگ تمام کلیات اقبال میں ان کی چھوٹی بڑی نظموں میں نظر آتا ہے۔ خضر راہ میں شاعر کے جذبات بیان کرتے وقت بھی داستانوی استعارے شعر میں معنویت بھر دیتے ہیں۔

رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر
انجم کم ضو گرفتار طلسم ماہتاب

افسوں سے طائر کا اسیر ہونا اور انجم کا طلسم سے گرفتار ہونا ہمیں ان ساحراؤں کی یاد دلاتا ہے جو اپنے حسن سے سحر کر کے لشکر مخالف کو اپنے قبضے میں کر لیتی ہیں۔

پیر گردوں نے کہا سن کے کہیں ہے کوئی
بوئے سیّارے سر عرش بریں کہے کوئی

چاند کہتا تھا نہیں، اہل زمیں ہے کوئی
کہکشاں کہتی تھی پوشیدہ یہیں ہے کوئی

نظم 'جواب شکوہ' کے یہ اشعار تو بالکل داستانوں کا بیانیہ انداز لیے ہوئے ہیں۔ نظم 'شمع اور شاعر' میں بھی داستان کے انداز میں کہتے ہیں۔

ٹوٹنے کو ہے طلسم ماہ سیمایان ہند
پھر سلیمیٰ کی نظر دیتی ہے پیغام خروش

یہاں تک کہ رومانوی ادب کے مخالفین کے سربراہ اور ترقی پسند تحریک کے پیشوا بھی غیر ارادی طور پر داستانوی استعاروں کے ذریعہ اپنی ترقی پسندی اور بغاوت کا پیغام دیتے ہوئے علی سردار جعفری لکھتے ہیں۔

پھینک پھر جذبہ بیتاب کسی عالم پہ کمند
ایک خواب اور بھی اے ہمت دشوار پسند

تو ہمیں عمرو عیار کی کمند آصفی یاد آجاتی ہے جو جادو سے لوگوں کو اپنا اسیر کر لیتی ہے۔

اس طرح عمومی طور پر داستانوں اور خصوصی طور پر داستان امیر حمزہ اور طلسم ہوشربا نے اردو زبان وادب کی جو بیش بہا خدمت انجام دی ہے اس نے زبان کا دائرہ بہت وسیع کیا چنانچہ طلسم اور پھر ہوشربا ایسی سحر آمیزی ہے جس کا جادو ہمیشہ سر چڑھ کے بولتا رہے گا۔

طلسم ہوشربا جلد اول میں محمد حسین جاہ نے جو قطعہ تاریخ لکھا ہے اس میں انھوں نے داستان کی تمام خصوصیات کو گویا ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ مثلاً:

لکھا یہ جاہؔ نے افسانۂ فصیح و بلیغ — جو فقرے اسکے ہین رنگین تو ہے بیان سلیس
نثار کیون نہو رنگین بیانیون پر دل — کہ یہ فسانہ دلِ زار کا ہوا ہے انیس
عجیب شوخی مضمون ہے ماشاء اللہ واہ — عجیب قصہ ہے ہر اہل انجمن کا سلیس
گرا کے مہر سرا شک کو لکھو تاریخ — زہے حکایت بیت عمدہ و داستان نفیس

اس داستان میں بقول جاہؔ۔

''کہیں جنگ وجدل کا سامان ہے، کہیں عیاریوں کا چرچا ہے تو کسی جگہ صفت مکان و

شہر کی، کہیں پہ آمد ہے لشکروں کی، تو کہیں لڑائی کا سراپا ہے، کہیں پر نیرنگی طلسم ہے تو کہیں پہ بیان جادو، کہیں پہ وصف بہار گلشن، تو کہیں پہ بیانِ صفات صحرا، کہیں پہ جھگڑا ہے عاشقوں کا تو کہیں نازنینوں کی پیاری باتیں، کہیں پہ سراپائے حسن و دلبری ہے، کہیں پہ میلے کا جلسہ ہے، کہیں دن اور رات کا سماں باندھا ہے، کہیں پر بیان لطف الفت ہے تو کہیں بیان ہجرت میں غم کا سامان مہیا کیا گیا۔"[1]

جاہؔ نے اسے روح طلسم نادر کہا ہے۔

---

[1] طلسم ہوشربا، جلداول از محمد حسین جاہ، ص ۸۹۵، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

مجموعی تاثرات

بیسویں صدی کی ابتدا میں اشتراکیت کے فروغ اور ترقی پسند تحریک کی بنیاد نے عالمی ادب اور خصوصاً ہندوستانی ادب پر بیسویں صدی کے نصف اول کی ابتدائی دہائیوں کے سیاسی سماجی اور معاشی اثرات نے اردو کی ادبی نثر کی نقش اوّلیں یعنی داستانوی ادب کو روبہ زوال کیا۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے بعد صرف ایسی داستانوں کے نئے ایڈیشن چھپ رہے تھے جو جامعاتی نصاب کا حصّہ تھیں ان میں **باغ و بہار** اور **فسانۂ عجائب** کی تعداد سب سے زیادہ تھی اس کے علاوہ **سب رس** اور تھوڑی بہت **نوطرز مرصع** یعنی بیسویں صدی اور ترقیاتی دور نے داستانوں کو دوئم درجے کا ادب بنا دیا نتیجتاً جو داستانیں صحیح معنوں میں داستان کہلانے کی مستحق تھیں انہیں نظر انداز کیا گیا یہی نہیں ناقدین و محققین نے داستانوں کو بے مقصد اور وقت کی بربادی کا ذریعہ مانا۔ **امیر حمزہ** جیسی طویل داستانوں کو تو بزرگوں نے منحوسیت کی سند بھی دے دی چنانچہ داستانوں سے لوگوں کی دلچسپی کم ہی نہیں ہوتی گئی بلکہ اب لوگوں نے مختصر داستانیں پڑھنا بھی ترک کر دیا لیکن بچپن سے ہی افسانوی ادب سے۔ دلچسپی اور رغبت تھی خصوصاً الف لیلہ کے وہ قصّے جو اردو یا انگریزی میں ترجمہ ہو کر بچوں کی پاکٹ بک کی شکل میں بازار میں موجود ہوتی تھیں اور جو گرمیوں کی چھٹیوں میں ہم لوگوں کو چند پیسوں میں کرائے پر ملتی تھی ایک دن میں کئی قصّہ پڑھ لینا عام بات تھی پھر قصّہ چہار درویش اور خصوصاً فسانۂ عجائب کے تجسس بھرے سحر انداز سے یہ کشش مزید بڑھی۔ سب سے پہلے الف لیلہ پھر داستان امیر حمزہ یک جلدیں پڑھنے کے بعد یہ دلچسپی بڑھتی گئی اور تحقیقی مطالعہ کی بات آئی تو آج اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی داستان کی تحقیق میں خلا نظر آیا۔ چنانچہ مذکورہ موضوع ''اردو داستانوی ادب اور طلسم ہوشربا (تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ)'' منتخب کیا اور درج ذیل عنوانات کے تحت اپنے سابقہ مطالعہ کو مزید باریک بینی سے سپرد قلم کرنے کے لیے چھ (۶) ابواب میں پیش کیا ہے۔

داستانیں ہنوز اہمیت کی حامل ہیں اگر ایسا نہیں ہوتا تو ۱۹۸۸ء میں طلسم ہوشربا کا عکسی ایڈیشن دوبارہ شائع نہ ہوتا نیز یہ کہ بیسویں صدی کے نصف آخر میں ٹی۔وی۔ کی بے پناہ مقبولیت نے کتب بینی اور ذوق مطالعہ پر ضرب کاری لگائی لوگوں نے داستانیں ہی نہیں طویل ناول بھی پڑھنے چھوڑ دیے کیونکہ اگر داستانوں کا زوال ہو گیا ہوتا تو ٹی۔وی۔ پر انہیں داستانوں کی سیریز آ کر ناظرین میں اتنی مقبولیت نہ

حاصل کرتی خواہ انگریزی کے ہیری پوٹر کا ترجمہ ہو یا قصّۂ حاتم طائی اور ملانصیرالدین کے قصوں کی سیریز ہو ہندی کا چندر کانتا ہو یا الف لیلہ یا طلسم ہوشربا کی ٹی۔وی۔سیریز ہو ان سب کو صرف بچوں نے ہی نہیں بزرگ ناظرین نے شوق سے دیکھا اور مقبولیت حاصل کی۔اگرچہ ان میں مافوق الفطری عناصر کی بھرمار تھی۔یہاں راماین اور مہابھارت کو شامل نہ بھی کیا جائے کیونکہ اس کے تار مذہب سے ملتے ہیں لیکن باقی تمام ٹی۔وی۔شوز بھی اپنی مقبولیت کے لیے مشہور ہیں۔

داستانوں کا رشتہ داستان گوئی سے وہی ہے جو ڈرامے کا اسٹیج سے۔یہ محفلوں میں سنانے کے لیے لکھی جاتی تھیں اور داستان گوئی انسان کے فطری ذوق کی تسکین کا ذریعہ تھا۔قیاس ہے کہ ابتداً لوگ اپنے مہیم آمیز شکاروں کے قصہ سنایا کرتے رہے ہونگے جس میں وہ اپنی بہادری اور ہمت کو اجاگر کرتے ہونگے۔رفتہ رفتہ تہذیب کی ترقی کے ساتھ ان قصوں میں دلچسپی بنانے کے لیے مبالغہ آرائی ہونے لگی اور جب انسان نے لکھنا سیکھا تو انہیں قصوں کو لکھنا شروع کر دیا پہلے نقوش وتصاویر کے ذریعہ اور پھر الفاظ کے ذریعہ انہیں ظاہر کیا۔اسی طرح کے ابتدائی قصوں کے نقوش مصر میں ملتے ہیں جس میں **گل گامش** کی داستان کو اولیت حاصل ہے پھر عربی اور فارسی کے یہ قصے ہندوستان پہنچے اور فارسی کی روایتیں ہندوستان میں منتقل ہونے لگیں جہاں پہلے سے ہی **پنچ تنتر**، **جاتک کتھاؤں** اور **پورانک کتھاؤں** میں یہ روایت نصیحت آمیز قصوں کی شکل میں موجود تھیں۔راماین اور مہابھارت جیسے طویل مذہبی رزمیہ بھی تھے چنانچہ یہاں کی فضا داستانوں کو راس آئی اور اردو میں فارسی داستانوں کے ترجمے شروع ہوئے۔شمالی ہند میں **نوطرز مرصع** اور **عجائب القصص** ابتدائی نقوش ہیں اس کے بعد فورٹ ولیم کالج کے قیام سے داستانوں کو شہرت اور مقبولیت ملی۔**باغ و بہار**، **آرائش محفل**، **توتا کہانی** وغیرہ کے علاوہ خلیل علی خاں اشک کی **داستان امیر حمزہ** بھی ترجمہ ہو کر بے حد مقبول ہوئی۔**باغ و بہار** سے متاثر ہو کر لکھنؤ میں **فسانۂ عجائب** تحریر ہوئی اس کے بعد **فسانۂ حیرت** اور **سروش سخن** غیرہ اور دلّی میں **بوستان خیال** کے ترجموں کا سلسلہ شروع ہوا۔اس طرح دلّی، کلکتہ، لکھنؤ اور پھر رامپور میں داستانوں کو عروج ملا اور یہ داستانوں کے اہم مراکز بن گئے۔یہ تمام داستانیں یکسانیت سے لبریز ہیں ان کا قصّہ پن، انداز بیان، کردار، پیکر تراشی سبھی آپس میں مماثلت رکھتے ہیں۔

داستان کے سلسلے کی سب سے اہم کڑی داستان امیر حمزہ ہے۔ داستان امیر حمزہ کی اردو اشاعت کے کئی سلسلے ہیں سب سے پہلا نسخہ جو نظر آتا ہے وہ فورٹ ولیم کالج کا خلیل علی خاں اشک کی داستان امیر حمزہ ہے یہ چار دفاتر پر مبنی یک جلدی داستان امیر حمزہ ہے اور ۱۸۰۱ء میں شائع ہوئی جس میں مرکزی کردار فارسی داستان رموز حمزہ سے چلے آرہے امیر حمزہ اور ان کا خاندان، زمر چہر کی پیشن گوئیاں، عمرو عیار اور دیگر عیاران اور زمرد شاہ لقا باختری ہیں جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے یہ وہی داستان ہے جو داستان سرائی کی محفل میں پڑھ کر یا زبانی سنائی جاتی تھیں۔ اس کے بعد رامپور سے داستان گو احمد علی کی داستان پھر اشک کی داستان سے متاثر ہو کر غالب لکھنوی نے اسے اپنے خوبصورت انداز بیان میں شائع کرایا۔ اس کی مقبولیت کو دیکھ کر کتابوں کے تاجر اور ادب دوست منشی نول کشور نے اس طرف رجوع کیا اور غالب لکھنوی سے اجازت نہ ملنے پر اسی داستان کو عبداللہ بلگرامی سے از سر نو لکھوایا ان سبھی نسخوں کے قصے ایک جیسے ہیں اور کردر و واقعات میں بھی یکسانیت ہے۔ مطبع نول کشور کے مطبوعہ یک جلدی داستان امیر حمزہ کے نسخے ہاتھوں ہاتھ بک گئے تو انہوں نے کچھ داستان گویوں کو ملازم رکھ کر ۴۶ جلدوں اور آٹھ دفاتر کا طویل سلسلہ شائع کیا جس کا دفتر اول نوشیروان نامہ ہے لیکن اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہمیت طلسم ہوشربا کی ہے جو سب سے پہلے شائع ہوئی اگر چہ وہ دفتر پنجم ہے۔ یہ داستانیں اتنی مقبول ہوئیں کہ ۲۰۱۳ء میں مقبول جہانگیر نے اس میں سے کچھ دلچسپ قصہ منتخب کر کے جوہر ادب پبلی کیشنز سے ۳۷ قسطوں میں چھپوائے اور شمس الرحمٰن فاروقی کی سربراہی میں اوکسفرڈ پریس کراچی پاکستان نے بھی کلاسیکی ادب سلسلے میں غالب لکھنوی کی یک جلدی داستان امیر حمزہ اور طلسم ہوشربا کی اشاعت کروائی۔

ان دفاتر میں **طلسم ہوشربا** مقبول ترین دفتر ہے جس کی یوں تو سات جلدیں ہیں لیکن پانچویں جلد کے دو حصّے نیز دو بقیہ طلسم ہوشربا ایک چوتھی جلد کا ضمیمہ کل ملا کر ۱۱ جلدیں ہیں یہ داستان امیر حمزہ کا سب سے اہم اور مقبول حصّہ ہے۔ جو محمد حسین جاہ اور احمد حسین قمر کے لکھے ہوئے ہیں اور دونوں نے اپنے قلم کی جولانیاں دکھائی ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ طلسم ہوشربا اگر چہ داستان امیر حمزہ کی سیریز ہے لیکن یہاں سرحد طلسم ہوشربا کے واقعات ہیں۔ امیر حمزہ داستان کی شروعات میں ہی یا بیچ میں داستان گو کو احساس ہوتا ہے کہ اس نے حمزہ کو فراموش کر دیا ہے تو کوہ سلیمان پہونچ کر حمزہ کے لشکر کی داستان بیان

کرتا ہے ورنہ قاری کے ذہن کے اوراق پر محض افراسیاب، حیرت، ملکہ مہرخ، مخمور سرخ چشم، ملکہ بہار جادو، اسد غازی، عمرو عیار، قراں، برق فرنگی اور عیار بچیاں ہی حاوی رہتی ہیں اور قصّہ رواں رہتا ہے بلکہ جب حمزہ کا ذکر آتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ داستان گو اصل قصے سے الگ ہٹ گیا۔ گویا طلسم ہوشربا کی مقبولیت عیاروں کی عیاری اور شہزادوں کے عشق اور ساحروں کے سحر پر مبنی ہے وہاں اسلام اور حمزہ دونوں ہی بیچ سے غائب نظر آتے ہیں۔

طلسم ہوشربا میں مافوق الفطری کردار و عناصر کی بہت اہمیت ہے اور اسی پر اس کی کامیابی کا انحصار ہے۔ طلسم ہوشربا میں پیش کردہ مافوق الفطری کرداروں کی خاص بات یہ ہے کہ مافوق الفطری ہونے کے باوجود اس میں کہیں نہ کہیں انسانی نفسیات کی عکاسی نظر آجاتی ہے۔ دراصل مافوق الفطری عناصر کسی بھی داستان کی روح ہوتے ہیں جتنی حسن خوبی سے ان عناصر کو تراشا جاتا ہے۔ اتنا ہی قصّہ کی دلچسپی بڑھتی ہے۔ طلسم ہوشربا کے مافوق الفطری عناصر بہت خوبصورتی سے تراشے گئے۔ اس مقالے میں انہیں الگ الگ خانوں میں تقسیم کر کے ان کا جائزہ لیا گیا ہے ان غیر فطری عناصر میں پہلی چیز جو پوری داستان میں ہیں وہ ساحر اور ان کی سحر طرازیاں ہیں کیونکہ ساحر بھی جو ہیں تو انسان لیکن مافوق الفطری عادات کے مالک ہیں۔ نیم انسانی کرداروں میں پتلیاں ہیں جن کو ساحر وقت ضرورت بناتے ہیں پھر ختم کر دیتے ہیں۔ ان پتلیوں کی طلسم میں بہت حیثیت ہے یہ خطروں سے آگاہ بھی کرتی ہیں اور پیغام پہنچانے کا کام بھی کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ سحر کے بنے جانور اور پرندے بھی ہیں۔ عمارات و باغات، ندیاں، پہاڑ ہیں اور سب ہی قصے کو آگے بڑھانے میں معاون ہوتے ہیں۔ ساحروں کے علاوہ جو انسانی کردار ہیں وہ بھی فوق الفطری عادات و خصائل کے حامل ہیں۔ خواہ وہ عیار ہوں یا امیر حمزہ ان کی بہادری عام انسان سے مماثلت نہیں رکھتی۔ خاص بات یہ ہے کہ ان مافوق الفطری عناصر میں بھی ہمیں لکھنوی تہذیب کی جھلک نظر آئے گی۔ شجاع الدولہ جب دو ہاتھوں سے شیر کا کلہ چیر سکتے ہیں تو کتاب سامری، لوح سلیمانی اور نقش حمزہ تو اللہ اور پیغمبران اور جادو کے تحفہ جات ہیں ان کے کارنامے بعید از قیاس نہیں یہ ہمیں لکھنؤ کی اسی فضا میں لے جاتے ہیں جہاں توہم پسندی اور ضعیف الاعتقادی عام تھی اس لیے یہ فضا کچھ اجنبی نہیں لگتی۔

اس مقالے میں طلسم ہوشربا کے طلسمی اور غیر طلسمی کرداروں کا مختصر جائزہ بھی ہے۔ طلسم ہوشربا میں کرداروں کی بہتات ہے لیکن کچھ کردار ہیں جو نہ صرف خصوصی اہمیت کے حامل ہیں بلکہ ضرب المثال ہو گئے ہیں۔ امیر حمزہ تو خیر تاریخی کردار ہی ہے اور تاریخ اسلام سے منسلک ہونے کے باعث اس کی اہمیت اتنی ہے کہ صرف نام ہی کافی ہے۔ یہ اس زمانے کے داستان گویوں کا شعار ہوتا تھا کہ وہ تاریخ سے کوئی کردار اٹھا لیتے تھے پھر اس میں اپنے تخیل کی بلند پروازی کو شامل کر کے قلم کی رنگ آمیزی بھرتے تھے تا کہ قصّہ کو مقبولیت حاصل ہو سکے لیکن خاص بات یہ ہے کہ اس میں کردار لاتعداد ہیں لیکن لافانی کردار چند ہی ہیں جس پر کہانی کا محور ہے۔ مزید یہ کہ ساحر بھی جو شریک لشکر اسلام ہوئے وہ غیر معمولی عزائم اور طاقت کے حامل ہیں لیکن طلسمی سلطنت میں جو بھی طاقت کے مالک ہیں وہ یا تو شریک اسلام ہوتے ہیں یا مارے جاتے ہیں باقی طلسم کے طویل اور اہم کردار افراسیاب، حیرت اور حجرۂ ہفت بلا کی بلائیں نیز سلیمان عنبرین موی کو ہی ہے جو پورے وقت نبرد آزما رہے ورنہ باقیوں کو یا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ طلسم اب خاتمے پر ہے تو وہ شریک اسلام ہوتے اور اسد کی اطاعت قبول کرتے ہیں یا مارے جاتے ہیں۔ باقی جو ساحر آتے ہیں وہ ضمنی ہیں اور ذہن پر کوئی خاص نقش نہیں چھوڑتے کیونکہ ساحروں کے کرداروں کو تراشنے میں یکسانیت سے کام لیا گیا ہے۔ سب کے خصائل ملتے جلتے ہیں۔ سب خونخوار اور کریہہ الہیئت ہیں اپنی شناخت وہی ساحر بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں جو غیر معمولی طاقت کے حامل ہیں اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ بالآخر اسد غازی کو فتح ملے گی شامل لشکر اسلام ہو جاتے ہیں۔ ان کرداروں میں ایک اور خاص بات ہے کہ یہاں نسوانی کردار بہت طاقتور اور خودمختار ہے اور قصے پر حاوی ہے۔ چاہے ذکر جنگ کا ہو یا جشن کا ہر جگہ نسوانی کردار کا بول بالا ہے جو ہمیں بیگم حضرت محل اور رانی لکشمی کی یاد دلاتے ہیں۔

ملکہ حیرت، ملکہ مہرخ سحر چشم، ملکہ بہار جادو، ملکہ سرخ مو کاکل کشا، مجلس جادو، نافرمان جادو، ملکہ براں اور حجرۂ ہفت بلا کی بلائیں ایسے کردار ہیں جو اپنے لافانی نقوش چھوڑتے ہیں۔ عیاروں کے کردار اتنی مشاقی سے تراشے گئے ہیں کہ عمرو عیار کی زنبیل محاورہ بن گیا اور ان کی عیاری بڑی مصیبت سے نجات بھی دلاتی ہے ہنساتی بھی ہے ڈراتی بھی ہے۔ خدائی کا دعویٰ کرنے والے لقا اور اس کے

شیطان بختیارک بھی بہت مشاقی سے تراشے گئے ہیں جنہیں پڑھ کر قاری لطف اندوز ہوتا ہے۔ لقا خدائی کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر عیاروں اور حمزہ کے ڈر سے بھاگتا رہتا ہے۔ یہ ایک طرح سے علامت ہے کہ خدا ایک ہی ہے اور نقلی خدا کا وجود دنیا میں نہیں ہے ساتھ ہی یہ بھی کہ مالک تو شاہان اودھ ہیں لیکن حکومت ساحران فرنگی کی ہے۔

طلسم ہوشربا کا سماجی مطالعہ کے عنوان سے طلسم ہوشربا کے سماج کا مطالعہ ہے جو عموماً لکھنؤ کے تہذیبی زوال سے مماثلت رکھتا ہے۔ چنانچہ لکھنؤ کے انتظامی، تہذیبی، ثقافتی پس منظر میں طلسم ہوشربا کا جائزہ لیا جائے تو اس میں تمام تر لکھنؤ کے تعیش پسندانہ نظام خاص طور پر نواب واجد علی شاہ کے دور کی پیش کش نظر آتی ہے۔ انیسویں صدی کے دور اواخر میں انگریزوں نے ریاست اودھ کے منجملہ انتظامی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے۔ یہاں تک کہ فوج اور معیشت میں بھی انگریزوں کی دخل اندازیاں بڑھ گئیں تھیں یعنی بادشاہ کے پاس سوائے عیش وعیاشی کے دوسری مصروفیات زندگی نہیں تھی اور بادشاہ کے اطوار کا اثر عوام پر بھی آتا ہے۔ نتیجتاً لکھنؤ کا پورا ماحول پراگندہ ہوگیا تھا۔ طوائفیں رقص و سرود کی محفلیں وہاں کی تہذیب کا حصّہ تھیں۔ چنانچہ اس باب میں اس بات کی وضاحت ہے کہ طلسم ہوشربا کا سماج تخیلی سماج نہیں ہے اور ہم طلسم ہوشربا کو ایک مافوق الفطری اور تخیلی قصّہ کہہ کے نظرانداز نہیں کر سکتے۔ اس میں جو جھلکیاں ہیں وہ سحر کے پیرائے میں ضرور ہیں لیکن ہمیں اسمیں لکھنؤ کی جھلکیاں جس کی وراثت کی جھلک آج کے لکھنؤ فیسٹول میں بھی نظر آتی ہے اپنے جلوے دکھاتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ طلسم ہوشربا کے تہذیبی مرقعوں میں ہی اس کی کامیابی اور اہمیت کا راز مضمر ہے جس کا ذکر راہی معصوم رضا نے اپنی کتاب طلسم ہوشربا کا تہذیبی مطالعہ میں تفصیل سے پیش کیا ہے۔ وہاں کا رہن سہن، زبان، کھان پان، ثقافتی جھلکیاں سب میں لکھنؤ کی جھلک صاف طور پر نظر آتی ہے اور جو عیش پسندانہ نظام ہے وہ بھی نسبتاً لکھنؤ میں موجود تھا۔

طلسم ہوشربا میں تین طرح کے سماج ہیں ایک جو طلسم کے باہر ہے جہاں حمزہ اور لقا کی معرکہ آرائیاں ہورہی ہیں۔ امیر حمزہ کے خیمہ کے زیادہ مناظر نہیں ہیں کیونکہ یہاں نسوانی کرداروں کا فقدان ہے۔ خاندان حمزہ کے لوگوں کے کردار صرف لقا سے جنگ کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی طرز معاشرت کی

کوئی تصور نہیں۔لقا کے لشکر میں ساحر ہیں چنانچہ ان کی مماثلت اندرون طلسم ہوشربا سے ہی ہے۔طلسم ہوشربا میں پیش کردہ سماجی مرقع 'گذشتہ لکھنؤ'، 'لکھنؤ کی تہذیبی میراث'، 'قدیم لکھنؤ کی آخری بہار'، 'تاریخ اودھ' وغیرہ سے اس قدر مماثلت رکھتے ہیں کہ ان تاریخوں کو پڑھتے وقت داستان اور داستان کو پڑھتے وقت تاریخ کا گمان ہوگا۔ یہاں کا خوردونوش،لباس،طورطریقے، مذہبی رسم ورواج کے علاوہ عیاشیاں، رقص وسرود کی محفلیں یہاں تک کی طوائفیں بھی وہی نظر آئیں گی جو 'Palace culture of lucknow' اور 'The Journey through the kingdom of Oudh' وغیرہ تاریخ کی کتابوں میں ہے۔ بات بات پر جملہ بازی کرنا اورعورتوں کی زبان، ریختی کے ساتھ اودھ کے روزمرہ و محاورات کا بھی کثرت سے استعمال ہے یعنی طلسم ہوشربا تہذیب اودھ کا خوبصورت نقش ہے۔

طلسم ہوشربا کی ادبی اہمیت باب میں طلسم ہوشربا کی اردو ادب میں اہمیت کے چند نکات پیش کئے گئے ہیں یوں تو اگر ہم داستان امیر حمزہ کے لکھنوی سلسلے کو دیکھیں تو ان ۴۶ جلدوں کی بسیط داستان میں طلسم ہوشربا سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے اس کی وجہ محمد حسین جاہ اور احمد حسین قمر کا بے تکلف اور رواں انداز بیان ہے نیز لکھنوی تہذیب کی جھلکیوں نے مافوق الفطری قصوں کے باوجود اسے حقیقی ماحول سے قریب تر کر دیا ہے۔اس میں تفریح طبع اور تسکین طبع کے تمام ذرائع موجود ہیں جو کچھ ہم حقیقی دنیا میں نہیں پا رہے تھے اسے خیالی دنیا آباد کر کے حاصل کر لیا۔طلسم شکنی کر کے انگریزوں کے طلسم کو خیالوں میں ہی سہی توڑ لیا اور ان سب سے اور اپنے فرصت کے اوقات کو داستان نویسی اور داستان گوئی میں صرف کر کے تسلّی کر لی کہ ہم نے وقت ضائع نہیں کیا۔اس کے علاوہ بیش بہا ذخیرۂ الفاظ اردو ادب کو دے کر اردو زبان میں اضافے کیے۔ بیانیہ کے علاوہ سراپا نگاری، منظر نگاری، کردار نگاری کے بیش بہا خزانے سے ادب کو نوازا۔روزمرہ محاوروں اور طولِ اضافت کے اتنے خوبصورت اور دلکش نمونے شاید ہی کسی دوسری تصنیف میں نظر آئے۔آج بھی اردو والوں کے لیے ان داستانوں میں سیکھنے کے لیے زبان و بیان کے بہت سارے نقش ہائے بے بہا موجود ہیں۔چنانچہ انیسویں صدی ہی نہیں بیسویں صدی میں بھی اردو ادب پر داستانوی پیکر تراشی کے واضح اثرات نظر آتے ہیں۔ غالبؔ تو داستانوں کے دلدادہ تھے ہی بیسویں صدی کے مقبول ترین غزل گو شاعر فراق نے بھی داستانوں کو اپنی غزلوں میں حسن و عشق کا

استعارہ بنا کر معشوق کو سر بسر داستان بتاتے ہوئے کہتے ہیں

وہ نظر نظر کی فسوں گری وہ سکوت کی بھی سخنوری

تری آنکھ جادوئے سامری، ترے لب فسانۂ نل و دمن

فسوں گری ہو، سامری ہو یا راجہ نل و دمن اور دمینتی کا قصہ سب داستانوں سے ہی مستعار ہیں۔ یہی نہیں ترقی پسند ادیب وشعرا، جدید شعرا سبھی داستانوں کے کرداروں اور واقعات کو استعارے اور علامت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ باب ششم میں کچھ کے حوالوں کے ذریعہ داستانوں کی مقبولیت واضح کرنے کی کوشش ہے۔

چنانچہ طلسم ہوشربا صرف داستانوں ہی میں نہیں، اردو ہی میں نہیں، ہندوستانی ادب میں عظیم الشان اہمیت کی حامل ہے۔ دبستان لکھنؤ کے داستانی ادب کا ارتقا میں 'ڈاکٹر آغا سہیل' نے بالکل بجا تحریر کیا ہے۔

> ''اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اردو کی تمام داستانوں میں طلسم ہوشربا وقیع ہے اور لکھنوی داستانوں میں سب سے اعلیٰ اور افضل۔ مجھے اس بات میں بھی ہرگز غلو نظر نہیں آتا کہ اردو کی سب سے ممتاز داستان صرف اور صرف طلسم ہوشربا ہے۔''

تلخیص

باب اوّل۔ اردو میں فن داستان گوئی اور داستان نویسی کی روایت

کہانی سننے اور بیان کرنے کا شوق پیدائش سے ہی انسان کی فطرت میں شامل ہوتا ہے۔ وہ بچپن سے ہی اپنی ماں نانی یا دادی سے قصّہ سنتا ہے اور خود اسی عمر میں پہونچنے پر سناتا ہے چنانچہ قصّہ گوئی کی شروعات انسانی تہذیب کی شروعات سے ہی ہوتی ہوگی جب وہ اپنی مہمات آمیز داستانیں اپنے ساتھیوں اور اہل خانہ بھرا پنی نئی نسل کو سنانے ہونگے کیونکہ انسانی تہذیب کی ابتدا میں توہم پرستی، جنسی رجحان اور جنگ آمیز مہمات خاص اہمیت کی حامل ہوتی تھیں تو وہیں ان قصّوں کی بنیاد بھی ہونگی۔ رفتہ رفتہ جیسے جیسے انسانی ذہن وادراک کی نشو ونما ہوئی قصّوں میں بھی رنگ آمیزی بھری جانے لگیں اور یہ قصّہ غیر معمولی دلچسپی اور تفریح طبع کا حصّہ بن بھی گئے جسے آگے چل کر جب با قاعدہ زبان پر عبور حاصل ہو گیا تو غیر معمولی قدرت حاصل ہوگئی۔ آج کے زمانے تک آتے آتے جدید تکنیک اور عدیم الفرصتی نے قصّہ گوئی کے ذوق کو ختم کر دیا لیکن اردو زبان میں بھی قصّہ گوئی یا داستان گوئی کی عظیم الشان تہذیبی روایت موجود ہے۔ یوں تو ٹی۔ وی۔ اور الکٹرانک میڈیا کے ذریعہ باذوق قارئین کے لیے آج بھی داستانیں تسکین ذوق کا باعث بنیں لیکن اب اس طرح کی تحریر منظر عام پر آنا شاید ناممکن ہے اگر چہ ابھی بھی سامع اور ناظر مافوق الفطری عناصر پر مبنی قصّہ کہانی کے سیریل میں غیر معمولی دلچسپی لیتے ہیں یعنی ابتدائے تہذیب سے آج تک لوگ قصّہ کہانی میں دلچسپی لیتے رہے ہیں بس اس کی شکلیں تبدیل ہوتی رہی۔ زبانی قصّے پھر داستانیں پھر جدید ناول، افسانے، پھر ٹی۔ وی۔ سیریل اور اب ویب سیریل کسی نہ کسی شکل میں قصّہ کا وجود برقرار ہے۔

اگر تحریری قصّوں کا ذکر کریں تو مصر کی تہذیب دنیا کی قدیم ترین تہذیب ہے کیونکہ سب سے پہلے چار ہزار قبل مسیح میں وہاں فن تحریر دریافت کر لیا گیا تھا۔ فضل حق قریشی کے مطابق دنیا کا پہلا افسانہ شاہ فاخری (۴۸۰۰ قبل مسیح) کے عہد کا ہے۔ اس کا مسودہ ۳۴۰۰ قبل مسیح کا ہے۔ تین ہزار سے دو ہزار قبل مسیح میں گل گامش کی داستان کئی رزمیہ نظموں میں بیان کی گئی۔ ۲۳۰۰ قبل مسیح میں کشتی شکستہ اور قصّہ صنوبر تحریر ہوا اور اس کے بعد بارہویں صدی میں مصر میں لاتعداد کہانیاں ملتی ہیں۔ فلسطین اور اس کے نواح میں بھی ۱۰۰۰ قبل مسیح سے پہلے قصّے لکھے جانے لگے تھے اس کے علاوہ تمام مذہبی صحیفوں میں قصّوں کے لاتعداد نمونے ملتے ہیں۔ ہندوستانی تہذیب بھی کافی قدیم ہے چنانچہ یہاں بھی رامائن، مہابھارت، گیتا، پران، اپنشد وغیرہ کا تمام تر دارومدار طویل ومختصر قصّوں پر ہے اسکے علاوہ پنچ تنتر، بودھ، جاتک اور پورانک کتھائیں بھی ہندوستان کی قدیم تہذیب کا حصّہ ہیں۔

اردو میں داستان کے عروج و زوال کی داستان ایک صدی میں ہی سمٹی ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام (۱۸۰۰) سے پہلے چند داستانوں کے ہی نمونے ملتے ہیں جو زیادہ تر روایتی قصّہ چہار درویش اور مثنویوں کے قصّہ بدر منیر اور بے نظیر و گل بکاؤلی پر مبنی ہیں۔ فورٹ ولیم کالج سے داستان باغ و بہار اور یک جلدی داستان امیر حمزہ کے منظر عام پر آنے کے بعد داستانوں کی روایت عام ہوگئی اور خلیل علی خاں اشک اور میر امن کے ان دو کارناموں کو فروغ و ارتقا ملا۔ اس کے بعد داستان کے چار اہم مراکز بن گئے۔ دہلی، کلکتہ، رام پور اور لکھنؤ خلیل علی خاں اشک کے بعد رام پور میں غالب لکھنوی نے بھی چار دفاتر پر مبنی یک جلدی داستان امیر حمزہ تحریر کی یہ اپنی زبان و بیان کی نوعیت سے غیر معمولی ہے۔ قصّہ وہی کلکتہ کے نسخہ فورٹ ولیم کالج خلیل علی خاں اشک والا ہے اس کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے منشی نول کشور نے عبداللہ بلگرامی سے غالب لکھنوی کا نسخہ امیر حمزہ سامنے رکھ کر پہلے از سر نو یک جلدی داستان امیر حمزہ تحریر کروائی اور اسکی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے داستان امیر حمزہ لکھنے کے لیے کئی مصنف مامور کیے اور داستان امیر حمزہ کی طویل ۴۶ جلدی سلسلے کی ابتدا ہوئی۔ چنانچہ یہ مقبولیت اتنی بڑھی کہ داستان امیر حمزہ کے پاکٹ سائز ایڈیشن بھی شائع ہونے لگے۔ ادھر دہلی میں بوستان خیال اور عجائب القصص جیسی داستانیں تحریر ہوئی چنانچہ ۱۹ویں صدی داستانوں کے لیے عروج کی صدی بن گئی۔

لیکن داستانوں کی اس مقبولیت کے ساتھ ہی ایک سوال یہ سامنے آیا کہ داستانوں میں وہ کون سا جزو ہے جو داستانوں کو قدیم قصّوں اور حکایتوں سے الگ کرتا ہے اس سلسلے میں کلیم الدین احمد کا کہنا ہے کہ ''داستان کہانی کی پیچیدہ اور بھاری بھرکم صورت ہے۔'' گیان چند جین ''فوق الفطرت کی تحیر خیز، حسن و عشق کی رنگینی، مہمات کی پیچیدگی، لطف بیان'' کے عناصر کو ہی داستان مانتے ہیں لیکن اس طرح کے قصّہ کہانیوں سے عرب، ایران اور ہندوستان کی قدیم تاریخ بھری پڑی ہے۔ دور جاہلیت میں عرب سامر ریت کے ٹیلے پر بیٹھ کر کہانیاں سناتے تھے اور لوگ ساری رات سنتے تھے۔ فارسی میں بھی اس طرح کی روایتیں موجود ہیں اس لیے گیان چند جین کا یہ بھی ماننا ہے کہ ''داستان گوئی سنانے کا فن ہے لکھنے کا نہیں۔''

ہندوستان میں داستان گوئی کا رواج سب سے زیادہ لکھنؤ، دلّی، رام پور اور حیدرآباد میں ہوا۔ باقر علی داستان گو کے نانا امیر علی قلعہ معلّٰی میں قصّہ سناتے تھے۔ ان کے ماموں کاظم علی لکھنؤ اور حیدرآباد کے قصّہ گویوں سے زیادہ ترقی کی۔ حکیم اصغر علی داستان گو رام پور کی قدردانی دیکھ کر وہاں منتقل ہو گئے۔ منشی میر فدا علی بھی بہت مشہور داستان گو تھے اور اس طرح داستانیں تہذیبی نمائندگی کے ساتھ ساتھ ذریعہ معاش بھی بن گئیں۔ لیکن لکھنؤ، دلّی، رام پور، حیدرآباد کے تہذیبی زوال کے بعد داستانیں جو ایک صدی تک تہذیبی شناخت کا حصّہ ہوتی تھیں اور محفلوں کی زینت ہوا کرتی تھیں رو بہ زوال ہوئیں۔ یہ داستانیں ایک عہد تک غزلوں کی طرح ہماری ہندوستانی تہذیب و

معاشرت کا حصّہ بنی رہیں اور زبان و ادب کے فروغ کی بہت بڑی آلہ کار بھی رہیں۔

طوالت ان داستانوں کا خاصہ تھا۔ کہانی کو تجسس بھرے موڑ پر روک کر محفل کو اگلے دن تک کے لیے برخاست کر دینا اس تہذیب کا خاص انداز تھا۔ طوالت کے علاوہ قصّوں کی تکرار اور مافوق الفطری کردار و عناصر بھی ان داستانوں کی خاصیت تھی۔

اردو کی ابتدائی داستانیں اور فورٹ ولیم کالج

اردو زبان کا داستانوی اثاثہ اولاً منظوم (مثنوی) اور پھر منثور رہا سب سے پہلے نثر میں مذہبی باتیں بیان کی گئیں اور فضلی کی کربل کتھا کو اس میں اولیت حاصل ہے۔ داستانوں میں عطا حسین خاں تحسین کی نوطرز مرصع ۱۷۷۵ء پہلی مقبول داستان ہے۔ دکن میں سب رس (جسے پورے طور پر داستان نہیں تسلیم کیا جا سکتا کیونکہ یہ تمثیلی انداز کا قصّہ ہے) کے علاوہ مختصر حکایتیں اس کے علاوہ توتا کہانی، سنگھاسن بتیسی، بیتال پچیسی وغیرہ ایسے قصّے ہیں جن میں بھی کہیں نہ کہیں مافوق الفطری عناصر موجود ہے۔ نوطرز مرصع اس وقت لکھی گئی جب شمالی ہند میں قصّوں کا رواج عام نہیں تھا۔ اس کے بعد قصّہ ملک محمد اور گیتی افروز مہر چند مہر اور شاہ عالم ثانی کی عجائب القصص قابل ذکر داستانیں ہیں لیکن دور عروج فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد ہی آیا جس میں فارسی کے بہت سے مقبول قصّوں کو اردو میں منتقل کیا گیا جن میں باغ و بہار، داستان امیر حمزہ کے علاوہ اشک کی دوسری داستان قصّہ نگار خانۂ چین، حیدر بخش حیدری کی قصّہ مہر و ماہ، توتا کہانی، گلزار دانش، آرائش محفل تخلیق ہوئیں۔ بہادر علی حسینی نے گلکرسٹ کی فرمائش پر ۱۸۰۳ء میں نثر بے نظیر لکھی۔ نہال چند لاہوری نے مذہب عشق، للّو لال نے لطائف ہند، مذہب علی خاں ولا نے ہفت گلشن، گل و صنوبر وغیرہ لکھی ہیں۔ نرائن ہند نے ایک داستان افسانۂ جان و دل عرف قصّہ چہار باغ لکھی انشا نے دو داستانیں سلک گہر اور رانی کیتکی کی کہانی لکھ کر داستانی ادب میں گراں بہا اضافہ کیا اس کے علاوہ مختصر طویل کئی قصّوں کا سلیس اردو میں ترجمہ بھی کیا گیا لیکن فورٹ ولیم کالج کے میر امن کی باغ و بہار نے داستانوں کو جو عمومیت اور شہرت بخشی اس نے آگے چل کر نہ صرف فن داستان گوئی بلکہ داستان نویسی کو بھی بہت فروغ بخشا اور باغ و بہار کی روایت کی پیروی کر ۱۸۲۵ء میں فسانۂ عجائب منظر عام پر آئی اور فخر الدین حسن کی سروش سخن (۱۸۵۹) اور جعفر علی شیون کی طلسم حیرت جیسی داستانوں کے وجود کا سبب بنی۔ مختصر داستانوں میں عجائب القصص اور طویل داستانوں میں الف لیلہ، بوستان خیال اور داستان امیر حمزہ داستان کے سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں۔ عجائب القصص شاہ عالم ثانی کی لکھی ہوئی ابتدائی نثری داستانوں میں ہے۔ اس کا قصّہ روایتی منظوم داستانوں کا قصّہ ہے۔ ابتدا بھی منظوم داستانوں کے انداز پر حمد، نعت پھر منقبت سے ہوتی ہے لیکن اس کے بعد قصّہ نہ شروع کر کے احادیث اور پھر منقبت ائمہ معصومین پھر پسر دستگیر اور پھر شجرہ بیان کر کے آگے کی داستان روایتی انداز میں شروع ہے۔ اس داستان میں کچھ خاص نہیں لیکن نثری داستان کی جانب ایک مستحکم

قدم ہے اور کیونکہ شاہ عالم ثانی علم زبان و بیان کے ماہر تھے۔ چنانچہ اس میں زبان و بیان کی حسن کاری قابل دید ہے۔ یہ داستان فسانۂ عجائب سے قدرے طویل ۶۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

الف لیلہ ولیلہ داستانوی سلسلے کی سب سے اہم اور مضبوط کڑی ہے۔ اگرچہ داستان طویل ہے لیکن قصّہ در قصّہ ہے اور ہر قصہ اپنے آپ میں مکمل ہے۔ کہانی کا سلسلۂ ربط صرف یہ ہے کہ وزیرزادی شہرزاد کو بادشاہ کو ہر رات ایک نیا قصّہ سنانا ہے تاکہ بادشاہ کا صنف نازک پر دوبارہ اعتماد قائم ہو سکے۔ اس داستان کی اصل بھی عربی اور پھر فارسی ہے لیکن دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں کیونکہ ہر قصّہ اپنی جگہ الگ اور مکمل ہے اس لئے اسے بے پناہ مقبولیت تو حاصل ہوئی لیکن اصل داستان سے ان قصّوں کا ربط اکثر ٹوٹ گیا۔ ہندی، اردو، انگریزی یا دیگر زبانوں میں اس کے قصّے اپنے الگ نام سے شائع ہوتے اور پڑھے جاتے رہے ہیں۔ مثلاً علی بابا چالیس چور، سندباد جہازی، علاءالدین کا چراغ وغیرہ ایسے قصے ہیں جن کو لوگوں نے یہ جانے بغیر پڑھا ہے کہ یہ داستان الف لیلہ کا حصّہ ہیں۔ گیان چند جین نے اردو میں الف لیلہ کے مختلف النوع ۱۶ ترجموں کی نشاندہی کی ہے۔

داستانوی سلسلے کی اگلی اہم طویل داستان بوستان خیال ہے یہ دہلی میں تحریر ہوئی جب بوستان خیال تحریر ہوئی اس وقت تک یک جلدی داستان امیر حمزہ تحریر ہو کے مقبول ہو چکی تھی۔ اس لیے بوستان خیال کو وہ مقبولیت حاصل نہیں ہو سکی جس کی وہ متقاضی تھی اس کی اصل فارسی تھی اور ۱۶ جلدوں میں تھی۔ سب سے پہلے بوستان خیال کا اردو میں ترجمہ غالب کے بھتیجے امان اللہ خاں نے حذائق الذخار کے نام سے کیا۔ یہ تمام جلدیں چھپ کر ہاتھوں ہاتھ بک گئی اور کتاب کی مانگ بڑھی تو منشی نول کشور نے اسے چھپوانے کی اجازت چاہی اجازت نہ ملنے پر انہوں نے خود ترجمہ کروا کے ۹ مکمل جلدیں شائع کروائیں۔

داستانوں کی مقبولیت میں میرامن کی باغ و بہار اور رجب علی بیگ سرور کی فسانۂ عجائب خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ باغ و بہار سادگی اور فسانۂ عجائب حسن بیان کے لیے اپنی الگ پہچان رکھتی ہیں۔ فسانۂ عجائب کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس کے پہلے ایڈیشن کا دیباچہ مرزا غالب نے تحریر کیا تھا۔ ان دونوں داستانوں نے داستان کی اہمیت اور مقبولیت کو اتنا عروج دیا کہ داستان امیر حمزہ کی ۴۶ جلدیں اور طلسم ہوشربا جیسی داستان منظر عام پر آئی۔ یہ تمام قصّے اپنے متن کے لحاظ سے یکسانیت سے بھرپور ہیں۔ باغ و بہار کا قصّہ اگرچہ مثنوی کے قصّوں سے الگ ہے لیکن یہاں بھی مافوق الفطری، محیر العقول عناصر اور ایک جیسے واقعات مثلاً بادشاہ کا لاولد ہونا، نادیدہ عشق ہونا، پرندوں کا پیغام پہونچانا، بولنے والے توتے اور مینا کسی پرندے میں جان ہونا، پیشن گوئی کرنا، سادھو، بزرگ، نقاب پوش کی قصّہ میں موجودگی وغیرہ ایسی باتیں ہیں جو ان داستانوں کے الگ ہونے پر بھی ان میں یکسانیت کے پہلو پیدا کر دیتی ہیں۔ ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ ان میں سے کسی بھی داستان کا جائے وقوع سرزمین ہند نہیں ہے بلکہ عرب، چین،

مصر وغیرہ ہے۔ غالباً داستان گوایسا اس لیے کرتے تھے تا کہ سامعین مرعوب ہوسکیں کیونکہ اپنے ملک کے بادشاہ اور حالات کوانسان جانتا ہے اس پرفرضی قصّوں کی تخلیق نہیں ہوسکتی۔اس لیے جب دور دراز کی بات ہوگی تو لوگوں کو اس کے حقائق میں شبہ نہیں ہوگا۔کوہ قاف کی پریوں پر کسے شک ہے۔شاید داستانوں کے زوال کا بھی یہی سبب رہا کہ جب علم زیادہ حقیقت پرست ہوگیا دنیا ایک نقطہ پرآ گئی انسان ہر جگہ سفر کرنے لگا تو اس طرح کی مافوق الفطری اور محیرالعقول باتوں سے متاثر ہوناممکن نہیں رہا۔

بابِ دوم۔داستان امیرحمزہ کےاردوتراجم

داستان امیرحمزہ کا تعارف

داستان امیرحمزہ اردو کی مقبول ترین داستانوں میں سے ایک ہے۔ یہ داستان کوئی ایک داستان نہیں بلکہ داستانوں کا ایک مربوط سلسلہ ہے جوفورٹ ولیم کالج میں خلیل علی خاں اشک کی چار دفاتر پرمبنی و یک جلدی داستان امیرحمزہ سے شروع ہوکر ۴۶ ضخیم جلدوں اور ۱۴ دفاتر پرمبنی منشی نول کشور کے مطبع سے اشاعت پذیر ہوکرمقبول خاص وعام ہوا۔

فورٹ ولیم کالج کا نسخۂ اشک

داستان امیرحمزہ کی اشاعت کے کئی سلسلے ہیں لیکن اس کی مقبولیت فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد ہوئی وہاں زبان اردو سیکھنے کے سلسلے کے تحت بہت ساری کتابیں دوسری زبانوں سے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کرا کے شائع کی گئیں اور وہیں خلیل علی خاں اشک کی چار دفاتر پرمبنی یک جلدی داستان امیرحمزہ چھپی۔اس میں اشک نے دیباچہ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ داستان اصلاً فارسی میں ابوالفیض فیضی نے لکھی حالانکہ گیان چند جین اور شمس الرحمٰن فاروقی نے اس دعوے کورد کیا۔فاروقی صاحب نے ذاتی گفتگو کے درمیان اور' ساحری، شاہی، صاحبقرانی' میں کہا ہے کہ اپنی تصنیف کو بلند ترین رتبہ دینے کے لیے اس طرح کے دعوے کرنا اس وقت کی عام بات ہے۔ ریختہ کی ویب سائٹ پر فارسی کی رموزحمزہ کا عکس ہے لیکن اس کے سرورق اور بیک کور (Back Cover) دونوں نہیں ہیں۔اس کے پہلے اور آخری صفحے کی عبارت سے صرف مطبع کا نام پتا چلتا ہے اور وہ جس کی فرمائش سے اسے تحریر کیا گیا ہے۔اس کے اول صفحہ پر مندرجہ ذیل تحریر درج ہے۔

> ''ہذا کتاب مستطاب داستان امیرحمزۂ صاحب قران رضی اللہ عنہ موسوم برموزحمزہ برحسب فرمائش عالیجاہ آقا میرزامحمد ملک الکتاب شیرازی المخاطب من طرف دولت فخمہ انکلیسیّہ بہ خان صاحب در بندر بمبئی بزیور طبع آمد۔''

آخری صفحہ پر درج تحریر ذیل میں پیش ہے:

> ''بعون اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ داستان امیرحمزہ صورت انجام وسمت اختتام پذیرفت بر

حسب فرمایش عالیجاہ رفیعجایگاہ مجدت ونجدت ہمراہ عمدۃ الاعیان میرزا محمّد خان ملک الکتاب مُلقب بہ خان صاحب زید عزّہ و در مطبع سپہر مطلع مظفّری واقع در معمورۂ بمبئ بحلیہ طبع آراستہ واز ہر عیبی پیراستہ کردید وکان الفراغ فی شھر ربیع الثانی من شھور ۱۳۲۷ من الھجرۃ المقدستہ۔"

اس میں حمزہ، بزرچمہر اور عیاروں کی داستان ہے لیکن مصنف نہیں چنانچہ یہ تو یقینی ہے کہ اشک کے سامنے یا تو فارسی کا کوئی نسخہ تھا یا کسی داستان گو سے انھیں یہ قصہ معلوم ہوا کیونکہ یہ کہانی پہلے سے چلی آ رہی تھی لیکن اشک کو یہ قصہ کہاں سے ملا اس بات سے زیادہ اہم یہ ہے کہ اشک کی داستان امیر حمزہ سے اردو میں یہ روایت پروان چڑھی اور اس کی مقبولیت بہت بڑھی۔ لکھنؤ کے مشہور داستان گو احمد علی رامپور چلے گئے اور انہوں نے وہاں داستان امیر حمزہ کی بنیاد ڈالی بعد میں ان کے شاگرد حکیم سید اصغر علی خاں داستان گو نے اس روایت کو آگے بڑھایا اور ان کے بیٹے ضامن علی نے بھی میر احمد علی کے ہی شاگرد منشی انبا پرشاد رسا نے بھی لکھنؤ میں کئی جلدیں تحریر کیں۔ ان کے منشی غلام رضا، مہد علی خاں ذکی مرادآبادی، شفیع علی خاں لکھنوی، منیر شکوہ آبادی، سید جعفر شاہ واسق، حیدر مرزا تصور، لکھو ہتک لکھنوی، مرتضیٰ حسن رضا لکھنوی، مرزا علیم الدین، مرزا کلن داستان گو وغیرہ وہ مصنف ہیں جنہوں نے رامپور میں ایک یا متعدد داستانیں لکھیں۔ ان سبھی نسخوں میں بیانیہ کی لذت کو ملحوظ رکھا گیا اور ان تمام سلسلوں کو لکھنوی سلسلے سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہ سبھی مخطوطے رامپور رضا لائبریری میں موجود ہیں لیکن داستان امیر حمزہ کو خلیل علی خاں اشک کے نسخے سے جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کی شاخیں لکھنؤ سے جڑی ہیں۔

غالب لکھنوی کا نسخۂ رامپور

غالب لکھنوی کا نسخہ شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کا پہلا صفحہ نہیں ہونے کے باعث سن اشاعت اور مطبع نہیں پتا چلتا لیکن پہلے صفحے سے اتنا پتا چلتا ہے کہ یہ فارسی کی چودہ جلدوں سے ایک جلد کی گئی حالانکہ اس کی حقیقت مشکوک ہے۔

غالب لکھنوی کی داستان امیر حمزہ بھی شہر مداین کے بادشاہ قباد کامران اور زمرچہر کے نام سے شروع ہوا اور امیہ ضمیری کے یہاں عمرو پیدا ہوئے اور اس کے بعد حمزہ کفر شکنی کے لیے نکلے اور لقا شاہ باختری ست برسر پیکار ہوئے جس کی طرف سے جنگ کے لیے ساحروں کی فوج تھی اور قصہ جنگ سحر اور عیاری کی رنگ سے آگے بڑھا۔

مطبع نول کشور کے نسخے

جس سلسلے نے داستان امیر حمزہ کو سب سے زیادہ مقبولیت بخشی وہ مطبع نولکشور کے نسخے ہیں جہاں منشی نول کشور نے اسے چھاپنے کی اجازت نہ ملنے پر عبداللہ بلگرامی سے از سر نو تحریر کرا کے چھپوایا یہ کم وبیش غالب لکھنوی کے قصے سے ہی

مستعار تھا لیکن اس کے نسخے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے تو مقبولیت کو دیکھتے ہوئے نول کشور نے کئی منشی مامور کر کے آٹھ دفاتر ۴۶ جلدوں میں اسے تحریر کر کے چھپوایا جس کا مقبول ترین دفتر طلسم ہوشربا ہے یہ اگر چہ پانچواں دفتر ہے لیکن سب سے پہلے اشاعت پذیر ہوا باقی دفاتر اسکے بعد چھپنے شروع ہوئے۔

دفتر اول۔نوشیرواں نامہ۔تصدق حسین (دو جلدیں)

دفتر دوم۔کوچک باختر۔تصدق حسین (۱ جلد)

دفتر سوم۔بالا باختر۔تصدق حسین (۱ جلد)

دفتر چہارم۔ایرج نامہ۔تصدق حسین (۲ جلدیں)

دفتر پنجم۔طلسم ہوش ربا۔محمد حسین جاہ (۴ جلدیں۔اول، دوم، سوم، چہارم)

دفتر پنجم۔طلسم ہوشربا۔احمد حسین قمر (۴ جلدیں۔پنجم حصہ اول و دوم، ششم، ہفتم)

دفتر ششم۔صندلی نامہ۔محمد اسمٰعیل اثر (۱ جلد)

دفتر ہفتم۔تورج نامہ۔پیارے اعانت تصدق حسین (جلد اول)

دفتر ہفتم۔تورج نامہ۔تصدق حسین بہ تصحیح اسمٰعیل اثر (جلد دوم)

دفتر ہشتم۔لعل نامہ۔تصدق حسین (دو جلدیں)

یہ تمام قصے یک جلدی داستان امیر حمزہ کی طویل شکل ہیں حمزہ کو ایک کے بعد ایک نئی مہم کا سامنا کرنا پڑتا ہے لقا حمزہ سے ڈر کر کسی نئی طلسمی ریاست میں چھپتا ہے اس کا پیچھا کرتے ہوئے امیر حمزہ اور ان کے لشکری جاتے ہیں اور طلسم شکنی ہوتی ہے کفر پر اسلام کو فتح ہوتی ہے جشن ختم نہیں ہوتا کہ ایک نئے مخاطرے کی شروعات نئی جنگ سے ہو جاتی ہے اور پھر وہی باتیں دوبارہ ہوتی ہیں عمرو اور دیگر عیاروں کی مدد سے فتح ہوتی ہے ساحر مارے جاتے ہیں طلسم ٹوٹتا ہے ایک دفتر ختم ہوتا ہے اگلے دفتر میں نئی مہم کی شروعات ہوتی ہے۔

داستان امیر حمزہ کا مقبول ترین دفتر طلسم ہوشربا

طلسم ہوشربا اسی طرح کا ایک طلسم ہے جس کی سرحد پر ایرج نامہ میں ایرج سے شکست کے بعد زمرد شاہ لقا باختری حمزہ سے بچنے کے لیے پناہ لیتا ہے، حمزہ کا لشکر اس کا پیچھا کرتے کرتے یہاں بھی پہونچتا ہے۔ یہ سلیمان عنبرین موی کوہی کی طلسمی سلطنت ہے جو سلطنت افراسیاب کی ماتحتی میں ہے۔ سلیمان عنبرین موی کوہی لقا کی حفاظت کے لیے افراسیاب سے مدد مانگتا ہے کیونکہ اس کی سرحد پر امیر حمزہ اپنے لشکر اور عیاروں کے ساتھ خیمہ زن ہیں۔ افراسیاب اس کی مدد کے لیے ساحران زبردست بھیجتا ہے لیکن حمزہ کا قصہ تو بیرون طلسم ہوشربا ہے اصل قصہ تو اندرون طلسم ہے کیونکہ حمزہ کا مقصد طلسم شکنی ہے چنانچہ حمزہ کے بیٹے ایک دن باپ سے شکار کھیلنے کی اجازت چاہتے ہیں اور اجازت نہ ملنے پر

اپنی ماں گردیہ بانو سے سفارش کرا کے ایک دن کی اجازت پر شکار کھیلنے جاتے ہیں۔ یہاں ایک ہرن کا پیچھا کرتے کرتے طلسم ہوشربا کی سرحد میں داخل ہو جاتے ہیں اور ہرن کو اپنی تیر سے ہلاک کرتے ہیں یہ کوئی معمولی ہرن نہیں بلکہ غزال جادو تھا جو طلسم کی سرحد کی نگرانی پر مامور تھا۔اس کے مرتے ہی بیرغل مچاتے ہیں خبر افراسیاب کو پہونچتی ہے اور بدیع الزماں ملکہ تصویر جادو کی نگرانی میں قید ہوتے اور داستان گو محمد حسین جاہ یہیں سے داستان میں رنگ آمیزی کرنا شروع کرتے ہیں۔ یہ داستان گو کی ہی ایجاد ہے کہ لشکر حمزہ کے ہر مجرم طلسم کو کسی نسوانی کردار کی نگرانی میں رکھا جاتا ہے وہ اس کے عشق میں گرفتار ہو کر مطیع اسلام ہو جاتی ہے۔ بدیع الزماں کو چھڑانے کے لیے اسد غازی پانچ عیاروں عمرو عیار، مہتر قراں، برق فرنگی، ضرغام شیر دل اور جانسوز کے ساتھ داخل طلسم ہوتے ہیں اور قید ہوتے ہیں۔ اسد کو مہ جبین کی نگرانی میں قید کیا جاتا ہے وہ بھی گرفتار عشق اسد ہوتی ہے اور مہ جبین کی نانی ملکہ مہرخ سحر چشم پہلے ہی افراسیاب سے ناراض ہیں کیونکہ اس نے حیرت کی بیٹی سے عشق کرنے کی سزا میں مہرخ کے بیٹے شکیل جادو کو قید کر رکھا ہے۔ ملکہ مہرخ زبردست ساحرہ ہے وہ کتاب جمشیدی سے یہ بھی جان لیتی ہے کہ اسد غازی طلسم شکن ہیں چنانچہ مطیع اسلام ہوتی ہے اس کے ساتھ بہت سے ماتحت ساحران بھی شامل ہوتے ہیں اور اس طرح ملکہ مہرخ کی سپہ سالاری میں جنگ لشکر اسلام ہوتی ہے قصہ در قصہ الجھتا ہے جتنے بڑے ساحران ہیں وہ بذریعہ عشق یا بذریعہ طاقت یا مستقبل کا حال جان کر مطیع اسلام ہوتے ہیں اور سات جلدوں میں (جن میں جلد پنجم دو حصوں میں ہے) یہ قصہ بادشاہ طلسم نور افشاں کوکب روشن ضمیر ،اس کی بیٹی براں اور مالک طلسم نور افشاں اور دیگر لاتعداد ساحران کی مدد سے حجرہ ہفت بلاؤں کو ختم کر کے اسد غازی کے ہاتھوں طلسم شکنی کے بعد ختم ہوتا ہے۔ افراسیاب مارا جاتا ہے اور اس کے ساتھ طلسمی دنیا کا بھی خاتمہ ہوتا ہے۔ طلسم ہوشربا کرداروں کی ساخت مافوق الفطری عناصر کی پیش کش اور زبان و بیان اور تہذیبی مرقعوں سے داستان امیر حمزہ کا مقبول ترین دفتر بنی جو سب سے پہلے اشاعت پذیر ہوا اور سب سے بعد تک ہوتا رہا۔ ۱۹۸۸ء میں خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ نے ایک بار پھر اس کی تمام جلدوں کے عکسی ایڈیشن شائع کیے۔

باب سوم۔ طلسم ہوشربا میں مافوق الفطری کردار و عناصر کی اہمیت

داستانوی روایت کی کامیابی کا زیادہ تر دارومدار اس کے مافوق الفطری کردار و عناصر پر ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ قدیم عالمی ادب میں بھی کامیابی کا راز مافوق الفطری واقعات پر ہی مبنی ہے۔ وہ دور قدیم کے انسانوں کی راسخ الاعتقادی اور توہم پرستی کا دور تھا انہیں اپنی اصل زندگی میں بھی اب باتوں پر یقین تھا۔ سنسکرت، عربی، فارسی وغیرہ تمام قدیم زبانوں میں بولنے والے جانور، اڑنے والی قالین، جن بھوت وغیرہ صرف خوف و وحشت نہیں بلکہ تفریح طبع اور دلچسپی کا سامان بن کر سامنے آتے ہیں۔ پنچ تنتر، انوار سہیلی، سعدی اور جامی کی مختصر حکایتیں وغیرہ مافوق الفطری عناصر سے بھری ہیں۔ طلسم ہوشربا کی کامیابی کا راز بھی اس میں موجود مافوق الفطری کردار و عناصر میں ہی مضمر ہے۔ یہ کئی

اقسام کے ہیں جن میں سحر وساحری اور ساحر کے کردار خاص ہیں لیکن ان ساحروں کی حرکات سے جو واقعات آگے بڑھتے ہیں ان سے جو مافوق الفطری عناصر سامنے آتے ہیں وہ بھی مختلف قسم کے ہیں۔ ایسے کردار جو انسانی ہیں اور ایسے کردار جو نیم انسانی ہیں اس کے علاوہ چرند و پرند اور غیر جاندار چیزیں شامل ہیں۔

ساحراور سحر طرازیاں

سحر ان داستانوں کا سب سے نمایاں وصف ہے جو کہ نام سے ہی ظاہر ہے طلسم ہوشربا کی ریاست کا دارومدار ہی سحر ہے اور طلسم شکنی کے بغیر طلسم ہوشربا کو فتح نہیں کیا جا سکتا اور نہ شہزادہ بدیع الزماں کو آزاد کرایا جا سکتا ہے۔ اس ریاست کو چلانے کے لئے طلسم ہوشربا کا بادشاہ افراسیاب ہے اور اس کی بیگم ملکہ حیرت جادو ہے جو باغ سیب میں رہتے ہیں جہاں دشمنان افراسیاب کی پہنچ نہیں ہے۔ افراسیاب کے مطیع ساحران کئی طلسمی ریاستوں کے مالک ہیں یہ سبھی ساحر غیر معمولی مافوق الفطری طاقتوں کے حامل ہیں ان ساحروں کے سحر غضب ناک ہیں۔ چنانچہ لشکر حمزہ ان کا سامنا نہیں کر سکتا لیکن فتح تو حمزہ کی ہوتی ہے اور اسد غازی کے ہاتھوں طلسم شکنی ہوتی ہے۔ چنانچہ داستان نویس اس کا راستہ یہ نکالتا ہے کہ طلسم کے کئی ساحر مطیع لشکر اسلام ہو جاتے ہیں۔ سحر کا مقابلہ سحر سے ہوتا ہے۔ جن پری یت دیو اور دیوزاد خوفناک ساحران سب کی بالآخر شکست ہوتی ہے۔

نیم انسانی کردار

ساحروں کے علاوہ کچھ نیم انسانی کردار جو ساحروں کے سحر کے تراشیدہ ہوتے ہیں ان کا بھی قصّہ میں اہم کردار ہے۔ بیر، پتلیاں اور پرندے طلسمی ریاست کے پیغامات بادشاہ تک پہنچاتے ہیں۔ کسی بھی ساحر کے مارے جانے پر بیر شور مچا کر اس ساحر کی موت کی خبر شہ طلسم تک پہنچاتے ہیں۔ اس کے علاوہ سحر کے بنے ہوئے چرند و پرند اور دوسرے جانور بھی طلسم ہوشربا میں نظر آتے ہیں۔ یہ دراصل ساحر ہوتے ہیں جو کسی طلسمی ریاست کے نگراں کے طور پر یا خبر رساں کے طور پر اپنا حلیہ بذریعہ سحر تبدیل کرتے ہیں اور طلسم کی سرحدوں کی خبر رکھتے ہیں۔

طلسمی ریاستوں میں تمام اجناس بھی طلسمی خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں۔ کوئی ساحر مارا گیا تو اس کی طلسمی ریاست بھی اس کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے پتلیاں شور مچاتی ہیں کشتن مرا ساحر (ساحر کا نام) اور اس کے ساتھ میں ندیاں، پہاڑ، جھرنے، محل، باغات جو اس طلسمی ریاست میں طلسم سے بنے ہوتے ہیں ان کا بھی خاتمہ ہوتا ہے اور ساحر کو مارنے والا عیار لشکر حمزہ کا ساحر اپنے کو بیابان میں پاتا ہے اور فلاح کے لئے غائب ہو جاتا ہے۔

طلسم میں بات کرنے والے جانور بھی ہیں جو آپس میں انسانوں کی طرح بات کرتے ہیں اور طلسم کے رازوں کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں۔ کبھی کبھی ان جانوروں کے ذریعہ اسد وغیرہ کو خطرات کا علم بھی ہو جاتا ہے۔

مافوق الفطری عادات کے حامل انسانی کردار

طلسم ہوشربا میں مافوق الفطری عادات کے حامل انسانی کردار بھی ہیں یوں تو ساحر بھی انسان ہیں لیکن انہیں مافوق الفطری نقطۂ نظر سے ہی تراشا گیا ہے۔ انسانی کرداروں میں کنبہ حمزہ کے سارے کردار کم وبیش غیر فطری عادات وخصائل کے مالک ہیں کئی کے پاس لوح طلسمی ہے بہادری میں اتنے بڑھ کر ہیں کہ ساحروں سے بھی جنگ کر لیتے ہیں خصوصاً امیر حمزہ اول تا آخر اپنے مقصد سے نہیں ہٹتے ان کے پاس نقش سلیمانی اور اسم اعظم ہے جو خدائی تحفہ جات ہیں اور اس کی مدد سے وہ ساحروں کی ہرگز ند سے بچ جاتے ہیں۔ کوئی بھی ساحر جب انہیں زیر کر پاتا ہے تو سب سے پہلے حمزہ کی زبان میں سوزن دے کر اسم حمزہ کو سحر سے شیشے میں بند کر دیتا ہے پھر کوئی عیار آتا ہے شیشہ توڑتا ہے اور اسم اعظم انہیں یاد آجاتا ہے پھر وہ ساحر کا خاتمہ کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کے پاس نقش سلیمانی ہے جسے وہ شیشے کی طرح دکھا کر ہمیشہ رفع سحر کرتے ہیں اسی لئے لقا ان سے بے پناہ ڈرتا ہے اور بھاگ کر ساحروں کی ریاست میں پناہ لیتا ہے۔ کوہ عقیق کے مالک خداوند لقا جس کی افراسیاب پرستش کرتا ہے وہ بھی غیر فطری سا کردار ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا ہے لیکن اتنا ڈرپوک ہے کہ ذرا سا خطرہ محسوس ہونے پر جگہ سے بھاگ کر کسی ساحر کی سرحد میں پناہ لیتا ہے۔ اسی طرح نبیرۂ حمزہ کے سبھی بہادروں کے پاس لوح طلسمی ہے جسے وہ دھوکے سے ساحر کے جسم میں لگاتے ہیں اور اسی وقت ساحر کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔

بانہائے عیاری

طلسم ہوشربا میں موجود عیار بھی ہیں تو عام انسان لیکن ان سے جو حرکتیں سرزد ہوتی ہیں اور جس طرح کی عیاری کر کے وہ زبردست ساحروں یہاں تک کہ حجرہ ہفت بلا کی بلاؤں کو بھی مار لیتے ہیں وہ قطعی طور پر مافوق الفطری عادات ہیں روغن عیاری سے اس طرح شکل بدلنا کہ ہوبہو کسی کے جیسے بن جائیں ناقابل یقین امر ہے نیز جو عیار اس کے ساتھ داخل طلسم ہوتے ہیں ان کے پاس پیغمبران کے دئے ہوئے کچھ تحفہ جات ہیں جن سے وہ اپنی حفاظت اور دشمنوں کا خاتمہ کرتے ہیں خصوصاً عمرو عیار کو مزار آدم علیہ السلام پر خواب میں کچھ تحفے ملے تھے جن کی خاصیت انبیا علیہم السلام نے نیند کی حالت میں انہیں بتائی تھی جن کی مدد سے وہ عیاری کرتے ہیں ان میں سب سے زبردست ان کی زنبیل ہے جس میں سات ملک آباد ہیں انہیں دشمن یا دوست جسے بھی چھپانا یا قید کرنا ہوتا ہے اسی زنبیل میں ڈال دیتے ہیں۔ دوست ان ملکوں میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں اور دشمن مزدوری کرتے ہیں۔ اسی میں یہ بانہائے عیاری رکھتے ہیں اور وقت آنے پر نکالتے ہیں اور ہر ضرورت کی چیز اس میں موجود ہے۔ ساحروں کے مارے جانے پر ان کے مال واسباب لوٹ کر اسی میں ڈالتے ہیں۔ یہ زنبیل بہت چھوٹی ہے اور ہر وقت ان کے کندھے پر رہتی ہے۔ عمرو عیار کا دوسرا ہتھیار جال الیاسی ہے جسے وہ سامان لوٹنے کے لئے استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس کی یہ خاصیت ہے

کہ چاہے جتنے وزن کی چیز ہو ہلکی معلوم ہوتی ہے اس لئے انہیں سامان لوٹنے میں آسانی ہوتی ہے۔کبھی کبھی فوج مخالف کے ساحر کی گرفتاری کے لئے بھی اپنے اس آلہ کا استعمال کرتے ہیں۔عمرو کے پاس ان تحفہ جات پیغمبران میں ایک گلیم ہے جسے اوڑھ کر وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں جب بھی کوئی ساحر مارا جاتا ہے اور انہیں گرفتاری کا خوف ہوتا ہے تو جلدی سے زنبیل سے نکال کر گلیم اوڑھ لیتے ہیں۔انبیا علیہم السلام نے اس گلیم کی مدد سے کسی کو قتل کرنے یا نقصان پہنچانے سے منع کیا ہے اس لئے صرف اپنی حفاظت کے لیے اور لوگوں سے چھپنے کے لیے ہی عمرو گلیم کا استعمال کرتے ہیں۔عمرو کا سب سے خطرناک ہتھیار منڈھی ہے جب عمرو کہیں پھنس جاتے ہیں تو منڈھی کھڑی کر کے اس میں بیٹھ جاتے ہیں اس میں جو ساحر آئے گا وہ الٹا لٹک جائے گا اپنا سحر بھول جائے گا لیکن اس میں بھی وہ کسی کو قتل نہیں کر سکتے چنانچہ جو بھی ساحر منڈھی میں آ کے لٹک جاتا ہے اسے وہ کوڑے لگا کر مطیع اسلام کرتے ہیں اگر کوئی دھوکہ کرتا ہے تو اسے بھی لٹکا دیتے ہیں۔ساحرۂ زبردست ملکہ بہار جادو کو انہوں نے اسی منڈھی میں مطیع اسلام کیا اس منڈھی پر کسی طرح کے سحر کا اثر نہیں ہوتا۔اس کے علاوہ عمرو کے پاس دیو جامہ ہے جو رنگ بدلتا رہتا ہے اسے پہن کر وہ ساحروں کو ڈراتے ہیں۔عمرو کے تحفہ جات میں ایک نے ہے اور نظر کردۂ پیغمبران کے باعث آواز بھی بہت دلکش ہے تو جب وہ نے بجاتے اور گاتے ہیں تو لوگ بے خود ہو جاتے ہیں چرند و پرند بھی مبہوت ہو جاتے ہیں۔ایسے میں کسی بھی جشن میں موقع پا کر وہ شراب میں داروئے بیہوشی ملا کر عیاری کرتے ہیں اور ساحروں کا خاتمہ کرتے ہیں۔ روغن عیاری، داروئے بیہوشی اور بیضۂ بیہوشی تو ہر عیار کے پاس ہے۔وہ اپنا حلیہ بدل کر کسی ساحر کی شکل بنا کر لشکر افراسیاب میں عیاری کرتے ہیں۔عمرو کے ساتھ جو چار عیار مہتر قراں، برق فرنگی، ضرغام شیر دل اور جانسوز داخل طلسم ہوئے ان میں مہتر قراں کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیا ایک بغدہ ہے جس سے ایک ہی وار سے دشمن کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ برق فرنگی کے پاس سارے جانوروں کی کھال ہے جس سے وہ عیاری کرتا ہے اس طرح عیار ہیں تو انسان لیکن کیونکہ نظر کردۂ پیغمبران اور سر برندۂ ساحران ہیں تو ان سے جو حرکات وسکنات سرزد ہوتی ہیں وہ مافوق الفطری ہیں۔

غیر مرئی اجناس مثلاً باغ، پہاڑ، ندیاں وغیرہ

طلسم ہوشربا میں جتنی بھی ریاستیں ہیں سب طلسمی ہیں اس لئے یہاں کے جنگل، پہاڑ، جھرنے سب طلسم کے بنے ہوئے ہیں اس کے علاوہ جنگ کے بیچ آگ کا دریا آ جانا، خوفناک تیز آندھیوں کا آنا وغیرہ سے بھی یہ قصے آگے بڑھتے ہیں لیکن چونکہ یہ سب سحر کے ہوتے ہیں تو ساحر کے مارے جاتے ہی سب کچھ ختم ہو جاتا ہے اور لشکر حمزہ اپنے آپ کو لق ودق ویرانے میں پاتا ہے۔اس کے علاوہ خوبصورت باغات، چاندی کے جنگل، سونے کے پہاڑ وغیرہ طلسم کا حسن بنانے کے لیے ہیں طلسم ٹوٹتے ہی سب غائب ہو جاتے ہیں۔

حجرۂ ہفت بلا

یہ جتنے بھی مافوق الفطری عناصر ہیں اس میں یہ بلائیں سب سے خطرناک ہیں۔ یہ ہیں تو ساحر لیکن طلسم ظلمات میں رہتی ہیں اور بوقت طلسم کشائی باہر آتی ہیں کیونکہ ان کو قتل کیے بغیر طلسم فتح نہیں ہوسکتا۔ ان میں پہلی بلا مشعل جادو، دوسری بلا ملکہ تاریک شکل کش، تیسری بلا اختقاق جادو، چوتھی بلا شہنا نواز جادو، پانچویں بلا ملک اخضر گوہر پوش، چھٹی بلا مبہوت فیلزور، ساتویں بلا ہفت سر جادو ہے۔ ساتویں بلا کے خاتمہ کے ساتھ طلسم ہوشربا کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ افراسیاب مارا جاتا ہے اور کوکب روشن‌ضمیر برہمن روئین تن اور نور افشاں سخت ریاضت سے اپنے لشکر کے مرے ہوئے لوگوں ملکہ مہرخ سحر چشم، ملکہ مجلس جادو، سرخمو کاکل کشا وغیرہ کو دوبارہ زندہ کرتے ہیں۔

دیگر عناصر

طلسم ہوشربا میں تقریباً تمام عناصر میں مافوق الفطری ہیں لیکن اس میں کچھ میں خصوصی کشش اور دلچسپی کے عناصر ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اس کے علاوہ کچھ اور چیزیں مثلاً کتاب سامری، پنجۂ سحر، نقارۂ سحر اور خاک جمشیدی وہ عناصر ہیں جن کا ذکر طلسم ہوشربا میں اول تا آخر موجود ہے۔ کتاب سامری وہ کتاب ہے جس میں حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں خدائی کا دعویٰ کرنے والے خداوند سامری نے طلسم کا مستقبل لکھ دیا ہے چنانچہ افراسیاب اور دوسرے ساحران طاقتور اس سے مستقبل کا حال معلوم کرتے ہیں۔ خداوند جمشید کی لکھی ہوئی کتاب جمشیدی میں طلسم کا خاتمہ لکھا ہے۔ اس کو عیار چالاکی سے حاصل کر کے اس سے ساحروں کو مارنے کے طریقے پتا کرتے ہیں۔ طلسم کب ختم ہوگا اور اسد طلسم شکنی کریں گے یہ بھی اس کتاب میں تحریر ہے۔ چنانچہ ان دونوں کتابوں کو طلسم ہوشربا میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ سحر سے بنے ہوئے پنجۂ سحر ہوتے ہیں جنہیں دونوں طرف کے ساحر استعمال کرتے ہیں اپنے لشکر کے ساحروں کو حفاظت سے نرغۂ دشمن سے نکالنے کے لیے بھی اور جنگ کے دوران دشمنوں کو اٹھانے کے لیے بھی پنجۂ سحر بھیجے جاتے ہیں جو اپنی گرفت میں مطلوبہ شخص کو پکڑ کر قید کرتے ہیں یا حفاظت سے اپنے خیمہ میں پہونچاتے ہیں۔ افراسیاب پنجۂ سحر کا استعمال ساحروں کو اپنے دربار میں طلب کرنے کے لیے بھی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کوہ سلیماں پر ایک نقارہ ہے جس کی آواز بہت دور تک جاتی ہے۔ لقایا سلیمان عنبرین موی کو ہی کو جب افراسیاب تک کوئی پیغام دینا ہوتا ہے تو وہ کوہ سلیماں پر نامہ لکھ کر نقارہ بجا دیتے ہیں پنجۂ سحر آتا ہے اور نامہ لے جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جس طرح حمزہ کے پاس اسم اعظم اور نقش سلیمانی ہے اسی طرح ساحروں کے پاس بھی کچھ ساحرانہ طاقتوں سے پر اشیاء ہے جن میں سب سے اہم خاک جمشیدی ہے جو خداوند جمشید کا دیا ہوا عطیہ ہے، سبھی ساحروں کے پاس ہوتی ہے۔ جب بھی ساحر لشکر اسلام سے شکست کا سامنا کرتے ہیں اور ان کا کائی طاقتور ساحر مارا جاتا ہے تو وہ خاک جمشیدی اڑا دیتے ہیں اس سے تاریکی ہوتی ہے تیز ہوا چلتی ہے کسی کو کچھ نہیں دکھتا اور ایسے میں ساحران چھپ کر

غائب ہو جاتے ہیں۔

اس طرح طلسم ہوشربا کی مقبولیت کا راز اس کے مافوق الفطری عناصر کی دلکش تشکیل میں پنہاں ہے۔

باب چہارم۔ طلسم ہوشربا کے طلسمی اور غیر طلسم کرداروں کا تجزیہ

داستانوں میں کرداروں کی تخلیق اوران کی پیش کش کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔اس باب میں طلسم ہوشربا کے کرداروں کومختلف خانوں میں تقسیم کرکےان کی خصوصیات کومتن کےحوالے سے واضح کیا گیا ہے۔طلسم ہوشربا میں کئی طرح کے کردار ہیں پہلے امیر حمزہ اوران کے اہل کنبہ جن کے باعث اس طلسمی داستان کی شروعات ہوئی پھرعیاران لشکراسلام اور ملک باختر کا مالک لقا شاہ باختری،اس کےعلاوہ ساحران بھی دوحصہ میں منقسم ہیں وہ ساحر جومطیع اسلام ہوئے اور وہ ساحر جوافراسیاب کے مطیع رہے افراسیاب اور حیرت مالکان طلسم ہوشربا اورعیار بچیاں۔ان کرداروں میں یکسانیت ہےلیکن اس کے باوجودان میں ایک خاص بات ہے جوان کےعکس ذہن پرمرتب کردیتی ہے۔تعداد میں ہزاروں ہونے کے باجودان کے نام منتخب کرتے وقت ایسا حسن سلیقہ ہے کہ ہرایک ساحراورساحرہ کے نام سے اس کی ساحرانہ لیاقت کی عکاسی ہوتی ہے۔

امیر حمزہ اوران کا خاندان

لشکرحمزہ میں سب سے اہم کردارامیرحمزہ کا ہےجن کی زندگی کا مقصد سرزمین خداداد سے کفرکا خاتمہ ہےان کی جنگ لقا شاہ باختری سےجس کی مدد کے لیے زبردست ساحران ہیں جواس کی پرستش کرتے ہیں کیونکہ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔لیکن حمزہ اسلام کے ماننے والے ہیں اس لیے وہ سحرنہیں کرتے پھرانہیں ساحروں پر قابو کیونکر ہوگا چنانچہ اس مسلۂ کوحل کرنے کے لیے داستان نویس انہیں اسم اعظم اورنقش سلیمانی کا مالک بنادیتے ہیں جس سے انہیں بڑے سے بڑے ساحر پر فتح حاصل ہوتی ہے اسم اعظم کے ورد سے ردسحر ہوتا ہےاورنقش سلیمانی دکھانے سے ساحراپنا سحر بھول جاتا ہےاورحمزہ پرسحر کا اثرنہیں ہوتالیکن داستان گوکو دلچسپی اور تجسس پیدا کرنا ہے۔کوئی بھی طاقتور ساحرحمزہ کی زبان میں سوزن دےکراسم اعظم بند کردیتا ہےاوراسے شیشے میں رکھ کراسے سحر سے محفوظ کردیتا ہے تاکہ عیاران اسلام کی وہاں تک رسائی نہ ہولیکن عیارا تنے تیز ہیں کہ ساحروں کو پتانہیں چلتا یہ محافظ ساحرکوعیاری سے مارتے ہیں ساحر کے مرتے ہی اس کا سحرختم ہوتا ہےعیار شیشہ توڑتے ہیں اورامیر حمزہ کواسم اعظم یادآجاتا ہے۔اس طرح کے ہوبہو قصے داستان امیرحمزہ کی تمام جلدوں میں موجود ہیں جن میں یکسانیت کے باوجودداستان گواپنے قلم سے نئی رنگ آمیزی کرتا ہے ہر بارالگ طرح کا سحر ہوتا ہےالگ طرح کی عیاری ہوتی ہےاورقصہ مسلسل آگے بڑھتا رہتا ہے کیونکہ سامعین کوابھی آگے کیا ہواسننا ہے چنانچہ ہر بارساحرتو مرتا ہےحمزہ بچ جاتے ہیں ان کےعیار بچ جاتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ انہیں حیات ابدی ملی ہےلیکن بعد کے دفاتر میں حمزہ مرتے ہیں تو حمزہ ثانی پیدا ہوتے ہیں عمرومرے

تو عمرو ثانی کہیں کہیں ثالث تک نوبت آئی لیکن طلسم ہوشربا میں اول تا آخر حمزہ کا کردار زندہ رہا کبھی کبھی لگا کہ اب نہیں بچیں گے لیکن عیاروں نے آ کر بچالیا۔حمزہ کے اسم اعظم سے خطرناک ساحر بھی ڈرتے ہیں۔

''اے مسلمانون آج میں حمزہ کا اسم اعظم بند کر کے تم سب کو قتل کرون گا ورنہ آ کر خداوند کو سجدہ کرو سرکشی سے باز آؤ غازیون نے اس تقریر کے جواب میں لعن طعن لقا پر کی لیکن امیر اپنے بیٹون اور سردارون کے قید ہو جانے سے رنجیدہ و دل کبیدہ پھرے۔''

حمزہ کے خاندان میں ان کا بیٹا بدیع الزماں بھی خاصی اہمیت کا حامل ہے اگر چہ وہ ایک باعمل کردار نہیں ہے اس میں جمود ہے کہانی کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے جب وہ شکار کھیلتے ہوئے سرحد طلسم ہوشربا میں داخل ہوتا لیکن وہ زیادہ تر قید رہتا ہے اور طلسم کشائی کے وقت ایک بار سب واپس ملتے ہیں۔اسی کردار سے طلسم میں حسن وعشق اور انداز بیان کے سحر کا آغاز ہوتا ہے۔یہ ملکہ تصویر جادو پر عاشق ہوتے ہیں وہ بھی مائل بہ کرم ہوتی ہے اور اس طرح حسن وعشق طاقت اور عیاروں کی عیاری سے ساحروں کی ایک فوج مطیع اسلام ہوتی ہے۔

خاندان حمزہ کے سب سے اہم کردار اسد غازی ہیں جو طلسم کشا ہیں اور حمزہ کے کہنے پر اپنے ماموں بدیع الزماں کی تلاش کے لیے داخل طلسم ہوتے ہیں۔داستان گو کو قصہ آگے بڑھانا ہے اس میں یہ کردار معاون ہوتا ہے، نبیرۂ حمزہ میں سب سے بہادر ہیں۔زائچہ شناس زمرچہر کے بیٹے زائچے سے دیکھ کر یہ بتاتے ہیں کہ اسد کے ہاتھوں طلسم کشائی لکھی ہے اور کفر کا خاتمہ ہونا ہے چنانچہ وہ انہیں بدیع الزماں کو چھڑانے کے لیے پانچ عیاروں کے ساتھ داخل طلسم ہوتے ہیں اور قید ہوتے ہیں۔عمرو عیار کیونکہ حمزہ کے ہم سن ہیں تو یہ انہیں دادا جان کہتے ہیں بار بار مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں اور عمرو عیار انہیں عیاری کر کے چھڑا لیتے ہیں انہیں بھی ملکہ مہ جبین سے عشق ہوتا ہے اور یہ مہ جبین کے سحر کی مدد سے قید سے بھاگ جاتے ہیں۔صندل جادو کی موت کی خبر سن کر افراسیاب ان کی اور مہ جبین کی گرفتاری کے لیے مہ جبین کی نانی کو خط لکھتی ہے لیکن وہ کتاب جمشیدی میں طلسم کشا اسد غازی کا ذکر پڑھ کر اور طلسم ہوشربا کا خاتمہ جان ان کی شریک ہوتی ہے۔اس طرح اسد غازی کے باعث ملکہ مہرخ سحر چشم کی سپہ سالاری میں افراسیاب سے جنگ کرنے کے لیے ایک فوج تیار ہوتی ہے اور جلد ہفتم میں اسد کے ہاتھوں طلسم کشائی ہوتی ہے۔

جیسا کہ ابتداً مذکور ہے یہ جنگ طلسم کے باہر تو حمزہ لڑ رہے ہیں لیکن طلسم کے اندر یہ جنگ افراسیاب کے ساحروں اور مہرخ کے ساحروں کے درمیان ہے کیونکہ یہ عام انسان کے بس کی بات نہیں اس لیے نبیرۂ حمزہ کے کرداروں کا ذکر بس ان کی برتری بیان کرنے کے لیے ہے۔ایرج نامہ کے زبردست کردار ایرج بھی بس ملکہ براں کو اسیر عشق کرتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر حجرۂ ہفت بلا تک پہونچنا مشکل تھا۔باقی نورالدہر، قاسم، تورج وغیرہ کا ذکر بھی ضمناً بس برتری کے اظہار کے لیے ہے۔

خاندان حمزہ میں نسوانی کرداروں کا فقدان

لشکر اسلام میں نسوانی کرداروں کا فقدان ہے شاید اس میں تہذیب اسلامی مانع تھی کیونکہ مسلمان خاتون کے کردار میں داستان گو حسن و عشق کی رنگ آمیزی اور جنس کی لذت پرستی کی تصاویر دکھا کر سامعین کو مبہوت نہیں کر سکتا تھا۔اس لیے صرف ایک کردار ہے جو پاکدامنی اور عزت کا مرقع ہے وہ ہیں گردیہ بانو امیر حمزہ کی بیوی اور بدیع الزماں کی ماں جن کی اندھی محبت سے بدیع الزماں کو شکار کی اجازت ملی اور طلسمی مہم کا آغاز ہوا باقی جو بھی شریک لشکر اسلام ہیں وہ ساحرنیاں ہیں جن کے لیے داستان گو مطیع اسلام کی ترکیب استعمال کرتا ہے مسلمہ کی نہیں کیونکہ اگر وہ مسلمان ہوگئیں تو سحر ان پر حرام ہو جائے گا اور سحر کے بغیر افراسیاب کو ہرانا ممکن نہیں چنانچہ اسلامی عادات واطوار کی مالک صرف گردیہ بانو ہی ہیں جو ہر ماں کی طرح اپنے بچے سے اندھی محبت کرتی ہیں اگرچہ یہ محبت اس کے حق میں چنداں سودمند ثابت نہیں ہوتی۔

عیاران لشکر اسلام

طلسم ہوشربا میں جو کردار اسلامی لشکر میں سب سے بااثر ہے وہ ہے عیاران لشکر اسلام کا کردار۔یہ ایک لاکھ چوراسی ہزار ہیں ان میں بھی عمرو عیار کے کردار کے پیکر تراشنے میں داستان گو نے سب سے زیادہ محنت کی ہے۔چھوٹا قد ہے، زیرہ جیسی آنکھیں ہیں، پھرتیلے ہیں، بہت اچھا گاتے ہیں، تحفہ جات پیغمبران کے مالک ہیں اور ہر جگہ اتنی چالاکی سے عیاری کرتے ہیں کہ بڑے سے بڑا ساحر بھی دھوکہ کھا جاتا ہے۔روغن عیاری کی مدد سے کبھی گنوار بنتے ہیں، کبھی ساحر بنتے ہیں، کبھی خادم بنتے ہیں، کبھی رقاصہ بنتے ہیں اور بڑے سے بڑے ساحر کو مار ڈالتے ہیں، کبھی گرفتار ہوتے ہیں تو دوسرے ساحر انہیں چھڑا لیتے ہیں۔ان کے قتل کے لیے میلہ لگا اور وہ چالاکی سے قید سے چھوٹ کر بے فکری سے میلے کی سیر کرتے ،مصیبت سے ذرا بھی نہیں گھبراتے ،غضب کے لالچی ہیں، کسی ساحر کو مارنے پر بیروں کے ہزار غل کے باوجود انہیں پکڑے جانے کا خوف نہیں بلکہ مال لوٹنے سے دلچسپی ہے جس کے لیے جال الیاسی کا استعمال کرتے ہیں۔ساحر کے آنے پر گلیم اوڑھ کر غائب ہو جاتے ہیں یا منڈھی لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔سب سے خطرناک تو ان کی زنبیل ہے جس میں سات ملک آباد ہیں کتنا بھی سامان اس میں بھر لیں ان کی ہوس ختم نہیں ہوتی چونکہ بہت اچھا گاتے ہیں اور ان کے پاس نے بھی ہے تو رقاصہ کا بھیس بدل کر بڑی آسانی سے شراب میں داروئے بیہوشی ملا کر ساحروں کو قتل کر کے ان کے مال واسباب لوٹتے ہیں۔عمرو کی شخصیت کا تعارف ذیل میں ہے۔

> ''امیر نے عمرو کو بلایا اور بہت کچھ زرو جواہر دیکر واسطے خبر گیری شاہزادۂ نامور کے مامور کیا عمرو نے بانہاے عیاری سے اپنے جسم کو آراستہ کیا زنبیل اور جال الیاسی اور گلیم عیاری اور کمند آصفی اور دیو جامہ اور قنطوری پیتا دے منڈہی دانیالی وغیرہ کو سنبھالا اور سب تحفہ اور تبرک جو کوہ سراندیپ پر تھے ساتھ لیے راوی کہتا ہے کہ جب لشکر امیر حمزہ ہندوستان کو تسخیر کرنے آیا تھا اُسی زمانے مین

عمرو نے مزار انبیا علیہم السلام کی زیارت کی اور وہاں عمرو کو ایک غنودگی آئی عالم خواب مین جمال با کمال چند انبیا کا دیکھا اور عمرو سے اُنھون نے فرمایا کہ ہمارے مزار کے روضہ مین زنبیل وغیرہ اشیائے عیاری رکھے ہین اُنھین کے لیے زنبیل ایک کیسہ ہے کہ علاوہ اس دُنیا کے ایک عالم اُسمین بھی آباد ہے جب تم چاہو گے اُسمین سے ہر چیز مانگو گے نکلے گی اور جو چاہو گے وہ اُسمین رکھلو گے گلیم عیاری ایسی ہے کہ جب تم اُسے اوڑھ لو گے تم سب کو دیکھو گے اور تمھین کوئی نہ دیکھیگا اور جال الیاسی یہ صفت رکھتا ہے کہ اگر کرورون من کے وزن کی چیز ہو مگر جب تم جال پھینکو گے وہ سوا سیر کی ہو کر اُسمین آجائیگی اور جہان کہین منڈھی کھڑی کرو گے اور اُسکے نیچے بیٹھو گے کوئی گرفتار نہ کرسکیگا جو اُس کے اندر آئیگا اُلٹا ہو کر لٹک جائیگا اور کمند آصفی کو پھینک کر جتنا کہو گے گھٹ جائیگی اور بڑھنے کو کہو گے بڑھ جائیگی اور کسی چیز سے وہ نہ کٹے گی نہ ٹوٹے گی اور دیو جامہ جب پہنو گے سات رنگ بدلے گا کبھی سبز ہو جائیگا اور کبھی سُرخ کبھی زرد وغیرہ اس طرح سے جتنی چیزین ہین سب کرامت رکھتی ہین۔''

دوسرے اہم عیاروں میں مہتر قراں ہے جس کے پاس حضرت موسیٰؑ کا دیا ہوا بغدہ ہے جس کے ایک ہی وار سے ساحر کا خاتمہ کرتا ہے وہ عموماً بھیس بدل کر ایک ہی عیاری کرتا ہے کہ دیکھو تمہارے پیچھے کون کھڑا ہے ساحر اس کے بہکاوے میں آ کر پیچھے مڑتا ہے اور بغدے کے ایک ہی وار سے ہلاک ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ برق فرنگی ہے جس کے پاس جانوروں کی کھال ہے جس سے وہ ساحروں کو ڈراتا ہے اور عمرو عیار کی نگرانی میں سائے کی طرح بھیس بدل کر رہتا ہے کیونکہ عمرو کو اپنی عیاری میں کسی کا ساتھ پسند نہیں کیونکہ وہ خود ہی بانہائے عیاری سے مزین ہیں لیکن جب بھی عمرو عیار مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں قراں یا برق میں سے کوئی انہیں بچا لیتا ہے ضرغام شیر دل اور جانسوز بھی جو عمرو کے ساتھ داخل طلسم ہوئے تھے اور طلسم میں شکل بدل کر گھومتے رہتے ہیں اور مہرخ کو آنے والے خطرات کی اطلاع دیتے ہیں ان کے علاوہ لشکر حمزہ سے بھی عیاران طلسم میں آتے جاتے رہتے ہیں اور کچھ لشکر لقا میں عیاریاں کرتے ہیں ان میں چالاک بن عمرو ہمک عیار، ابوالفتح عیار، سرہنگ عیار وغیرہ ہیں۔ غور طلب ہے داستان گو ایک لاکھ چوراسی ہزار عیاروں کا ذکر کرتا ہے لیکن چند عیار ہی کی عیاریوں کے نمونے سامنے آتے ہیں جن کے سردار عمرو عیار ہیں۔ عمرو عیار کا کردار صرف لشکر حمزہ میں ہی اہمیت کا حامل نہیں بلکہ پوری داستان طلسم ہوشربا میں جو زندہ جاوید کردار ہے وہ عمرو عیار کا ہے جس کی زنبیل محاورہ بن گئی۔

شریک اسلام ساحر اور ساحرنیاں

عیاروں کے بعد طلسم ہوشربا میں جو کردار داستان گو نے خصوصی توجہ سے تراشے ہیں وہ ان ساحر اور ساحرنیوں کے ہیں جو شریک لشکر اسلام ہوئے ان میں کچھ کو تو عیار اپنی عیاری سے گرفتار کر کے مطیع کرتے ہیں کچھ ساحرنیاں داخل سرحد طلسم ہوشربا ہوئے شہزادوں کے عشق میں گرفتار ہوتی ہیں اور جو طاقتور ساحر ہیں وہ اسد غازی کی

طلسم کشائی کے بارے میں کتاب سامری اور اوراق جمشیدی سے پتا پا کر خود مطیع اسلام ہو جاتے ہیں ورنہ اکیلے اسد اور عیاروں کے ذریعہ طلسم فتح ہونا ناممکن تھا۔

ملکہ تصویر جادو اور ملکہ مہ جبین اس لحاظ سے اہم ہیں کہ سب سے پہلے یہی دونوں مطیع لشکر اسلام ہوئیں چونکہ انہوں نے بدیع الزماں اور اسد غازی سے عشق کیا چنانچہ افراسیاب سے دشمنی مول لی لیکن جو سب سے اہم ساحرہ ہے وہ ملکہ مہرخ سحر چشم ہے جو کہ ملکہ مہ جبین کی نانی ہیں اور زبردست ساحرہ ہے اسے طاقت سے زیر کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے افراسیاب نے اس کے لڑکے کو قید کیا۔ اس کے علاوہ وہ کتاب جمشیدی سے پتا کر لیتی ہے کہ اسد طلسم کشا ہیں اور طلسم ہوشربا اب خاتمہ پر ہے چنانچہ ملکہ مہرخ سحر چشم کی سپہ سالاری میں ایک فوج ساحران افراسیاب سے جنگ کرنے کے لیے برسرپیکار ہوتی ہے اور مہرخ کے ساتھ بہت سارے ساحران زبردست مطیع لشکر اسلام ہوتے ہیں اس طرح افراسیاب سے باقاعدہ جنگ کی شروعات ہوتی ہے۔ مہرخ کے بعد جو زبردست ساحرہ مطیع اسلام ہوئی وہ ملکہ بہار جادو ہے جو ملکہ حیرت جادو کی بہن اور افراسیاب کی منظور نظر ہے۔ جیسا کہ ابتدأ مذکور ہے ان تمام ساحروں و ساحرنیوں کے سحر ان کے نام میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ بہار کا جادو یہ ہے کہ وہ دشمن مخالف پر گلدستہ مارتی ہے اسکے پھول کی پتیاں جس پر بھی گرتی ہیں وہ بہار کے عشق کا گرفتار ہو کر عاشقانہ شعر پڑھتا ہے اور بہار کے حکم پر خود کو اپنے ہی خنجر سے ہلاک کرتا ہے۔ جب یہ افراسیاب کی جانب سے جنگ کے لیے آتی ہے تو لشکر مہرخ میں خوف کی لہر دوڑ جاتی ہے لاتعداد لشکری مارے جاتے ہیں۔ بعد میں عمرو منڈھی لگا کر عیاری کرتے ہیں اور بار۔ بار منڈھی میں الٹی لٹک کر کوڑے کھانے کے بعد بہار یہ سوچ کر مطیع اسلام ہو جاتی ہے کہ جب بغیر سحر کے اتنی طاقت ہے تو یہ لوگ ضرور سچے ہی ہونگے۔ اسی طرح سرخمو کاکل کشا، مخمور سرخ چشم، خمار جادو وغیرہ بھی زبردست ساحرہ ہیں اور اسلام کی سچائی جان کر شریک لشکر اسلام ہوگئیں نیز ان کرداروں میں ایک بات اور ہے یہ تمام کردار ساحران زبردست ہیں لیکن شاہ طلسم ہوشربا افراسیاب سے خوش نہیں رہتے چنانچہ ذرا سی کوشش سے مطیع اسلام ہو جاتے ہیں۔

طلسم ہوشربا سے ملا ہوا طلسم نور افشاں ہے جہاں کا بادشاہ نور افشاں نے کوکب روشن ضمیر کو بنایا ہے۔ یہ بھی افراسیاب کا ساتھی ہے افراسیاب اس سے دبتا ہے کیونکہ یہاں طلسم ظلمات میں حجر ہفت بلا کی بلائیں مکین ہیں جن کے خاتمہ سے ہی طلسم ہوشربا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کوکب روشن ضمیر کی بیٹی شہزادہ ایرج کو افراسیاب کے خلاف اپنے مسکن میں رہنے کی جگہ دیتی ہے کیونکہ وہ اس پر عاشق ہے۔ نتیجتاً افراسیاب اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور وہ مطیع اسلام ہو جاتی ہے۔ براں بھی زبردست ساحرہ ہے اور طلسم کشائی کے لیے بہت اہم کردار ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ ہفت بلاؤں تک پہنچا جا سکتا تھا۔ افراسیاب سے جب بھی اس کا سامنا ہوتا ہے افراسیاب میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ بعد میں براں کا باپ کوکب روشن ضمیر جو کہ بہت طاقتور بادشاہ ہے اور ساحران زبردست اس کے مطیع ہیں، بیٹی کی محبت

اور ضد سے مطیع اسلام ہو جاتا ہے۔ وہ روشنضمیر ہے تو اسے مستقبل کا بھی علم ہو جاتا ہے کہ اسد غازی طلسم کشائی کریں گے چنانچہ وہ طلسم کشائی میں مدد کرنے والوں میں سب سے اہم کردار ہے اس لیے داستان نویس نے اس کی بہادری اور طاقت کے زبردست پیکر تراشے ہیں۔ طلسم ہوشربا جلد ہفتم میں طلسم کشائی کے مناظر میں طلسم نور افشاں کا مالک نور افشاں اور ساتھی برہمن روئیں تن، بادشاہ کوکب روشنضمیر تینوں نے بہادری اور طاقت کے زبردست مظاہرے کئے ہیں۔

ایک اور اہم ساحرہ جو بہت جوشیلی ہے اس کا کردار بھی داستان نویس نے بہت خوبصورتی سے تراشا ہے یہ مجلس جادو ہے جو براں ی بھتیجی ہے براں اس سے بہت محبت کرتی ہے۔ یہ محض پانچ برس کی ہے مگر زبردست ساحرہ ہے گڑیوں سے کھیلتی رہتی ہے اور بات بات پر براں کی گود میں چڑھ جاتی ہے اسکے جادو سے بھی بچنا محال ہے۔

افراسیاب جادو اور حیرت جادو

افراسیاب بادشاہ طلسم ہوشربا ہے اس نے یہاں کے بادشاہ لاچین کو دھوکے سے قید کرایا اور طلسم ہوشربا کا مالک بن بیٹھا۔ افراسیاب کا کردار فردوسی کے شاہنامہ سے مستعار ہے افراسیاب جو ایران کے بادشاہ کو مار کر وہاں کا حاکم بنا تھا بے حد ظالم اور دہشت پسند تھا۔ طلسم ہوشربا کا افراسیاب بھی اسی طرح کا ظالم ہے اور بے شمار ساحرانہ طاقت کا مالک ہے لیکن بزدل ہے جبکہ آسانی سے اس کی موت نہیں ہے کیونکہ اس کے بارے میں درج ہے کہ قید ہوا تو ہی مارا جائے گا چنانچہ جب بھی ملکہ مہرخ سحر چشم کی فوج کسی زبردست ساحر کا سامنا ہوتا ہے اور اس کے اندر جنگ میں فتح کی طاقت نہیں رہتی تو یا تو ملکہ حیرت پنجۂ سحر بھیج کر اسے اٹھوا لیتی ہے یا کوئی ساحر خاک جمشیدی پھینک کر تاریکی کرتا ہے اس میں یہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور باغ سیب میں جو کہ اس نے اپنی حفاظت کے لیے بنایا ہے پناہ لیتا ہے۔ ملکہ حیرت اس کی بیوی ہے اور بے پناہ طاقتور ساحرہ ہے۔ بادشاہت افراسیاب کی ہے لیکن حکومت حیرت کی ہی ہے یہ ایک خود مختار اور صاحب اقتدار نسوانی کردار کے شکل میں ابھرتی ہے۔ زبردست ساحرہ ہونے کے باوجود عیاروں کی عیاری سے بچ نہیں پاتی۔ افراسیاب اور حیرت کو مارا نہیں جا سکتا جب بھی عمرو یا کوئی دوسرے عیار انہیں بیہوش کر کے مارنے کی کوشش کرتے ہیں زمین سے پتلیاں پیدا ہو کر منہ پر پانی کی پچکاری مار کر انہیں ہوشیار کر دیتی ہیں۔ جلد ہفتم میں جب طلسم ہوشربا کی طلسم کشائی ہوتی ہے اور حجرۂ ہفت بلا کی بلاؤں کا خاتمہ ہوتا ہے تبھی ان کا بھی خاتمہ ہوتا ہے۔ حیرت سخت پوجا اور قربانی سے اپنی طاقت مسلسل بڑھاتی رہتی ہے۔

خداوند لقا اور شیطان بختیارک

طلسم ہوشربا کی کہانی جس کردار کے باعث شروع ہوتی ہے وہ تمام داستان امیر حمزہ میں مرکزی حیثیت کا حامل ہے لیکن طلسم ہوشربا میں پس پشت پڑ جاتا ہے یہ ملک باختر کا بادشاہ لقا شاہ باختری ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا

ہےاوراس کوزیر کرنے کے لیےحمزہ نے اس کے خلاف جنگ چھیڑرکھی ہے۔خدا بننے کے باوجود بے پناہ بزدل ہے اورحمزہ اوراس کےعیاروں کےخوف سے بھاگتا پھرتا ہے۔اس کی داڑھی کے ایک ایک بال میں موتی پروئی ہوئی ہے انتہائی کریہہ المنظر ہےعمروعیار سے جب بھی سامنا ہوتا ہےعمروعیاری کر کے اس کی داڑھی مونڈ لیتے ہیں۔ یہ ہمیشہ بچ جاتا ہےطلسم ہوشربا میں بھی طلسم ہوشربا فتح ہونے کے بعد یہ بھاگ کھڑا ہوتا ہےاوراگلی طلسمی ریاست میں پناہ لیتا ہے۔

لقا کے ساتھ بختیارک نام کا ایک شیطان بھی ہے۔ یہ کردار غالبًا داستان نویس نے داستان امیرحمزہ میں ابتدائی جلدوں سے ہی قصہ میں ظریفانہ رنگ پیدا کرنے کے لیے رکھا ہے یہ بھی بے پناہ ڈرپوک اور بزدل ہے۔ عیاروں کا سامنا ہونے پران کی عیاری کوخاموشی سے دیکھتا ہے، پہچاننے کے باوجودلقا کونہیں بتا تااورعمروکودیکھ کرپیرو مرشد کہہ کرسجدہ ریز ہوتا ہےاس کا حلیہ بھی خداوندلقاہی کی طرح کریہہ المنظر ہے۔

عیاربچیاں

جیسا کہ ابتدأمذکور ہے کہ یہ داستان مخاطرے،تجسس اورحسن وعشق کی داستان ہے چنانچہ عیاروں میں حسن و عشق کی رنگ آمیزی بھرنے کے لیے اسلامی لشکر کے پانچ عیاروں کے مقابل افراسیاب کےلشکر میں پانچ عیاربچیاں بھی تخلیق کی ہیں۔ یہ صرصرشمشیرزن،صبارفتار،شمیمہ نقب زن،تیزنگاہ خنجرزن،غزالہ کمنداندازہیں۔حیرت کی بات یہ ہے کہ جہاں ساحرنیوں کے کردارتراشنے میں داستان گونےحسن تخلیق کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں ساحروں سے کہیں بڑھ کرطاقتور بنایا ہے وہیں عیاربچیاں عیاروں کے مقابل بہت کمزور ہیں۔ یہ محض عیاروں کو ہروقت پہچان کر پکڑواتی ہیں یاعیاری کر کے افراسیاب کی فوج کے ساحرکوپشتارہ بنا کرلے جاتی ہیں۔ ہروقت مہرخ کےلشکر کے آس پاس رہ کرعیاری کرتی ہیں اور جاسوسی کرتی ہیں۔

طلسم کے دیگرساحران

افراسیاب کے دیگرساحران بھی بہت طاقتور ہیں جن میں خداوندداؤد، ملکہ لالہ خونیں قبا،صندل جادو،مصور جادواورسات بجلیاں جن میں ایک برق بلاافگن بھی ہےاور برق محشراور برق لامع شریک اسلام ہوئیں لیکن جوبھی ساحریاساحرہ شریک اسلام ہوتا ہے وہ ہی باقی رہتا ہےتواس کاذکرپوری داستان میں ملتا ہے۔جومطیع اسلام ہوئے ان کےعلاوہ جتنے بھی ساحر ہیں سب مارے گئےاس لیےکسی نے اپنا مضبوط نقش نہیں چھوڑاجبکہ لشکرمہرخ کے کردارلافانی ہیں۔افراسیاب کی جانب سےمحض افراسیاب،حیرت،لقااورہفت بلائیں ہی اپنانقش چھوڑپاتے ہیں۔

طلسم میں جوسب سے خطرناک کردار ہیں وہ حجرۂ ہفت بلا کی سات بلائیں ہیں۔ یہ سبھی بے حدخطرناک ہیں کوئی انسانوں کا خون پیتی ہے،کوئی بھیجا کھاتی ہے،کسی کوافراسیاب اپنی محبوب کا چڑھاوادیتا ہےان کو مارنا بہت مشکل

ہے کیونکہ یہ دوبارہ زندہ ہوجاتی ہیں۔ان کے نام مشعل جادو، ملکہ تاریک شکل کش، اختقاق جادو، شہنا نواز جادو، ملک اخضر گوہر پوش، مبہوت فیلز ور، ہفت سر جادو ہیں۔

باب پنجم۔ طلسم ہوشربا کا سماجی مطالعہ

طلسم ہوشربا کی تخلیق لکھنؤ کی رنگین فضا میں ہوئی یہ وہ وقت تھا کہ برطانیہ حکومت کا سورج اپنی پوری تابنا کی پر تھا شاہان اودھ کا زوال ہو چکا تھا فرنگیوں نے اپنی سحرانگیزیوں سے پہلے اقتدار اپنے ہاتھ میں لیا پھر آخری تاجدار اودھ کو معزول کر کے کلکتہ بھیج دیا ریاست تو ختم ہوگئی طلسم ہوشربا کی اشاعت کا سلسلہ ۱۸۸۱ء سے شروع ہوا۔ یہ داستان امیر حمزہ کا پانچواں دفتر ہے اس کی تحریر کافی پہلے شروع ہو چکی تھی۔ انگریزوں نے سیاست چھین لی تھی۔ یہ کام شاہان اودھ کو عیش پرستی میں غرق کر کے کیا گیا تھا چنانچہ بادشاہ تو چلے گئے اور باقی رہ گئی لکھنؤ کی مخصوص تہذیب۔

طلسم ہوشربا کے سماج پر لکھنؤ کے تہذیبی اثرات

داستان گوئی اور داستان نویسی بھی اسی لکھنوی تہذیب کا حصہ تھے۔ ظاہر ہے طلسم ہوشربا میں اس سماج کے تہذیبی مرقع جا بجا نظر آتے ہیں جو لکھنؤ ہی نہیں تمام شمالی ہند کے دلوں کی دھڑکن تھے چنانچہ طلسم ہوشربا کے اوراق سے گزرتے وقت ہمیں اکثر مقامات پر ایسے مرقع بھی نظر آتے ہیں جن کی جھلک ہمیں تاریخ کی کتابوں 'گذشتہ لکھنؤ'، 'لکھنؤ کی تہذیبی میراث'، 'The Journey through the kingdom of Oudh'، 'Palace Culture of Lucknow'، جیسی تاریخی کتابوں میں نظر آتے ہیں۔

مذہبی رسوم اور توہم پرستی

یہاں کے سماج میں ہر روز جشن ہوتے ہیں، آتش بازیاں چلتی ہیں، عیش و عشرت کا ماحول گرم ہوتا ہے لیکن اعمال میں مذہب شامل ہو یا نہ ہو کام کی شروعات سے پہلے پنڈت اور پجاری کا ہونا ضروری ہوتا ہے بہت سے مذہبی رسومات تہوار کی طرح منائے جاتے ہیں، ہر بات کے لئے شگون دیکھے جاتے ہیں۔ بقول آشیرو ادی لال:

''اونچے نیچے ہندو مسلم سبھی شگونوں میں اور جیوتش و نجوم میں عقیدہ رکھتے ہیں۔''

چنانچہ طلسم ہوشربا میں بھی بغیر شبھ گھڑی اور شگون دیکھے کوئی کام نہیں ہوتا یہاں تک کہ جب بدیع الزماں کو تلاش کرنے کے لیے کسی کو بھیجنا تھا تو خواجہ زمرچہر کے بیٹے کو بلا کر پہلے زائچے نکلوائے گئے اور اسی کے مطابق اسد غازی اور پانچ عیاروں کو داخل طلسم کیا گیا۔ یہاں کی تہذیب پر مذہبی رسوم اور توہم پرستی حاوی ہے یہاں تک کہ سخت سے سخت ساحر بھی پجاری اور پنڈت سے ڈرتا ہے اسی کا فائدہ عیار اٹھاتے ہیں اور طلسم میں داخل ہوتے ہیں۔ پجاری کا بھیس بدل کر خصوصی رعایت حاصل کرتے ہیں۔ نوابین اودھ کے یہاں بھی مذہبی رسوم کا رنگ حاوی ہے اپنی عیاشانہ زندگی کے باوجود وہ مذہبی رسوم کو بھی عقیدت مندی سے مناتے ہیں۔ محرّم آنے پر سبھی عیش و عشرت کی محفلیں

موقوف ہو جاتی ہیں، زیارت گاہوں پر بھی بھیڑ بڑھ جاتی ہے لشکر حمزہ میں بھی اسلامی ماحول ہے چنانچہ یہاں بھی مذہب کے جو رنگ دکھتے ہیں وہ اہل تشیع کے ہیں کیونکہ نوابین اودھ کا تعلق شیعہ فرقے سے تھا۔ طلسم ہوشربا جلد چہارم میں امیر حمزہ کے مذہبی رنگ کی چند سطریں پیش ہیں:

''امیر نے آکر انگشت شہادت سے یا علی گردن مرکب پر لکھکر خانۂ زین کو مثل آفتاب کے منور اور روشن فرمایا۔''

طلسم ہوشربا کے مرقع اودھ سے اس قدر رنز دیکی ہیں کہ اکثر مقامات پر نوابین اودھ کا ذکر آیا ہے یا اس دور کے مشہور شعرا کے اشعار پیش کئے گئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں اس وقت کے لکھنؤ کے مشہور جوگی جے پال کا بھی ذکر ہے جسے اجمیر کے راجہ نے خواجہ معین الدین چشتی کے مقابلے پر بھیجا تھا اور خواجہ نے اپنی روحانی قوت وکمال سے اس کا وار اسی پر الٹ دیا تھا تب سے جوگی جے پال کا نام خواجہ کے عقیدت مندوں میں مشہور ہے۔

طرز معاشرت

طلسم ہوشربا کی طرز معاشرت میں بھی لکھنؤ کے تہذیبی عناصر کی نشاندہی ہوتی ہے خصوصاً یہاں کے خورد و نوش میں انواع واقسام کے کھانے پینے کے سامان نیز ان کو پیش کرنے کا حسن سلیقہ خاص لکھنؤ کے تہذیبی انداز کا ہے۔ یہاں کے پلاؤ، بریانی، زردہ، قورمہ، مرغ مسلم وغیرہ دسترخوان پر سجے رہتے ہیں۔ طلسم ہوشربا میں دسترخوان بچھا کر خشکہ، پلاؤ، قورمہ لگانے کا ذکر ہے اور گذشتہ لکھنؤ میں شرر لکھنوی دسترخوان کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''دسترخوان پر صدہا ایوانِ نعمت اور قسم قسم کے کھانے چنے ہوئے تھے، پلاؤ تھا، زردہ تھا، بریانی تھی، قورمہ تھا، کباب تھے، ترکاریاں تھیں، چٹنیاں تھیں، اچار تھے، روٹیاں تھیں، پراٹھے تھے، شیرمالیں تھیں غرض یہ کہ ہمہ نعمت موجود تھی۔۔۔۔''

طلسم ہوشربا میں بھی باورچی خانے میں زعفران، الائچی، مشک وغیرہ ہیں پلاؤ کی دیغیں ہیں، کھیر گھٹ رہی ہے تو یہ منظر ہمیں لکھنؤ کے شاہی دسترخوان پر لے جاتا ہے۔ یہاب بتوں کو موہن بھوگ لگانا ہو تو وہ بھی بہت اہتمام سے تیار کرایا جاتا ہے۔ ساحر کو مطیع کرنے کے لیے بھی موہن بھوگ کھلایا جارہا ہے۔

''جو کوئی موہن بھوگ اسکو کھلائے گا اطاعت اسی کی کرے گا۔''

تاریخ اودھ میں بھی ذکر ہے کہ بادشاہ اولاد کی تمنا میں فقرا کو کھلاتا ہے اس میں ہندو کے لیے موہن بھوگ کا اہتمام ہے۔ طلسم کے سماج میں تہذیب سے مانگنے والے فقیر بھی ہیں اور مہذب طوائفیں بھی جو تکلف سے سج دھج کے عزت داروں کی محفل میں رقص وسرود کی محفلیں آراستہ کروانے کے لیے جاتی ہیں، ساز وسارنگی بجانے والے بھی ہیں۔ عمرو عیار بہت اچھی نے بجاتے ہیں اور ان کا گلا بھی بہت اچھا ہے تو وہ اکثر عیاری کرنے کے لیے کسی رقاصہ کی حلیہ میں محفل میں پہونچتے ہیں اور شراب میں بیہوشی ملا کر سب کو بیہوش کر کے ساحر کا خاتمہ کرتے ہیں۔ طلسم ہوشربا جلد

اول میں ایک مقام پر طلسم میں کاغذ کا روپیہ چلنے کا ذکر بھی ہے اور یہ روپیہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا انگریزوں کی حکومت میں تھا ایک طرف قیمت ہے اور دوسری جانب بادشاہ کی تصویر۔

لکھنؤ کے امراء و نواب بے حد شوقین مزاج تھے۔ شکار، شطرنج، مرغ بازی، بٹیر بازی، پتنگ بازی، کبوتر بازی وغیرہ سبھی مشغلے ان کی تفریح طبع کا ذریعہ تھے۔ رقص وسرود، شراب وشباب کے علاوہ یہ تمام شوق بھی طلسم ہوشربا کی تہذیب کا حصہ نظر آتے ہیں جن کے حوالے اس باب میں مختلف کتب ہائے تواریخ سے لے کر ان کی مماثلت طلسم ہوشربا کے سماج سے کی گئی ہے۔ طلسم ہوشربا کے قصہ کی شروعات ہی شکار سے ہوتی ہے ہر شہزادہ کبھی نہ کبھی شکار کی تلاش میں نکلتا ہے اور جنگل میں ہی اس کی بوٹیاں کروا کے پکواتا ہے۔ ایسی مثالیں بدیع الزماں کے علاوہ شہزادہ ایرج، شہزادہ نور الدہر اور غضنفر وغیرہ کی جلد اول و چہارم اور پنجم میں موجود ہیں۔

زبان، محاورے اور پھبتیاں

طلسم ہوشربا کے سماج کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہاں خواتین کرداروں کو بہت برتری حاصل ہے۔ یہاں عورتیں کمزور دبی سسکتی نہیں ہیں بلکہ نہایت طاقتور اور باوقار ہیں۔ افراسیاب کی ساری طاقت ملکہ حیرت کی عقل و دانش سے ہے اور اسد غازی کی فوج کی ملکہ مہرخ، ملکہ بہار، ملکہ براں وغیرہ ہیں۔ کوکب روشن ضمیر اور برہمن روئین تن تو بہت بعد میں شریک معرکہ ہوئے۔ جنگ کی سپہ سالاری لشکر اسلام میں ملکہ مہرخ سحر چشم کے ذمہ ہے تو لشکر افراسیاب میں ملکہ حیرت جادو کے ذمہ۔ یہ ہمیں رانی لکشمی بائی اور بیگم حضرت محل کی یاد دلاتی ہیں لیکن اس طاقت اور بہادری کے باوجود اس کا حسن و عشق اور بناؤ سنگھار کا فطری جذبہ بھی برقرار ہے بلکہ وہ اپنے حسن کو بھی سحر کے لئے استعمال کرتی ہے۔ چونکہ عورتوں کے کردار کی بہتات ہے تو اس سماج میں ریختی کا خوب استعمال ہے جو کہ خالص لکھنؤ کی ایجاد ہے طلسم ہوشربا کے بیانات میں جہاں بھی موقع ملتا ہے داستان گو خواہ جاہ ہوں خواہ قمر لکھنؤ کی بامحاورہ اور مسجع مرصع زبان کا استعمال کر کے اپنے مخصوص انداز میں خوبصورت منظر کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتے ہیں۔ یہاں لکھنؤ میں بولے جانے والے محاورے کے علاوہ جملہ بازی اور پھبتیوں کا بھی استعمال خوب ہے یہ بھی لکھنؤ کا ہی خاصہ ہے۔ اس کے علاوہ شعر وشاعری کی بھی بھرمار ہے۔ مثنوی کی لذت آمیز انداز میں ہر موقع پر اشعار موجود ہے۔

عام طبقات کی عکاسی

طلسم ہوشربا کے نظام سماج میں لکھنؤ کے عام طبقات کی بھی عکاسی ہے۔ اندرون محل کے ذکر میں شادیوں میں گانے والی میراثنیں، ڈفالی، ڈومنیاں وغیرہ کے ساتھ بھٹیارن، جمعدارن، خانسامہ روزمرہ کے سامانوں کے تاجر، حکیم وغیرہ بھی ہیں۔ گاؤں کے مناظر بھی کہیں کہیں جھلک دکھاتے ہیں جہاں زمیندار بھی ہیں اور گنوار بھی۔ ان کے لباس بھی اچکن، انگرکھا، لہنگا وغیرہ ہیں جو اس وقت کے لکھنؤ میں رائج تھے۔

عیش وعشرت اور جشن کا ماحول

طلسم ہوشربا کا نظام حکومت بھی لکھنوی طرز کا ہے جہاں بقول نجم الغنی جنگ کے لیے پلٹنیں تیار کی جاتی ہیں انگریزوں کے طرز کا نظام قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔طلسم کے سماج میں بھی تین لاکھ افسر ہیں اور ان کی پانچ ہزار تنخواہ بھی ہے۔لکھنؤ کے عیش محل کے طرز کے ہی ساحروں کے محل بھی ہیں اور اس طرز کا عیش پرستی کا ماحول اور جنسی بے راہ روی ہے جیسی شاہان اودھ کے زمانے میں تھی۔

'تاریخ اودھ' اور'گذشتہ لکھنؤ' میں لکھنؤ میں لگنے والے متعدد میلوں کا ذکر بھی تفصیل سے ہے۔قیصر باغ کے میلے'میلۂ سلطانی'،عید کے بعد ٹر کے میلے، آٹھوں کے میلے کی تفصیل اور سجاوٹ سے لکھنؤ کی تہذیبی تاریخ کے اوراق مرصع ہیں۔ یہاں پورے ہندوستان سے تاجر آ کر اپنی دوکانیں آراستہ کرتے تھے اور کھانے پینے سے لے کر ضرورت کا ہر سامان یہاں موجود ہوتا تھا۔رقص وسرود کی محفلیں بھی آراستہ ہوتی تھیں۔اس طرح کے متعدد میلے طلسم ہوشربا میں بھی ہیں جن میں گنبد نور کا میلہ، چاہ زمرد کا میلہ عمرو عیار کے قتل کے جشن کے لئے لگا میلہ وغیرہ خاص ہیں۔ یہاں بھی لکھنؤ کی طرح کھانے پینے سے لے کر ضرورتوں اور تفریح کے سبھی سامان مہیا ہیں۔ان کی منظرکشی طلسم ہوشربا میں بہت خوبصورت انداز میں کی گئی ہے۔ان میلوں میں لکھنؤ کے ثقافتی میلوں کی جھلک صاف نظر آتی ہے جو آج بھی لکھنؤ فیسٹول کی شکل میں موجود ہیں۔میلوں ہی کی طرح یہاں کے جشن اور محفلیں بھی لکھنوی فضا سے مماثلت رکھتے ہیں۔ طلسم ہوشربا کی عشقیہ داستانیں کہیں اور سے نہیں لکھنؤ سے ہی مستعار ہیں اور طلسم ہوشربا کو پڑھنے سے ایسا لگتا ہے کہ یہ ساحر ساحران فرنگی ہیں جو بے حد طاقتور ہیں اور انگریزوں کو طاقت سے زیر کیا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اسم اعظم اور عیاری سے خیالی دنیا ہی میں صحیح انگریزوں کو شکست دے لیتے ہیں۔

باب ششم۔طلسم ہوشربا کی ادبی اہمیت

نثری ادب کی ترویج میں طلسم ہوشربا کی اہمیت

باب ششم 'طلسم ہوشربا کی ادبی اہمیت' میں طلسم ہوشربا کی ادبی مقبولیت اور خصوصیات کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔دفتر پنجم ہونے کے باجود داستان امیر حمزہ کے طویل سلسلہ میں سب سے پہلے شائع ہونے والی داستان طلسم ہوشربا ہے۔اگر چہ یہ داستان امیر حمزہ کا دفتر پنجم ہے ظاہر ہے اس وقت تک اول چار دفاتر تحریر ہو چکے تھے لیکن طلسم ہوشربا کی مقبولیت محمد حسین جاہ اور احمد حسین قمر کا خوبصورت انداز بیان تھا جس کے باعث سب سے پہلے طلسم ہوشربا چھپی لیکن طبع ہو جانے کے بعد اس کی مقبولیت میں اور اضافہ ہوا کیونکہ اس کی رسائی اب پہلے سے بڑے حلقے میں ہوگئی۔

اردوادب میں بااقتدارعورتوں کی عکاسی

دوسری اہم بات طلسم ہوشربا میں اس کے کرداروں کی پیکر تراشی ہے۔حمزہ تو پہلے ہی تاریخ سے لیے گئے کردار تھے۔افراسیاب جوکہ ایران کا ظالم بادشاہ تھا وہ بھی ظالم کی علامت اور طلسم ہوشربا کا افراسیاب بھی ظالم اور غاصب تھا چنانچہ کرداروں میں ایک خاص بات نسوانی کرداروں کا مرد کرداروں کے مقابل زیادہ بااقتدار اور طاقتور ہونا بھی تھا۔اس وقت تک کا قاری وسامع غزلوں اور مثنویوں میں عورت کو محبوب کی شکل میں ناز وادائیں دکھانے والے کے طور پر جانتا تھا یہاں تک کہ بعد کے ناولوں میں بھی عورت دبی،کچلی،روتی،سسکتی ہی نظر آتی ہے لیکن طلسم ہوشربا میں یہ خودمختاراورصاحب اقتدار ہی نہیں مرد کرداروں سے برتر نظر آتی ہےاوررانی لکشمی بائی اورحضرت محل کی یاد دلاتی ہے یہ وہ خودمختار عورت ہے جیسی خودمختاری کی آواز بیسویں صدی میں اٹھائی گئی۔

طلسم ہوشربا کی مقبولیت:زبان اورانداز بیان

طلسم ہوشربا کی مقبولیت میں اس کی خوبصورت زبان اورانداز بیان کا خاص حصہ ہے۔اس میں پیش کردہ تہذیب جوکہ لکھنوی تہذیب کی آئینہ دار ہے وہ بہت پرکشش ہےاورداستان گونے اس کے الفاظ کے سحر سے مصوری کی ہے جس میں قاری گم ہوکر حقیقی دنیا کوفراموش کردیتا ہے۔

دیگراصناف ادب پرداستانوی اثرات

اس باب میں داستان کے دیگراصناف ادب پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ افسانوی اورشعری ادب سے لیتے ہوئے بیسویں اور یہاں تک کہ اکیسویں صدی کے ادب سے حوالے پیش کئے ہیں جن میں کہیں داستانوی استعارے لیے گئے ہیں اور کہیں علامتیں غرضکہ غزل،افسانے، ناول سب پر اردو کے داستانوی ادب کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔بیسویں صدی کا شاعرفراق جب کہتا ہے:

یہ نظر نظر کی فسوں گری یہ سکوت کی بھی سخنوری
تری آنکھ جادوئے سامری ترے لب فسانۂ نل و دمن

تو داستانوی پیکرتراشی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔غرضکہ یہ بات بلاتردد کہی جاسکتی ہے کہ طلسم ہوشربا صرف داستانوں میں ہی مقبول ترین نہیں بلکہ اردو ادب کی مقبول ترین تصنیف ہے جس کی اشاعتوں کی تعداد گیارہویں اور بارہویں تک پہونچی ہے۔

☆☆☆

کتابیات

نمبر شمار	مصنف/مرتب	کتاب کا نام	مطبع/ناشر	سنہ اشاعت
۱۔	اشک خلیل علی خاں	داستان امیر حمزہ (یک نامعلوم جلدی)		۔
۲۔	آغا سہیل ڈاکٹر	دبستان لکھنؤ کے داستانی ادب کا ارتقا	مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور	۱۹۸۸ء
۳۔	آغا مہدی مولانا	تاریخ لکھنؤ	کتب پرنٹرا اینڈ پبلشرز لمیٹڈ، کراچی	۱۹۷۶ء
۴۔	احمد کلیم الدین	اردو زبان اور فن داستان گوئی	ادارہ فروغ اردو، امین آباد پارک لکھنؤ	۱۹۶۵ء
۵۔	اختر سلیم	باغ و بہار تحقیق و تنقید کے آئینے میں	جواہر آفسٹ پریس، دہلی	۱۹۹۰ء
۶۔	ابن کنول ڈاکٹر	داستان سے ناول تک	بھارت آفسیٹ پریس، دہلی۔۶	۲۰۰۳ء
۷۔	ارتضیٰ کریم ڈاکٹر	عجائب القصص تنقیدی مطالعہ	زلالہ پبلی کیشنز، دہلی	۱۹۸۷ء
۸۔	ابن کنول ڈاکٹر	ہندوستانی تہذیب بوستان خیال کے تناظر میں	سیما آفسیٹ پریس، دہلی	۱۹۸۸ء
۹۔	احمد محمد تقی	واجد علی شاہ آخری تاجدار اودھ	باہتمام محمد اسمٰعیل صدیقی ادبی پریس، لکھنؤ	۱۹۴۵ء
۱۰۔	اقبال حسین ڈاکٹر	ہندوستانی تہذیب	اتر پردیش اردو اکادمی	۱۹۸۸ء
۱۱۔	امجد حسین سیّد	اودھ آئینۂ ایّام میں	یونائیٹیڈ بلاک پرنٹرس، لکھنؤ	۱۹۹۶ء
۱۲۔	پرویز اطہر	داستان کا فن	ایم۔کے۔آفسٹ پریس، دہلی،	۲۰۱۰ء
۱۳۔	تحسین میر محمد حسین عطا خان	نوطرز مرصع	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۹ اے گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲	۲۰۱۵ء
۱۴۔	تصدق حسین شیخ	بیگمات اودھ	کتاب نگر، دین دیال روڈ لکھنؤ	۱۹۵۶ء

۱۵۔	ثروت علی ڈاکٹر	تاریخ آصفی اردو ترجمہ تفضیح الغافلین	مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس، دھلی	۱۹۶۸ء
۱۶۔	جاہ محمد حسین	طلسم ہوشربا۔ جلد اوّل	خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ	۱۹۸۸ء
۱۷۔	جاہ محمد حسین	طلسم ہوشربا۔ جلد دوم	خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ	۱۹۸۸ء
۱۸۔	جاہ محمد حسین	طلسم ہوشربا۔ جلد سوم	خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ	۱۹۸۸ء
۱۹۔	جاہ محمد حسین	طلسم ہوشربا۔ جلد چہارم	خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ	۱۹۸۸ء
۲۰۔	جعفر حسین مرزا	قدیم لکھنؤ کی آخری بہار	ترقی اردو بیورو، نئی دہلی،	۱۹۸۱ء
۲۱۔	حسین نواب اصغر	مطالبۂ اودھ	دفتر اودھ ریسٹوریشن مشن، لکھنؤ	۔
۲۲۔	حسین انتظار	آخری آدمی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی	۱۹۹۳ء
۲۳۔	حیدر قرۃ العین	کوہ دماوند	مکتبۂ اردوادب، لاہور	۱۹۷۹ء
۲۴۔	حیدر کمال الدین	تاریخ اودھ مرتّب رئیس آغا لکھنؤ	نصرت پبلشر حیدری مارکیٹ امین آباد،	۱۹۹۸ء
۲۵۔	خان ایم حبیب	اردو کی قدیم داستانیں	انڈین بک ہاؤس، علی گڑھ	۱۹۷۴ء
۲۶۔	دھلوی میر امّن	باغ و بہار	رام نرائن لال، ارون کمار، الہ آباد	۱۹۹۲ء
۲۷۔	راہی معصوم رضا ڈاکٹر	طلسم ہوشربا ایک مطالعہ	خیاباں پبلی کیشنز، ممبئی	۱۹۷۹ء
۲۸۔	رجب علی بیگ سرور مرزا	فسانۂ عجائب	سنگم پبلشرز، الہ آباد	۱۹۶۹ء
۲۹۔	سہیل بخاری ڈاکٹر	اردو داستان تحقیقی و تنقیدی مطالعہ	مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد	۱۹۸۷ء
۳۰۔	سیّد اعجاز حسین ڈاکٹر	اردو شاعری کا پس منظر	نیشنل آرٹ پرنٹرس، الہ آباد	۱۹۶۸ء
۳۱۔	سیّد صفدر حسین ڈاکٹر	لکھنؤ کی تہذیبی میراث	اردو پبلشرز، ۸ تلک مارگ، لکھنؤ	۱۹۷۸ء
۳۲۔	شرر عبدالحلیم	گذشتہ لکھنؤ	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی	۱۹۷۱ء
۳۳۔	شہناز انجم ڈاکٹر	ادبی نثر کا ارتقا بحوالہ عبدالقادر سروری	پرنٹ سیٹ، نوائڈا (غازی آباد)	۱۹۸۵ء

۳۴۔ شفیق احمد شفق ڈاکٹر	اردو داستانوں میں ویلین کا تصوّر	نشاط آفسٹ ٹانڈہ فیض آباد	۱۹۸۸ء
۳۵۔ عبدالباری سید	لکھنؤ کے شعر و ادب کا معاشرتی اور ثقافتی پس منظر	نشاط آفسٹ پریس ٹانڈہ فیض آباد	۱۹۸۷ء
۳۶۔ عبیدہ بیگم ڈاکٹر	فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات	نصرت پبلشرز، حیدری مارکیٹ نزد گل مرگ ہوٹل، امین آباد لکھنؤ	۔
۳۷۔ عسکری محمد حسن	انتخاب طلسم ہوش رُبا	اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ	۱۹۸۵ء
۳۸۔ عالم ثانی شاہ	عجائب القصص، مرتبہ راحت افزا بخاری	مجلس ترقی ادب، لاہور	۱۹۶۵ء
۳۹۔ عبدالغفار قاضی	تین پیسے کی چھوکری	مکتبہ شاہراہ، دہلی	۱۹۵۹ء
۴۰۔ عابد حسین سید	قومی تہذیب کا مسئلہ	ترقی اردو بیورو، نئ دہلی	۱۹۸۴ء
۴۱۔ فاروقی شمس الرحمن	ساحری، شاہی، صاحبقرانی: جلد اوّل	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئ دہلی	۱۹۹۹ء
۴۲۔ فاروقی شمس الرحمن	ساحری، شاہی، صاحبقرانی: جلد دوم	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئ دہلی	۲۰۰۶ء
۴۳۔ فاروقی شمس الرحمن	ساحری، شاہی، صاحبقرانی: جلد سوم	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئ دہلی	۲۰۰۶ء
۴۴۔ فاروقی شمس الرحمن	ساحری، شاہی، صاحبقرانی: جلد چہارم	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئ دہلی	۲۰۱۱ء
۴۵۔ فاروقی شمس الرحمن	ساحری، شاہی، صاحبقرانی: جلد پنجم	ایم۔آر پبلی کیشنز، نئ دہلی، ۱۱۰۰۰۲	۲۰۲۰ء
۴۶۔ قمر احمد حسین	بقیہ طلسم ہوشربا۔جلد اوّل	خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ	۱۹۹۳ء
۴۷۔ قمر احمد حسین	بقیہ طلسم ہوشربا۔جلد دوم	خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ	۱۹۹۳ء
۴۸۔ قمر احمد حسین	طلسم ہوشربا۔جلد پنجم، حصّہ اوّل	خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ	۱۹۸۸ء

۴۹۔ قمراحمد حسین	طلسم ہوشربا۔جلد پنجم، حصّہ دوم	خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ	۱۹۸۸ء
۵۰۔ قمراحمد حسین	طلسم ہوشربا۔جلد ششم	خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ	۱۹۸۸ء
۵۱۔ قمراحمد حسین	طلسم ہوشربا۔جلد ہفتم	خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ	۱۹۸۸ء
۵۲۔ قمرالہدیٰ فریدی ڈاکٹر	اردو داستان تحقیق وتنقید	باہتمام لیتھوکلر پرنٹرس، علی گڑھ	۱۹۹۱ء
۵۳۔ قمرالہدیٰ فریدی ڈاکٹر	طلسم ہوش ربا: تنقید وتلخیص	لتھوآفسیٹ پرنٹرس، علی گڑھ	۱۹۹۹ء
۵۴۔ گیان چند جین پروفیسر	اردو کی نثری داستانیں	اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ	۱۹۸۷ء
۵۵۔ لکھنوی غالب	داستان امیر حمزہ (یک نامعلوم جلدی)		۔
۵۶۔ مسعود نیّر	رجب علی بیگ سرور حیات اور کارنامے	شعبہ اردو، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد	۱۹۶۷ء
۵۷۔ مجیب محمد	تاریخ تمدن ہند	ترقی اردو بیورو، نئی دہلی	۱۹۸۲ء
۵۸۔ محمد عمر ڈاکٹر	ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر	پبلیکیشنز ڈویژن، دہلی	۱۹۷۵ء
۵۹۔ نجم الغنی	تاریخ اودھ	مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ	۱۹۱۹ء
۶۰۔ وقار عظیم ڈاکٹر	ہماری داستانیں	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس سوئیوالان، نئی دہلی	۱۹۸۰ء
۶۱۔ وقار عظیم ڈاکٹر	داستان سے افسانے تک	جمال پرنٹنگ پریس، دہلی	۱۹۷۲ء

کتب بذریعۂ ویب سائٹ www.rekhta.com

نمبر شمار	مصنف/مرتب	کتاب کا نام	مطبع/ناشر	سنہ اشاعت
۶۲۔	اکبر حُسین قریشی ڈاکٹر	فرہنگ طلسم ہوشربا	ایس۔ٹی۔پرنٹرز، راولپنڈی	۱۹۹۵ء
۶۳۔	خاں امجد علی	تاریخ اودھ کا مختصر جائزہ	سرفراز قومی پریس، لکھنؤ	۱۹۷۸ء
۶۴۔	دہلوی میر امّن	باغ و بہار مرتّب رشید حسن خاں	مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی	۱۹۸۹ء
۶۵۔	۔	مقدمۂ طلسم ہوشربا	خُدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ	۔
۶۶۔	شکیل الرحمٰن ڈاکٹر	داستان امیر حمزہ اور طلسم ہوشربا	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۹ اے گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی۱۱۰۰۰۲	۱۹۹۵ء
۶۷۔	عظیم آبادی نصیر حسین خیال	شاہنامہ فردوسی	برقی مشین پریس مراد پور بانکی پور، پٹنہ	۔
۶۸۔	علی محمد احد	شباب لکھنؤ	مطبوعہ مطبع شام اودھ لکھنؤ	۱۸۹۹ء
۶۹۔	فضلی فضل علی	کربل کتھا	لیبل آرٹ پریس، دہلی	۱۹۶۱ء
۷۰۔	کاکوروی محمد احد علی آبرؔ	مرقع اودھ	ندائے حق پریس، لکھنؤ	۱۹۸۷ء
۷۱۔	محمد ہادی سیّد	وضعداران لکھنؤ حصّہ اوّل	داروغہ سید محمد کے تصویر عالم پریس لکھنؤ ڈیوڑھی آغا میر مین چھپا	۔
۷۲۔	نادر علی سیفی سید	بوستان خیال جلد ہشتم	مطبع سیفی لاہور مین سید نادر علی سیفی کے اہتمام سے طبع ہوئی	۱۸۹۴ء
۷۳۔	نامعلوم	الف لیلہ	جے۔ایس سنت سنگھ اینڈ سنز تاجران کتب چوڑیوالان، دہلی۔۶	۔
۷۴۔	نجم الہدیٰ ڈاکٹر	کردار اور کردار نگاری	شعبہ اردو فارسی عربی، مدراس یونیورسٹی	۱۹۸۰ء
۷۵۔	نقوی حنیف	رجب علی بیگ سرور چند تحقیقی مباحث	ثمر آفسٹ پرنٹرز، نئی دلّی	۱۹۹۱ء

(हिन्दी पुस्तकें) ہندی کتب

क्रम संख्या	लेखक/संपादक	पुस्तक का शीर्षक	प्रकाशन	वर्ष
76-	श्री पाण्डेय राजेन्द्र	अवध की लूट (डक्वायटी इन एक्सेलसिस)	हिन्दी समिति सूचना विभाग उत्तर प्रदेश	1966
77-	प्रवीन योगेश	दास्ताने अवध	सीमान्त प्रकाशन दरियागंज, नई दिल्ली	1983
78-	वर्मा परिपूर्णानंद	वाजिद अलीशाह और अवध राज्य का पतन	सूचना विभाग उत्तर प्रदेश	1959

(English Books) انگریزی کتب

SR.No.	Author/Editor	Name of Book	Publisher	Year
79-	Ahmad Mohammad Taqi	Tarikh Badshah Begum	The Indian Press LTD. Allahabad	1938
80-	Ali Mrs. Meer Hasan	Observations on the Mussalmauns of India, edited with notes and an introduction by W.Crooke	Humphrey Milford Oxford University Press London, Edin Burgh Glasgow New York, Toronto Melbourne Bombay	2nd edition, 1917
81-	Ahmed Safi	Two kings of Awadh	P.C. Dwadesh Shreni & Company Pvt Ltd. Aligarh,	1971
82-	Bhatnagar G.D. Varanasi	Awadh Under Wajid Ali Shah	Bhartiya Vidya Prakashan	1968

83-	Dwivedi Richa	A Cultural Study Of Suba Awadh Under The Mughals	Department Of Medieval And Modern History, University Of Allahabad, Allahabad	-
84-	Hasan Amir	Palace Culture of Lucknow	B.R. Publishing Corporation, 461 Vivekananda Nagar, Delhi-110052	1983
85-	Hasan Amir	Memories Of Delhi And Faizabad Vol. II	Govt. Press, North Western Provincess And Oudh, Allahabad	-
86-	Knighton William	The Private life of an Eastern King- (Compilled for a member of the household of his late majesty Nassiruddin Haider)	G-Routledge & Co. Farringdon street, New york, 18 Becham street	1857
87-	Knighton William	The Private Life Of An Eastern Queen	London, Longman, Roberts & Green	1865
88-	Mathur H. S. & Gupta B. L.	Prostitutes And Prostitution	Agra, Ramprasad	1965
89-	Newell Herbert Andrews	Lucknow The Capital Of Oudh	Harrison Lucknow	1916
90-	Pemble John	The Raj the Indian Mutiny and the kingdom of Oudh	Harvester Press	1977

91-	Shrivastav Dr. Aashirbadi Lal	Womens war work in the period of first two Nawabs of Oudh	The Upper India Publishing House Ltd, Literature Palace Ameeruddaula Park, Lucknow	1954
92-	Sleeman William Henry	The Journey through the kingdom of Oudh	London: Richard Bently Publisher Ordinary To Her Majesty	1858
93-	Talib Abu	Tafzihul Ghafleen, Translation Hoey William	The North Western Provinces and Oudh Government Press (Allahabad)	1885
94-	Farooqui Musharraf Ali	The Adventures Of Amir Hamza: Special abridged edition Translation Ghalib Lakhnavi and Abdullah Bilgrami	Random House Publishing Group (www.books.google.co.in)	-

Articles from e-magazine

S .No.	E-Magazine	Article	Writer	Year	Website
95-	Dastangoi	Dastangos	Mahmood farooqi	-	www.dastangoi.com
96-	CAIS	Iranian Mythology Afrasiab	The Circle of Ancient Iranian Studies	January 2007	www.cais-soas.com

97-	Encyclopaedia Iranica	Afrasiab	E.Yarshater	December 15,1984	www.iranicaonline.org
98-	Wiley Online library	A Note On Afrasiab	Robert Devereux	April,1963	www.onlinelibrary.wiley.com
99-	Lucknowcity	The charming art of Dastangoi & UP's 1st female dastango	Shilpi K	February 26, 2021	www.lucknowcity.co.in
100-	Freud Sigmand	Introductory Lectures On Psychoanalysis	-	-	PDF Books World, http://www.pdfbooksworld.com

کتب خانے(Libraries)

نمبر شمار	کتب خانے کا نام	مقام
۱۰۱۔	سنٹرل لائبریری، الہ آباد یونیورسٹی	الہ آباد(پریاگ راج)
۱۰۲۔	الہ آباد پبلک لائبریری	الہ آباد(پریاگ راج)
۱۰۳۔	سنٹرل لائبریری، دہلی یونیورسٹی	نئی دہلی
۱۰۴۔	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی	علی گڑھ
۱۰۵۔	ہندی ساہتیہ سمّیلن	الہ آباد(پریاگ راج)
۱۰۶۔	ذاتی کتب خانہ پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی	الہ آباد(پریاگ راج)

The screenshots of Dastan -e- Ameer Hamza has been taken from

www.rekhta.com www.goodreads.com.

☆☆☆

اردو داستانوی ادب اور طلسم ہوشربا

تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ

مقالہ برائے ڈی. فل. ڈگری

آرٹس فیکلٹی

الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد

نگراں

پروفیسر شبنم حمید

صدر شعبۂ اردو

الہ آباد یونیورسٹی، پریاگ راج (الہ آباد)

مقالہ نگار

ناصحہ عثمانی

ریسرچ اسکالر

شعبۂ اردو الہ آباد یونیورسٹی، پریاگ راج (الہ آباد)

شعبۂ اردو

الہ آباد یونیورسٹی، پریاگ راج (الہ آباد)

۲۰۲۱ء

URDU DASTANVI ADAB AUR TILISM-E-HOSHRUBA

TANQEEDI AUR TAJZIATI MOTALIA

A THESIS SUBMITTED FOR THE DEGREE OF D.Phil. IN THE FACULTY OF ARTS UNIVERSITY OF ALLAHABAD

Under the Supervision of:

Prof. Shabnam Hameed
Head
Department of Urdu
University of Allahabad
Prayagraj (Allahabad)

Submitted By:

Naseha Usmani
Research Scholar
Department of Urdu
University of Allahabad
Prayagraj (Allahabad)

DEPARTMENT OF URDU
UNIVERSITY OF ALLAHABAD
PRAYAGRAJ (ALLAHABAD)
2021

تلخیص

باب اوّل۔ اردو میں فن داستان گوئی اور داستان نویسی کی روایت

کہانی سننے اور بیان کرنے کا شوق پیدائش سے ہی انسان کی فطرت میں شامل ہوتا ہے۔ وہ بچپن سے ہی اپنی ماں نانی یا دادی سے قصّہ سنتا ہے اور خود اسی عمر میں پہونچنے پر سناتا ہے چنانچہ قصّہ گوئی کی شروعات انسانی تہذیب کی شروعات سے ہی ہوتی ہوگی جب وہ اپنی مہمات آمیز داستانیں اپنے ساتھیوں اور اہل خانہ بھرا پنی نئی نسل کو سنانے ہونگے کیونکہ انسانی تہذیب کی ابتدا میں توہم پرستی، جنسی رجحان اور جنگ آمیز مہمات خاص اہمیت کی حامل ہوتی تھیں تو وہیں ان قصّوں کی بنیاد بھی ہونگی۔ رفتہ رفتہ جیسے جیسے انسانی ذہن وادراک کی نشو ونما ہوئی قصّوں میں بھی رنگ آمیزی بھری جانے لگیں اور یہ قصّہ غیر معمولی دلچسپی اور تفریح طبع کا حصّہ بن بھی گئے جسے آگے چل کر جب باقاعدہ زبان پر عبور حاصل ہو گیا تو غیر معمولی قدرت حاصل ہوگئی۔ آج کے زمانے تک آتے آتے جدید تکنیک اور عدیم الفرضی نے قصّہ گوئی کے ذوق کو ختم کر دیا لیکن اردو زبان میں بھی قصّہ گوئی یا داستان گوئی کی عظیم الشان تہذیبی روایت موجود ہے۔ یوں تو ٹی۔ وی۔ اور الکٹرانک میڈیا کے ذریعہ یا ذوق قارئین کے لیے آج بھی داستانیں تسکین ذوق کا باعث بنیں لیکن اب اس طرح کی تحریر منظر عام پر آنا شاید ناممکن ہے اگر چہ ابھی بھی سامع اور ناظر مافوق الفطری عناصر پر مبنی قصّہ کہانی کے سیریل میں غیر معمولی دلچسپی لیتے ہیں یعنی ابتدائے تہذیب سے آج تک لوگ قصّہ کہانی میں دلچسپی لیتے رہے ہیں بس اس کی شکلیں تبدیل ہوتی رہی۔ زبانی قصّے پھر داستانیں پھر جدید ناول، افسانے، پھر ٹی۔ وی۔ سیریل اور اب ویب سیریل کسی نہ کسی شکل میں قصّہ کا وجود برقرار ہے۔

اگر تحریری قصّوں کا ذکر کریں تو مصر کی تہذیب دنیا کی قدیم ترین تہذیب ہے کیونکہ سب سے پہلے چار ہزار قبل مسیح میں وہاں فن تحریر دریافت کر لیا گیا تھا۔ فضل حق قریشی کے مطابق دنیا کا پہلا افسانہ شاہ فاخری (۴۸۰۰ قبل مسیح) کے عہد کا ہے۔ اس کا مسودہ ۳۴۰۰ قبل مسیح کا ہے۔ تین ہزار سے دو ہزار قبل مسیح میں گل گامش کی داستان کئی رزمیہ نظموں میں بیان کی گئی۔ ۲۳۰۰ قبل مسیح میں کشتی شکستہ اور قصّہ صنوبر تحریر ہوا اور اس کے بعد بارہویں صدی میں مصر میں لاتعداد کہانیاں ملتی ہیں۔ فلسطین اور اس کے نواح میں بھی ۱۰۰۰ قبل مسیح سے پہلے قصّے لکھے جانے لگے تھے اس کے علاوہ تمام مذہبی صحیفوں میں قصّوں کے لاتعداد نمونے ملتے ہیں۔ ہندوستانی تہذیب بھی کافی قدیم ہے چنانچہ یہاں بھی راماین، مہابھارت، گیتا، پران، اپنشد وغیرہ کا تمام تر دارومدار طویل ومختصر قصّوں پر ہے اسکے علاوہ پنچ تنتر، بودھ، جاتک اور پورانک کتھائیں بھی ہندوستان کی قدیم تہذیب کا حصّہ ہیں۔

اردو میں داستان کے عروج و زوال کی داستان ایک صدی میں ہی سمٹی ہے۔فورٹ ولیم کالج کے قیام (۱۸۰۰) سے پہلے چند داستانوں کے ہی نمونے ملتے ہیں جو زیادہ تر روایتی قصّہ چہار درویش اور مثنویوں کے قصّہ بدر منیر اور بے نظیر و گل بکاؤلی پر مبنی ہیں۔فورٹ ولیم کالج سے داستان باغ و بہار اور یک جلدی داستان امیر حمزہ کے منظر عام پر آنے کے بعد داستانوں کی روایت عام ہوگئی اور خلیل علی خاں اشک اور میر امن کے ان دو کارناموں کو فروغ و ارتقا ملا۔اس کے بعد داستان کے چار اہم مراکز بن گئے۔دہلی، کلکتہ، رام پور اور لکھنؤ خلیل علی خاں اشک کے بعد رام پور میں غالب لکھنوی نے بھی چار دفاتر پر مبنی یک جلدی داستان امیر حمزہ تحریر کی یہ اپنی زبان و بیان کی نوعیت سے غیر معمولی ہے۔قصّہ وہی کلکتہ کے نسخہ فورٹ ولیم کالج خلیل علی خاں اشک والا ہے اس کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے منشی نول کشور نے عبداللہ بلگرامی سے غالب لکھنوی کا نسخہ امیر حمزہ سامنے رکھ کر پہلے از سر نو یک جلدی داستان امیر حمزہ تحریر کروائی اور اسکی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے داستان امیر حمزہ لکھنے کے لیے کئی مصنف مامور کیے اور داستان امیر حمزہ کی طویل ۴٦ جلدی سلسلے کی ابتدا ہوئی۔ چنانچہ یہ مقبولیت اتنی بڑھی کہ داستان امیر حمزہ کے پاکٹ سائز ایڈیشن بھی شائع ہونے لگے۔ادھر دہلی میں بوستان خیال اور عجائب القصص جیسی داستانیں تحریر ہوئی چنانچہ ۱۹ ویں صدی داستانوں کے لیے عروج کی صدی بن گئی۔

لیکن داستانوں کی اس مقبولیت کے ساتھ ہی ایک سوال یہ سامنے آیا کہ داستانوں میں وہ کون سا جز وہے جو داستانوں کو قدیم قصّوں اور حکایتوں سے الگ کرتا ہے اس سلسلے میں کلیم الدین احمد کا کہنا ہے کہ ''داستان کہانی کی پیچیدہ اور بھاری بھرکم صورت ہے۔'' گیان چند جین ''فوق الفطرت کی تحیر خیز، حسن و عشق کی رنگینی، مہمات کی پیچیدگی، لطف بیان'' کے عناصر کو ہی داستان مانتے ہیں لیکن اس طرح کے قصّہ کہانیوں سے عرب، ایران اور ہندوستان کی قدیم تاریخ بھری پڑی ہے۔دور جاہلیت میں عرب سامر ریت کے ٹیلے پر بیٹھ کر کہانیاں سناتے تھے اور لوگ ساری رات سنتے تھے۔فارسی میں بھی اس طرح کی روایتیں موجود ہیں اس لیے گیان چند جین کا یہ بھی ماننا ہے کہ ''داستان گوئی سنانے کا فن ہے لکھنے کا نہیں۔''

ہندوستان میں داستان گوئی کا رواج سب سے زیادہ لکھنؤ، دلّی، رام پور اور حیدرآباد میں ہوا۔ باقر علی داستان گو کے نانا امیر علی قلعہ معلیٰ میں قصّہ سناتے تھے۔ان کے ماموں کاظم علی لکھنؤ اور حیدرآباد کے قصّہ گویوں سے زیادہ ترقی کی۔حکیم اصغر علی داستان گو رام پور کی قدر دانی دیکھ کر وہاں منتقل ہو گئے۔منشی میر فدا علی بھی بہت مشہور داستان گو تھے اور اس طرح داستانیں تہذیبی نمائندگی کے ساتھ ساتھ ذریعہ معاش بھی بن گئیں۔لیکن لکھنؤ، دلّی، رام پور، حیدرآباد کے تہذیبی زوال کے بعد داستانیں جو ایک صدی تک تہذیبی شناخت کا حصّہ ہوتی تھیں اور محفلوں کی زینت ہوا کرتی تھیں رو بہ زوال ہوئیں۔ یہ داستانیں ایک عہد تک غزلوں کی طرح ہماری ہندوستانی تہذیب و

معاشرت کا حصّہ بنی رہیں اور زبان و ادب کے فروغ کی بہت بڑی آلۂ کار بھی رہیں۔

طوالت ان داستانوں کا خاصہ تھا۔ کہانی کو تجسس بھرے موڑ پر روک کر محفل کو اگلے دن تک کے لیے برخاست کر دینا اس تہذیب کا خاص انداز تھا۔ طوالت کے علاوہ قصّوں کی تکرار اور مافوق الفطری کردار و عناصر بھی ان داستانوں کی خاصیت تھی۔

اردو کی ابتدائی داستانیں اور فورٹ ولیم کالج

اردو زبان کا داستانوی اثاثہ اولاً منظوم (مثنوی) اور پھر منثور ہوا سب سے پہلے نثر میں مذہبی باتیں بیان کی گئیں اور فضلی کی کربل کتھا کو اس میں اولیت حاصل ہے۔ داستانوں میں عطا حسین خاں تحسین کی نوطرز مرصع ۱۷۷۵ء پہلی مقبول داستان ہے۔ دکن میں سب رس (جسے پورے طور پر داستان نہیں تسلیم کیا جا سکتا کیونکہ یہ تمثیلی انداز کا قصّہ ہے) کے علاوہ مختصر حکایتیں اس کے علاوہ توتا کہانی، سنگھاسن بتیسی، بیتال پچیسی وغیرہ ایسے قصّے ہیں جن میں بھی کہیں نہ کہیں مافوق الفطری عناصر موجود ہے۔ نوطرز مرصع اس وقت لکھی گئی جب شمالی ہند میں قصّوں کا رواج عام نہیں تھا۔ اس کے بعد قصّہ ملک محمد اور گیتی افروز مہر چند مہر اور شاہ عالم ثانی کی عجائب القصص قابل ذکر داستانیں ہیں لیکن دور عروج فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد ہی آیا جس میں فارسی کے بہت سے مقبول قصّوں کو اردو میں منتقل کیا گیا جن میں باغ و بہار، داستان امیر حمزہ کے علاوہ اشک کی دوسری داستان قصّہ نگار خانۂ چین، حیدر بخش حیدری کی قصّہ مہر و ماہ، توتا کہانی، گلزار دانش، آرائش محفل تخلیق ہوئیں۔ بہادر علی حسینی نے گلکرسٹ کی فرمائش پر ۱۸۰۳ء میں نثر بے نظیر لکھی۔ نہال چند لاہوری نے مذہب عشق، للّو لال نے لطائف ہند، مذہب علی خاں ولا نے ہفت گلشن، گل وصنوبر وغیرہ لکھی ہیں۔ نرائن ہند نے ایک داستان افسانۂ جان و دل عرف قصّہ چہار باغ لکھی انشا نے دو داستانیں سلک گہر اور رانی کیتکی کی کہانی لکھ کر داستانی ادب میں گراں بہا اضافہ کیا اس کے علاوہ مختصر طویل کئی قصّوں کا سلیس اردو میں ترجمہ بھی کیا گیا لیکن فورٹ ولیم کالج کے میر امن کی باغ و بہار نے داستانوں کو جو عمومیت اور شہرت بخشی اس نے آگے چل کر نہ صرف فن داستان گوئی بلکہ داستان نویسی کو بھی بہت فروغ بخشا اور باغ و بہار کی روایت کی پیروی کر ۱۸۲۵ء میں فسانۂ عجائب منظر عام پر آئی اور فخر الدین حسن کی سروش سخن (۱۸۵۹) اور جعفر علی شیون کی طلسم حیرت جیسی داستانوں کے وجود کا سبب بنی۔ مختصر داستانوں میں عجائب القصص اور طویل داستانوں میں الف لیلہ، بوستان خیال اور داستان امیر حمزہ داستان کے سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں۔ عجائب القصص شاہ عالم ثانی کی لکھی ہوئی ابتدائی نثری داستانوں میں ہے۔ اس کا قصّہ روایتی منظوم داستانوں کا قصّہ ہے۔ ابتدا بھی منظوم داستانوں کے انداز پر حمد، نعت پھر منقبت سے ہوتی ہے لیکن اس کے بعد قصّہ نہ شروع کر کے احادیث اور پھر منقبت ائمہ معصومین پھر پسر دستگیر اور پھر شجرہ بیان کر کے آگے کی داستان روایتی انداز میں شروع ہے۔ اس داستان میں کچھ خاص نہیں لیکن نثری داستان کی جانب ایک مستحکم

قدم ہے اور کیونکہ شاہ عالم ثانی علم زبان و بیان کے ماہر تھے۔ چنانچہ اس میں زبان و بیان کی حسن کاری قابل دید ہے۔ یہ داستان فسانۂ عجائب سے قدرے طویل ۶۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

الف لیلہ و لیلہ داستانوی سلسلے کی سب سے اہم اور مضبوط کڑی ہے۔ اگرچہ داستان طویل ہے لیکن قصّہ در قصّہ ہے اور ہر قصہ اپنے آپ میں مکمل ہے۔ کہانی کا سلسلۂ ربط صرف یہ ہے کہ وزیر زادی شہرزاد کو بادشاہ کو ہر رات ایک نیا قصّہ سنانا ہے تاکہ بادشاہ کا صنف نازک پر دوبارہ اعتماد قائم ہو سکے۔ اس داستان کی اصل بھی عربی اور پھر فارسی ہے لیکن دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں کیونکہ ہر قصّہ اپنی جگہ الگ اور مکمل ہے اس لئے اسے بے پناہ مقبولیت تو حاصل ہوئی لیکن اصل داستان سے ان قصّوں کا ربط اکثر ٹوٹ گیا۔ ہندی، اردو، انگریزی یا دیگر زبانوں میں اس کے قصّے اپنے الگ نام سے شائع ہوتے اور پڑھے جاتے رہے ہیں۔ مثلاً علی بابا چالیس چور، سند باد جہازی، علاء الدین کا چراغ وغیرہ ایسے قصے ہیں جن کو لوگوں نے یہ جانے بغیر پڑھا ہے کہ یہ داستان الف لیلہ کا حصّہ ہیں۔ گیان چند جین نے اردو میں الف لیلہ کے مختلف النوع ۱۶ ترجموں کی نشاندہی کی ہے۔

داستانوی سلسلے کی اگلی اہم طویل داستان بوستان خیال ہے یہ دہلی میں تحریر ہوئی جب بوستان خیال تحریر ہوئی اس وقت تک یک جلدی داستان امیر حمزہ تحریر ہو کے مقبول ہو چکی تھی۔ اس لیے بوستان خیال کو وہ مقبولیت حاصل نہیں ہو سکی جس کی وہ متقاضی تھی اس کی اصل فارسی تھی اور ۱۶ جلدوں میں تھی۔ سب سے پہلے بوستان خیال کا اردو میں ترجمہ غالب کے بھتیجے امان اللہ خاں نے حدائق الذخار کے نام سے کیا۔ یہ تمام جلدیں چھپ کر ہاتھوں ہاتھ بک گئی اور کتاب کی مانگ بڑھی تو منشی نول کشور نے اسے چھپوانے کی اجازت چاہی اجازت نہ ملنے پر انہوں نے خود ترجمہ کروا کے ۹ مکمل جلدیں شائع کروائیں۔

داستانوں کی مقبولیت میں میر امن کی باغ و بہار اور رجب علی بیگ سرور کی فسانۂ عجائب خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ باغ و بہار سادگی اور فسانۂ عجائب حسن بیان کے لیے اپنی الگ پہچان رکھتی ہیں۔ فسانۂ عجائب کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس کے پہلے ایڈیشن کا دیباچہ مرزا غالب نے تحریر کیا تھا۔ ان دونوں داستانوں نے داستان کی اہمیت اور مقبولیت کو اتنا عروج دیا کہ داستان امیر حمزہ کی ۴۶ جلدیں اور طلسم ہوشربا جیسی داستان منظر عام پر آئی۔ یہ تمام قصّے اپنے متن کے لحاظ سے یکسانیت سے بھرپور ہیں۔ باغ و بہار کا قصّہ اگرچہ مثنوی کے قصّوں سے الگ ہے لیکن یہاں بھی مافوق الفطری، محیر العقول عناصر اور ایک جیسے واقعات مثلاً بادشاہ کا لاولد ہونا، نادیدہ عشق ہونا، پرندوں کا پیغام پہونچانا، بولنے والے توتے اور مینا کسی پرندے میں جان ہونا، پیشن گوئی کرنا، سادھو، بزرگ، نقاب پوش کی قصّہ میں موجودگی وغیرہ ایسی باتیں ہیں جو ان داستانوں کے الگ ہونے پر بھی ان میں یکسانیت کے پہلو پیدا کر دیتی ہیں۔ ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ ان میں سے کسی بھی داستان کا جائے وقوع سرزمین ہند نہیں ہے بلکہ عرب، چین،

مصر وغیرہ ہے۔ غالباً داستان گوایسا اس لیے کرتے تھے تاکہ سامعین مرعوب ہوسکیں کیونکہ اپنے ملک کے بادشاہ اور حالات کوانسان جانتا ہےاس پرفرضی قصّوں کی تخلیق نہیں ہوسکتی۔اس لیے جب دور دراز کی بات ہوگی تو لوگوں کواس کے حقائق میں شبہ نہیں ہوگا۔کوہ قاف کی پریوں پر کسے شک ہے۔شاید داستانوں کے زوال کا بھی یہی سبب رہا کہ جب علم زیادہ حقیقت پرست ہوگیا دنیا ایک نقطہ پرآ گئی انسان ہرجگہ سفر کرنے لگا تو اس طرح کی مافوق الفطری اور محیرالعقول باتوں سے متاثر ہوناممکن نہیں رہا۔

باب دوم۔داستان امیرحمزہ کےاردوتراجم

داستان امیرحمزہ کا تعارف

داستان امیرحمزہ اردو کی مقبول ترین داستانوں میں سے ایک ہے۔ یہ داستان کوئی ایک داستان نہیں بلکہ داستانوں کا ایک مربوط سلسلہ ہے جوفورٹ ولیم کالج میں خلیل علی خاں اشک کی چار دفاتر پرمبنی و یک جلدی داستان امیرحمزہ سے شروع ہوکر ۴۶ ضخیم جلدوں اور ۱۴ دفاتر پرمبنی منشی نول کشور کے مطبع سےاشاعت پذیر ہوکر مقبول خاص وعام ہوا۔

فورٹ ولیم کالج کانسخۂ اشک

داستان امیرحمزہ کی اشاعت کے کئی سلسلے ہیں لیکن اس کی مقبولیت فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد ہوئی وہاں زبان اردو سیکھنے کے سلسلے کے تحت بہت ساری کتابیں دوسری زبانوں سے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کرا کے شائع کی گئیں اور وہیں خلیل علی خاں اشک کی چار دفاتر پرمبنی یک جلدی داستان امیرحمزہ چھپی۔اس میں اشک نے دیباچہ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ داستان اصلاً فارسی میں ابوالفیض فیضی نے لکھی حالانکہ گیان چند جین اور شمس الرحمٰن فاروقی نے اس دعوے کورد کیا۔فاروقی صاحب نے ذاتی گفتگو کے درمیان اور'ساحری،شاہی،صاحبقرانی' میں کہا ہے کہ اپنی تصنیف کو بلندترین رتبہ دینے کے لیے اس طرح کے دعوے کرنا اس وقت کی عام بات ہے۔ریختہ کی ویب سائٹ پرفارسی کی رموزحمزہ کا عکس ہے لیکن اس کے سرورق اور بیک کور(Back Cover) دونوں نہیں ہیں۔اس کے پہلے اورآخری صفحے کی عبارت سے صرف مطبع کا نام پتا چلتا ہے اور وہ جس کی فرمائش سے اسے تحریر کیا گیا ہے۔اس کے اول صفحہ پر مندرجہ ذیل تحریر درج ہے۔

''ہذا کتاب مستطاب داستان امیرحمزۂ صاحب قران رضی اللہ عنہ موسوم برموزحمزہ برحسب فرمائش عالیجاہ آقا میرزا محمد ملک الکتاب شیرازی المخاطب من طرف دولت فخمہ انکلیسیّہ بہ خان صاحب دربندر بمبئی بزیور طبع آمد۔''

آخری صفحہ پر درج تحریر ذیل میں پیش ہے:

''بعون اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ داستان امیرحمزہ صورت انجام وسمت اختتام پذیرفت بر

حسب فرمایش عالیجاہ رفیعجایگاہ مجدت ونجدت ہمراہ عمدۃ الاعیان میرزا محمّد خان ملک
الکتاب مُلقب بہ خان صاحب زیدعزّہ و در مطبع سپھر مطلع مظفّری واقع در معمورۂ
بمبئ بحلیہ طبع آراستہ واز ہرعیبی پیراستہ کردیدوکان الفراغ فی شھر ربیع الثانی من
شھور ۱۳۲۷ من الہجرۃ المقدستہ۔''

اس میں حمزہ، بزرچمہر اور عیاروں کی داستان ہے لیکن مصنف نہیں چنانچہ یہ تو یقینی ہے کہ اشک کے سامنے یا تو فارسی کا کوئی نسخہ تھا یا کسی داستان گو سے انھیں یہ قصہ معلوم ہوا کیونکہ یہ کہانی پہلے سے چلی آرہی تھی لیکن اشک کو یہ قصہ کہاں سے ملا اس بات سے زیادہ اہم یہ ہے کہ اشک کی داستان امیرحمزہ سے اردو میں یہ روایت پروان چڑھی اور اس کی مقبولیت بہت بڑھی۔ لکھنؤ کے مشہور داستان گو احمد علی رامپور چلے گئے اور انہوں نے وہاں داستان امیرحمزہ کی بنیاد ڈالی بعد میں ان کے شاگرد حکیم سید اصغر علی خاں داستان گو نے اس روایت کو آگے بڑھایا اور ان کے بیٹے ضامن علی نے بھی میر احمد علی کے ہی شاگرد منشی انبا پرشاد رسا نے بھی لکھنؤ میں کئی جلدیں تحریر کیں۔ ان کے منشی غلام رضا، مہد علی خاں ذکی مرادآبادی، شفیع علی خاں لکھنوی، منیر شکوہ آبادی، سید جعفر شاہ واسق، حیدر مرزا تصور، لکھو ہتک لکھنوی، مرتضٰی حسن رضا لکھنوی، مرزا علیم الدین، مرزا کلن داستان گو وغیرہ وہ مصنف ہیں جنہوں نے رامپور میں ایک یا متعدد داستانیں لکھیں۔ ان سبھی نسخوں میں بیانیہ کی لذت کو ملحوظ رکھا گیا اور ان تمام سلسلوں کو لکھنوی سلسلے سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہ سبھی مخطوطے رامپور رضا لائبریری میں موجود ہیں لیکن داستان امیرحمزہ کو خلیل علی خاں اشک کے نسخے سے جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کی شاخیں لکھنؤ سے جڑی ہیں۔

غالب لکھنوی کا نسخۂ رامپور

غالب لکھنوی کا نسخہ شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کا پہلا صفحہ نہیں ہونے کے باعث سن اشاعت اور مطبع نہیں پتا چلتا لیکن پہلے صفحے سے اتنا پتا چلتا ہے کہ یہ فارسی کی چودہ جلدوں سے ایک جلد کی گئی حالانکہ اس کی حقیقت مشکوک ہے۔

غالب لکھنوی کی داستان امیرحمزہ بھی شہر مداین کے بادشاہ قباد کامران اور زمرچہر کے نام سے شروع ہوا اور امیہ ضمیری کے یہاں عمرو پیدا ہوئے اور اس کے بعد حمزہ کفرشکنی کے لیے نکلے اور لقا شاہ باختری ست برسرپیکار ہوئے جس کی طرف سے جنگ کے لیے ساحروں کی فوج تھی اور قصہ جنگ سحر اور عیاری کی رنگ سے آگے بڑھا۔

مطبع نول کشور کے نسخے

جس سلسلے نے داستان امیرحمزہ کو سب سے زیادہ مقبولیت بخشی وہ مطبع نولکشور کے نسخے ہیں جہاں منشی نول کشور نے اسے چھاپنے کی اجازت نہ ملنے پر عبداللہ بلگرامی سے ازسرنو تحریر کرا کے چھپوایا یہ کم وبیش غالب لکھنوی کے قصے سے ہی

مستعار تھا لیکن اس کے نسخے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے تو مقبولیت کو دیکھتے ہوئے نول کشور نے کئی منشی مامور کر کے آٹھ دفاتر ۴۶ جلدوں میں اسے تحریر کر کے چھپوایا جس کا مقبول ترین دفتر طلسم ہوشربا ہے یہ اگر چہ پانچواں دفتر ہے لیکن سب سے پہلے اشاعت پذیر ہوا باقی دفاتر اسکے بعد چھپنے شروع ہوئے۔

دفتر اول۔نوشیرواں نامہ۔تصدق حسین (دو جلدیں)

دفتر دوم۔کوچک باختر۔تصدق حسین (۱ جلد)

دفتر سوم۔بالا باختر۔تصدق حسین (۱ جلد)

دفتر چہارم۔ایرج نامہ۔تصدق حسین (۲ جلدیں)

دفتر پنجم۔طلسم ہوش ربا۔محمد حسین جاہ (۴ جلدیں۔اول، دوم، سوم، چہارم)

دفتر پنجم۔طلسم ہوشربا۔احمد حسین قمر (۴ جلدیں۔پنجم حصہ اول و دوم، ششم، ہفتم)

دفتر ششم۔صندلی نامہ۔محمد اسمٰعیل اثر (۱ جلد)

دفتر ہفتم۔تورج نامہ۔پیارے اعانت تصدق حسین (جلد اول)

دفتر ہفتم۔تورج نامہ۔تصدق حسین بہ تصحیح اسمٰعیل اثر (جلد دوم)

دفتر ہشتم۔لعل نامہ۔تصدق حسین (دو جلدیں)

یہ تمام قصے یک جلدی داستان امیر حمزہ کی طویل شکل ہیں حمزہ کو ایک کے بعد ایک نئی مہم کا سامنا کرنا پڑتا ہے لقا حمزہ سے ڈر کر کسی نئی طلسمی ریاست میں چھپتا ہے اس کا پیچھا کرتے ہوئے امیر حمزہ اور ان کے لشکری جاتے ہیں اور طلسم شکنی ہوتی ہے کفر پر اسلام کو فتح ہوتی ہے جشن ختم نہیں ہوتا کہ ایک نئے مخاطرے کی شروعات نئی جنگ سے ہو جاتی ہے اور پھر وہی باتیں دوبارہ ہوتی ہیں عمرو اور دیگر عیاروں کی مدد سے فتح ہوتی ہے ساحر مارے جاتے ہیں طلسم ٹوٹتا ہے ایک دفتر ختم ہوتا ہے اگلے دفتر میں نئی مہم کی شروعات ہوتی ہے۔

داستان امیر حمزہ کا مقبول ترین دفتر طلسم ہوشربا

طلسم ہوشربا اسی طرح کا ایک طلسم ہے جس کی سرحد پر ایرج نامہ میں ایرج سے شکست کے بعد زمرد شاہ لقا باختری حمزہ سے بچنے کے لیے پناہ لیتا ہے، حمزہ کا لشکر اس کا پیچھا کرتے کرتے یہاں بھی پہونچتا ہے۔ یہ سلیمان عنبر ین موی کوہی کی طلسمی سلطنت ہے جو سلطنت افراسیاب کی ماتحتی میں ہے۔ سلیمان عنبر ین موی کوہی لقا کی حفاظت کے لیے افراسیاب سے مدد مانگتا ہے کیونکہ اس کی سرحد پر امیر حمزہ اپنے لشکر اور عیاروں کے ساتھ خیمہ زن ہیں۔ افراسیاب اس کی مدد کے لیے ساحران زبردست بھیجتا ہے لیکن حمزہ کا قصہ تو بیرون طلسم ہوشربا ہے اصل قصہ تو اندرون طلسم ہے کیونکہ حمزہ کا مقصد طلسم شکنی ہے چنانچہ حمزہ کے بیٹے ایک دن باپ سے شکار کھیلنے کی اجازت چاہتے ہیں اور اجازت نہ ملنے پر

اپنی ماں گردیہ بانو سے سفارش کرا کے ایک دن کی اجازت پر شکار کھیلنے جاتے ہیں۔ یہاں ایک ہرن کا پیچھا کرتے کرتے طلسم ہوشربا کی سرحد میں داخل ہو جاتے ہیں اور ہرن کو اپنی تیر سے ہلاک کرتے ہیں یہ کوئی معمولی ہرن نہیں بلکہ غزال جادو تھا جو طلسم کی سرحد کی نگرانی پر مامور تھا۔اس کے مرتے ہی بیر غل مچاتے ہیں خبر افراسیاب کو پہونچتی ہے اور بدیع الزماں ملکہ تصویر جادو کی نگرانی میں قید ہوتے اور داستان گو محمد حسین جاہ یہیں سے داستان میں رنگ آمیزی کرنا شروع کرتے ہیں۔ یہ داستان گو کی ہی ایجاد ہے کہ لشکر حمزہ کے ہر مجرم طلسم کو کسی نسوانی کردار کی نگرانی میں رکھا جاتا ہے وہ اس کے عشق میں گرفتار ہو کر مطیع اسلام ہو جاتی ہے۔ بدیع الزماں کو چھڑانے کے لیے اسد غازی پانچ عیاروں عمرو عیار، مہتر قراں، برق فرنگی، ضرغام شیر دل اور جانسوز کے ساتھ داخل طلسم ہوتے ہیں اور قید ہوتے ہیں۔ اسد کو مہ جبین کی نگرانی میں قید کیا جاتا ہے وہ بھی گرفتار عشق اسد ہوتی ہے اور مہ جبین کی نانی ملکہ مہرخ سحر چشم پہلے ہی افراسیاب سے ناراض ہیں کیونکہ اس نے حیرت کی بیٹی سے عشق کرنے کی سزا میں مہرخ کے بیٹے شکیل جادو کو قید کر رکھا ہے۔ ملکہ مہرخ زبردست ساحرہ ہے وہ کتاب جمشیدی سے یہ بھی جان لیتی ہے کہ اسد غازی طلسم شکن ہیں چنانچہ مطیع اسلام ہوتی ہے اس کے ساتھ بہت سے ماتحت ساحران بھی شامل ہوتے ہیں اور اس طرح ملکہ مہرخ کی سپہ سالاری میں جنگ لشکر اسلام ہوتی ہے قصہ در قصہ الجھتا ہے جتنے بڑے ساحران ہیں وہ بذریعہ عشق یا بذریعہ طاقت یا مستقبل کا حال جان کر مطیع اسلام ہوتے ہیں اور سات جلدوں میں (جن میں جلد پنجم دو حصوں میں ہے) یہ قصہ بادشاہ طلسم نور افشاں کوکب روشن ضمیر ،اس کی بیٹی براں اور مالک طلسم نور افشاں اور دیگر لاتعداد ساحران کی مدد سے حجرۂ ہفت بلاؤں کو ختم کر کے اسد غازی کے ہاتھوں طلسم شکنی کے بعد ختم ہوتا ہے۔ افراسیاب مارا جاتا ہے اور اس کے ساتھ طلسمی دنیا کا بھی خاتمہ ہوتا ہے۔ طلسم ہوشربا کرداروں کی ساخت مافوق الفطری عناصر کی پیش کش اور زبان و بیان اور تہذیبی مرقعوں سے داستان امیر حمزہ کا مقبول ترین دفتر بنی جو سب سے پہلے اشاعت پذیر ہوا اور سب سے بعد تک ہوتا رہا۔ ۱۹۸۸ء میں خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ نے ایک بار پھر اس کی تمام جلدوں کے عکسی ایڈیشن شائع کیے۔

باب سوم۔ طلسم ہوشربا میں مافوق الفطری کردار و عناصر کی اہمیت

داستانوی روایت کی کامیابی کا زیادہ تر دارومدار اس کے مافوق الفطری کردار و عناصر پر ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ قدیم عالمی ادب میں بھی کامیابی کا راز مافوق الفطری واقعات پر ہی مبنی ہے۔ وہ دور قدیم کے انسانوں کی راسخ الاعتقادی اور توہم پرستی کا دور تھا انہیں اپنی اصل زندگی میں بھی اب باتوں پر یقین تھا۔ سنسکرت، عربی، فارسی وغیرہ تمام قدیم زبانوں میں بولنے والے جانور، اڑنے والی قالین، جن بھوت وغیرہ صرف خوف و وحشت نہیں بلکہ تفریح طبع اور دلچسپی کا سامان بن کر سامنے آتے ہیں۔ پنچ تنتر، انوار سہیلی، سعدی اور جامی کی مختصر حکایتیں وغیرہ مافوق الفطری عناصر سے بھری ہیں۔ طلسم ہوشربا کی کامیابی کا راز بھی اس میں موجود مافوق الفطری کردار و عناصر میں ہی مضمر ہے۔ یہ کئی

اقسام کے ہیں جن میں سحر وساحری اور ساحر کے کردار خاص ہیں لیکن ان ساحروں کی حرکات سے جو واقعات آگے بڑھتے ہیں ان سے جو مافوق الفطری عناصر سامنے آتے ہیں وہ بھی مختلف قسم کے ہیں۔ایسے کردار جو انسانی ہیں اور ایسے کردار جو نیم انسانی ہیں اس کے علاوہ چرند و پرند اور غیر جاندار چیزیں شامل ہیں۔

ساحر اور سحر طرازیاں

سحر ان داستانوں کا سب سے نمایاں وصف ہے جو کہ نام سے ہی ظاہر ہے طلسم ہوشربا کی ریاست کا دارومدار ہی سحر ہے اور طلسم شکنی کے بغیر طلسم ہوشربا کو فتح نہیں کیا جا سکتا اور نہ شہزادہ بدیع الزماں کو آزاد کرایا جا سکتا ہے۔اس ریاست کو چلانے کے لئے طلسم ہوشربا کا بادشاہ افراسیاب ہے اور اس کی بیگم ملکہ حیرت جادو ہے جو باغ سیب میں رہتے ہیں جہاں دشمنان افراسیاب کی پہنچ نہیں ہے۔افراسیاب کے مطیع ساحران کئی طلسمی ریاستوں کے مالک ہیں یہ سبھی ساحر غیر معمولی مافوق الفطری طاقتوں کے حامل ہیں ان ساحروں کے سحر غضب ناک ہیں۔چنانچہ لشکر حمزہ ان کا سامنا نہیں کر سکتا لیکن فتح تو حمزہ کی ہوتی ہے اور اسد غازی کے ہاتھوں طلسم شکنی ہوتی ہے۔چنانچہ داستان نویس اس کا راستہ یہ نکالتا ہے کہ طلسم کے کئی ساحر مطیع لشکر اسلام ہو جاتے ہیں۔سحر کا مقابلہ سحر سے ہوتا ہے۔جن پریت دیو اور دیوزاد خوفناک ساحران سب کی بالآخر شکست ہوتی ہے۔

نیم انسانی کردار

ساحروں کے علاوہ کچھ نیم انسانی کردار جو ساحروں کے سحر کے تراشیدہ ہوتے ہیں ان کا بھی قصّہ میں اہم کردار ہے۔بیر، پتلیاں اور پرندے طلسمی ریاست کے پیغامات بادشاہ تک پہنچاتے ہیں۔کسی بھی ساحر کے مارے جانے پر بیر شور مچا کر اس ساحر کی موت کی خبر شہ طلسم تک پہنچاتے ہیں۔اس کے علاوہ سحر کے بنے ہوئے چرند و پرند اور دوسرے جانور بھی طلسم ہوشربا میں نظر آتے ہیں۔یہ دراصل ساحر ہوتے ہیں جو کسی طلسمی ریاست کے نگراں کے طور پر یا خبر رساں کے طور پر اپنا حلیہ بذریعہ سحر تبدیل کرتے ہیں اور طلسم کی سرحدوں کی خبر رکھتے ہیں۔

طلسمی ریاستوں میں تمام اجناس بھی طلسمی خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں۔کوئی ساحر مارا گیا تو اس کی طلسمی ریاست بھی اس کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے پتلیاں شور مچاتی ہیں کشتن مرا ساحر (ساحر کا نام) اور اس کے ساتھ میں ندیاں، پہاڑ، جھرنے، محل، باغات جو اس طلسمی ریاست میں طلسم سے بنے ہوتے ہیں ان کا بھی خاتمہ ہوتا ہے اور ساحر کو مارنے والا عیار لشکر حمزہ کا ساحر اپنے کو بیابان میں پاتا ہے اور فلاح کے لئے غائب ہو جاتا ہے۔

طلسم میں بات کرنے والے جانور بھی ہیں جو آپس میں انسانوں کی طرح بات کرتے ہیں اور طلسم کے رازوں کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں۔کبھی کبھی ان جانوروں کے ذریعہ اسد وغیرہ کو خطرات کا علم بھی ہو جاتا ہے۔

مافوق الفطری عادات کے حامل انسانی کردار

طلسم ہوشربا میں مافوق الفطری عادات کے حامل انسانی کردار بھی ہیں یوں تو ساحر بھی انسان ہیں لیکن انہیں مافوق الفطری نقطۂ نظر سے ہی تراشا گیا ہے۔انسانی کرداروں میں کنبہ حمزہ کے سارے کردار کم وبیش غیر فطری عادات وخصائل کے مالک ہیں کئی کے پاس لوح طلسمی ہے بہادری میں اتنے بڑھ کر ہیں کہ ساحروں سے بھی جنگ کر لیتے ہیں خصوصاً امیر حمزہ اول تا آخر اپنے مقصد سے نہیں ہٹتے ان کے پاس نقش سلیمانی اوراسم اعظم ہے جوخدائی تحفہ جات ہیں اوراس کی مدد سے وہ ساحروں کی ہر گزند سے بچ جاتے ہیں۔کوئی بھی ساحر جب انہیں زیر کر پاتا ہے تو سب سے پہلے حمزہ کی زبان میں سوزن دے کر اسم حمزہ کو سحر سے شیشے میں بند کر دیتا ہے پھر کوئی عیار آتا ہے شیشہ توڑتا ہے اور اسم اعظم انہیں یاد آجاتا ہے پھر وہ ساحر کا خاتمہ کرتے ہیں۔اسی طرح ان کے پاس نقش سلیمانی ہے جسے وہ شیشے کی طرح دکھا کر ہمیشہ رفع سحر کرتے ہیں اسی لئے لقا ان سے بے پناہ ڈرتا ہے اور بھاگ کر ساحروں کی ریاست میں پناہ لیتا ہے۔کوہ عقیق کے مالک خداوند لقا جس کی افراسیاب پرستش کرتا ہے وہ بھی غیر فطری سا کردار ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا ہے لیکن اتنا ڈرپوک ہے کہ ذرا سا خطرہ محسوس ہونے پر جگہ سے بھاگ کر کسی ساحر کی سرحد میں پناہ لیتا ہے۔اسی طرح نبیرۂ حمزہ کے سبھی بہادروں کے پاس لوح طلسمی ہے جسے وہ دھوکے سے ساحر کے جسم میں لگاتے ہیں اوراسی وقت ساحر کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔

بانہائے عیاری

طلسم ہوشربا میں موجود عیار بھی ہیں تو عام انسان لیکن ان سے جو حرکتیں سرزد ہوتی ہیں اور جس طرح کی عیاری کر کے وہ زبردست ساحروں یہاں تک کہ حجرۂ ہفت بلا کی بلاؤں کو بھی مار لیتے ہیں وہ قطعی طور پر مافوق الفطری عادات ہیں روغن عیاری سے اس طرح شکل بدلنا کہ ہو بہو کسی کے جیسے بن جائیں ناقابل یقین امر ہے نیز جو عیار اس کے ساتھ داخل طلسم ہوتے ہیں ان کے پاس پیغمبران کے دئے ہوئے کچھ تحفہ جات ہیں جن سے وہ اپنی حفاظت اور دشمنوں کا خاتمہ کرتے ہیں خصوصاً عمر وعیار کو مزار آدم علیہ السلام پر خواب میں کچھ تحفے ملے تھے جن کی خاصیت انبیا علیہم السلام نے نیند کی حالت میں انہیں بتائی تھی جن کی مدد سے وہ عیاری کرتے ہیں ان میں سب سے زبردست ان کی زنبیل ہے جس میں سات ملک آباد ہیں انہیں دشمن یا دوست جسے بھی چھپانا یا قید کرنا ہوتا ہے اسی زنبیل میں ڈال دیتے ہیں۔دوست ان ملکوں میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں اور دشمن مزدوری کرتے ہیں۔اسی میں یہ بانہائے عیاری رکھتے ہیں اور وقت آنے پر نکالتے ہیں اور ہر ضرورت کی چیز اس میں موجود ہے۔ساحروں کے مارے جانے پر ان کے مال واسباب لوٹ کر اسی میں ڈالتے ہیں۔یہ زنبیل بہت چھوٹی ہے اور ہر وقت ان کے کندھے پر رہتی ہے۔ عمر وعیار کا دوسرا ہتھیار جال الیاسی ہے جسے وہ سامان لوٹنے کے لئے استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس کی یہ خاصیت ہے

کہ چاہے جتنے وزن کی چیز ہو ہلکی معلوم ہوتی ہے اس لئے انہیں سامان لوٹنے میں آسانی ہوتی ہے۔کبھی کبھی فوج مخالف کے ساحر کی گرفتاری کے لئے بھی اپنے اس آلہ کا استعمال کرتے ہیں۔عمرو کے پاس ان تحفہ جات پیغمبران میں ایک گلیم ہے جسے اوڑھ کر وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں جب بھی کوئی ساحر مارا جاتا ہے اور انہیں گرفتاری کا خوف ہوتا ہے تو جلدی سے زنبیل سے نکال کر گلیم اوڑھ لیتے ہیں۔انبیا علیہم السلام نے اس گلیم کی مدد سے کسی کو قتل کرنے یا نقصان پہنچانے سے منع کیا ہے اس لئے صرف اپنی حفاظت کے لیے اور لوگوں سے چھپنے کے لیے ہی عمرو گلیم کا استعمال کرتے ہیں۔عمرو کا سب سے خطرناک ہتھیار منڈھی ہے جب عمرو کہیں پھنس جاتے ہیں تو منڈھی کھڑی کر کے اس میں بیٹھ جاتے ہیں اس میں جو ساحر آئے گا وہ الٹا لٹک جائے گا اپنا سحر بھول جائے گا لیکن اس میں بھی وہ کسی کو قتل نہیں کر سکتے چنانچہ جو بھی ساحر منڈھی میں آ کے لٹک جاتا ہے اسے وہ کوڑے لگا کر مطیع اسلام کرتے ہیں اگر کوئی دھوکہ کرتا ہے تو اسے بھی لٹکا دیتے ہیں۔ساحرۂ زبردست ملکہ بہار جادو کو انھوں نے اسی منڈھی میں مطیع اسلام کیا اس منڈھی پر کسی طرح کے سحر کا اثر نہیں ہوتا۔اس کے علاوہ عمرو کے پاس دیو جامہ ہے جو رنگ بدلتا رہتا ہے اسے پہن کر وہ ساحروں کو ڈراتے ہیں۔عمرو کے تحفہ جات میں ایک نے ہے اور نظر کردۂ پیغمبران کے باعث آواز بھی بہت دلکش ہے تو جب وہ نے بجاتے اور گاتے ہیں تو لوگ بے خود ہو جاتے ہیں چرند و پرند بھی مبہوت ہو جاتے ہیں۔ایسے میں کسی بھی جشن میں موقع پا کر وہ شراب میں داروئے بیہوشی ملا کر عیاری کرتے ہیں اور ساحروں کا خاتمہ کرتے ہیں۔ روغن عیاری، داروئے بیہوشی اور بیضۂ بیہوشی تو ہر عیار کے پاس ہے۔وہ اپنا حلیہ بدل کر کسی ساحر کی شکل بنا کر لشکر افراسیاب میں عیاری کرتے ہیں۔عمرو کے ساتھ جو چار عیار مہتر قراں، برق فرنگی، ضرغام شیر دل اور جانسوز داخل طلسم ہوئے ان میں مہتر قراں کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیا ایک بغدہ ہے جس سے ایک ہی وار سے دشمن کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ برق فرنگی کے پاس سارے جانوروں کی کھال ہے جس سے وہ عیاری کرتا ہے اس طرح عیار ہیں تو انسان لیکن کیونکہ نظر کردۂ پیغمبران اور سر برندۂ ساحران ہیں تو ان سے جو حرکات وسکنات سرزد ہوتی ہیں وہ مافوق الفطری ہیں۔

غیر مرئی اجناس مثلاً باغ، پہاڑ، ندیاں وغیرہ

طلسم ہوشربا میں جتنی بھی ریاستیں ہیں سب طلسمی ہیں اس لئے یہاں کے جنگل، پہاڑ، جھرنے سب طلسم کے بنے ہوئے ہیں اس کے علاوہ جنگ کے بیچ آگ کا دریا آ جانا، خوفناک تیز آندھیوں کا آنا وغیرہ سے بھی یہ قصے آگے بڑھتے ہیں لیکن چونکہ یہ سب سحر کے ہوتے ہیں تو ساحر کے مارے جاتے ہی سب کچھ ختم ہو جاتا ہے اور لشکر حمزہ اپنے آپ کو لق ودق ویرانے میں پاتا ہے۔اس کے علاوہ خوبصورت باغات، چاندی کے جنگل، سونے کے پہاڑ وغیرہ طلسم کا حسن بنانے کے لیے ہیں طلسم ٹوٹتے ہی سب غائب ہو جاتے ہیں۔

حجرۂ ہفت بلا

یہ جتنے بھی مافوق الفطری عناصر ہیں اس میں یہ بلائیں سب سے خطرناک ہیں۔ یہ ہیں تو ساحر لیکن طلسم ظلمات میں رہتی ہیں اور بوقت طلسم کشائی باہر آتی ہیں کیونکہ ان کو قتل کیے بغیر طلسم فتح نہیں ہوسکتا۔ ان میں پہلی بلا مشعل جادو، دوسری بلا ملکہ تاریک شکل کش، تیسری بلا احتقاق جادو، چوتھی بلا شہنا نواز جادو، پانچویں بلا ملک اخضر گوہر پوش، چھٹی بلا مبہوت فیلزور، ساتویں بلا ہفت سر جادو ہے۔ ساتویں بلا کے خاتمہ کے ساتھ طلسم ہوشربا کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ افراسیاب مارا جاتا ہے اور کوکب روشن ضمیر برہمن روئین تن اور نور افشاں سخت ریاضت سے اپنے لشکر کے مرے ہوئے لوگوں ملکہ مہرخ سحر چشم، ملکہ مجلس جادو، سرخمو کاکل کشا وغیرہ کو دوبارہ زندہ کرتے ہیں۔

دیگر عناصر

طلسم ہوشربا میں تقریباً تمام عناصر میں مافوق الفطری ہیں لیکن اس میں کچھ میں خصوصی کشش اور دلچسپی کے عناصر ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اس کے علاوہ کچھ اور چیزیں مثلاً کتاب سامری، پنجۂ سحر، نقارۂ سحر اور خاک جمشیدی وہ عناصر ہیں جن کا ذکر طلسم ہوشربا میں اول تا آخر موجود ہے۔ کتاب سامری وہ کتاب ہے جس میں حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں خدائی کا دعویٰ کرنے والے خداوند سامری نے طلسم کا مستقبل لکھ دیا ہے چنانچہ افراسیاب اور دوسرے ساحران طاقتور اس سے مستقبل کا حال معلوم کرتے ہیں۔ خداوند جمشید کی لکھی ہوئی کتاب جمشیدی میں طلسم کا خاتمہ لکھا ہے۔ اس کو عیار چالاکی سے حاصل کر کے اس سے ساحروں کو مارنے کے طریقے پتا کرتے ہیں۔ طلسم کب ختم ہوگا اور اسد طلسم شکنی کریں گے یہ بھی اس کتاب میں تحریر ہے۔ چنانچہ ان دونوں کتابوں کو طلسم ہوشربا میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ سحر سے بنے ہوئے پنجۂ سحر ہوتے ہیں جنہیں دونوں طرف کے ساحر استعمال کرتے ہیں اپنے لشکر کے ساحروں کو حفاظت سے نرغۂ دشمن سے نکالنے کے لیے بھی اور جنگ کے دوران دشمنوں کو اٹھانے کے لیے بھی پنجۂ سحر بھیجے جاتے ہیں جو اپنی گرفت میں مطلوبہ شخص کو پکڑ کر قید کرتے ہیں یا حفاظت سے اپنے خیمہ میں پہونچاتے ہیں۔ افراسیاب پنجۂ سحر کا استعمال ساحروں کو اپنے دربار میں طلب کرنے کے لیے بھی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کوہ سلیماں پر ایک نقارہ ہے جس کی آواز بہت دور تک جاتی ہے۔ لقا یا سلیمان عنبرین موی کو ہی کو جب افراسیاب تک کوئی پیغام دینا ہوتا ہے تو وہ کوہ سلیماں پر نامہ لکھ کر نقارہ بجا دیتے ہیں پنجۂ سحر آتا ہے اور نامہ لے جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جس طرح حمزہ کے پاس اسم اعظم اور نقش سلیمانی ہے اسی طرح ساحروں کے پاس بھی کچھ ساحرانہ طاقتوں سے پر اشیاء ہے جن میں سب سے اہم خاک جمشیدی ہے جو خداوند جمشید کا دیا ہوا عطیہ ہے، سبھی ساحروں کے پاس ہوتی ہے۔ جب بھی ساحر لشکر اسلام سے شکست کا سامنا کرتے ہیں اور ان کا کائی طاقتور ساحر مارا جاتا ہے تو وہ خاک جمشیدی اڑا دیتے ہیں اس سے تاریکی ہوتی ہے تیز ہوا چلتی ہے کسی کو کچھ نہیں دکھتا اور ایسے میں ساحران چھپ کر

غائب ہو جاتے ہیں۔

اس طرح طلسم ہوشربا کی مقبولیت کا راز اس کے مافوق الفطری عناصر کی دلکش تشکیل میں پنہاں ہے۔

باب چہارم۔ طلسم ہوشربا کے طلسمی اور غیر طلسم کرداروں کا تجزیہ

داستانوں میں کرداروں کی تخلیق اور ان کی پیش کش کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ اس باب میں طلسم ہوشربا کے کرداروں کو مختلف خانوں میں تقسیم کر کے ان کی خصوصیات کو متن کے حوالے سے واضح کیا گیا ہے۔ طلسم ہوشربا میں کئی طرح کے کردار ہیں پہلے امیر حمزہ اور ان کے اہل کنبہ جن کے باعث اس طلسمی داستان کی شروعات ہوئی پھر عیاران لشکر اسلام اور ملک باختر کا مالک لقا شاہ باختری، اس کے علاوہ ساحران بھی دو حصہ میں منقسم ہیں وہ ساحر جو مطیع اسلام ہوئے اور وہ ساحر جو افراسیاب کے مطیع رہے افراسیاب اور حیرت مالکان طلسم ہوشربا اور عیار بچیاں۔ ان کرداروں میں یکسانیت ہے لیکن اس کے باوجود ان میں ایک خاص بات ہے جو ان کے عکس ذہن پر مرتب کر دیتی ہے۔ تعداد میں ہزاروں ہونے کے باجود ان کے نام منتخب کرتے وقت ایسا حسن سلیقہ ہے کہ ہر ایک ساحر اور ساحرہ کے نام سے اس کی ساحرانہ لیاقت کی عکاسی ہوتی ہے۔

امیر حمزہ اور ان کا خاندان

لشکر حمزہ میں سب سے اہم کردار امیر حمزہ کا ہے جن کی زندگی کا مقصد سرزمین خداداد سے کفر کا خاتمہ ہے ان کی جنگ لقا شاہ باختری سے جس کی مدد کے لیے زبردست ساحران ہیں جو اس کی پرستش کرتے ہیں کیونکہ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن حمزہ اسلام کے ماننے والے ہیں اس لیے وہ سحر نہیں کرتے پھر انہیں ساحروں پر قابو کیونکر ہوگا چنانچہ اس مسلۂ کو حل کرنے کے لیے داستان نویس انہیں اسم اعظم اور نقش سلیمانی کا مالک بنا دیتے ہیں جس سے انہیں بڑے سے بڑے ساحر پر فتح حاصل ہوتی ہے اسم اعظم کے ورد سے رد سحر ہوتا ہے اور نقش سلیمانی دکھانے سے ساحر اپنا سحر بھول جاتا ہے اور حمزہ پر سحر کا اثر نہیں ہوتا لیکن داستان گو کو دلچسپی اور تجسس پیدا کرنا ہے۔ کوئی بھی طاقتور ساحر حمزہ کی زبان میں سوزن دے کر اسم اعظم بند کر دیتا ہے اور اسے شیشے میں رکھ کر اسے سحر سے محفوظ کر دیتا ہے تا کہ عیاران اسلام کی وہاں تک رسائی نہ ہو لیکن عیار اتنے تیز ہیں کہ ساحروں کو پتا نہیں چلتا یہ محافظ ساحر کو عیاری سے مارتے ہیں ساحر کے مرتے ہی اس کا سحر ختم ہوتا ہے عیار شیشہ توڑتے ہیں اور امیر حمزہ کو اسم اعظم یاد آ جاتا ہے۔ اس طرح کے ہو بہو قصے داستان امیر حمزہ کی تمام جلدوں میں موجود ہیں جن میں یکسانیت کے باوجود داستان گو اپنے قلم سے نئی رنگ آمیزی کرتا ہے ہر بار الگ طرح کا سحر ہوتا ہے الگ طرح کی عیاری ہوتی ہے اور قصہ مسلسل آگے بڑھتا رہتا ہے کیونکہ سامعین کو ابھی آگے کیا ہوا سننا ہے چنانچہ ہر بار ساحر تو مرتا ہے حمزہ بچ جاتے ہیں ان کے عیار بچ جاتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ انہیں حیات ابدی ملی ہے لیکن بعد کے دفاتر میں حمزہ مرتے ہیں تو حمزہ ثانی پیدا ہوتے ہیں عمرو مرے

تو عمرو ثانی کہیں کہیں ثالث تک نوبت آئی لیکن طلسم ہوشربا میں اول تا آخر حمزہ کا کردار زندہ رہا کبھی کبھی لگا کہ اب نہیں بچیں گے لیکن عیاروں نے آ کر بچالیا۔حمزہ کے اسم اعظم سے خطرناک ساحر بھی ڈرتے ہیں۔

''اے مسلمانون آج میں حمزہ کا اسم اعظم بند کر کے تم سب کو قتل کرون گا ورنہ آ کر خداوند کو سجدہ کرو سرکشی سے باز آؤ غازیون نے اس تقریر کے جواب میں لعن طعن لقا پر کی لیکن امیر اپنے بیٹون اور سردارون کے قید ہو جانے سے رنجیدہ و دل کبیدہ پھرے۔''

حمزہ کے خاندان میں ان کا بیٹا بدیع الزماں بھی خاصی اہمیت کا حامل ہے اگر چہ وہ ایک باعمل کردار نہیں ہے اس میں جمود ہے کہانی کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے جب وہ شکار کھیلتے ہوئے سرحد طلسم ہوشربا میں داخل ہوتا لیکن وہ زیادہ تر قید رہتا ہے اور طلسم کشائی کے وقت ایک بار سب واپس ملتے ہیں۔اسی کردار سے طلسم میں حسن وعشق اور انداز بیان کے سحر کا آغاز ہوتا ہے۔یہ ملکہ تصویر جادو پر عاشق ہوتے ہیں وہ بھی مائل بہ کرم ہوتی ہے اور اس طرح حسن وعشق طاقت اور عیاروں کی عیاری سے ساحروں کی ایک فوج مطیع اسلام ہوتی ہے۔

خاندان حمزہ کے سب سے اہم کردار اسد غازی ہیں جو طلسم کشا ہیں اور حمزہ کے کہنے پر اپنے ماموں بدیع الزماں کی تلاش کے لیے داخل طلسم ہوتے ہیں۔داستان گو کو قصہ آگے بڑھانا ہے اس میں یہ کردار معاون ہوتا ہے، نبیرۂ حمزہ میں سب سے بہادر ہیں۔زائچہ شناس زمرچہر کے بیٹے زائچے سے دیکھ کر یہ بتاتے ہیں کہ اسد کے ہاتھوں طلسم کشائی لکھی ہے اور کفر کا خاتمہ ہونا ہے چنانچہ وہ انہیں بدیع الزماں کو چھڑانے کے لیے پانچ عیاروں کے ساتھ داخل طلسم ہوتے ہیں اور قید ہوتے ہیں۔عمروعیار کیونکہ حمزہ کے ہم سن ہیں تو یہ انہیں دادا جان کہتے ہیں بار بار مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں اور عمروعیار انہیں عیاری کر کے چھڑا لیتے ہیں انہیں بھی ملکہ مہ جبین سے عشق ہوتا ہے اور یہ مہ جبین کے سحر کی مدد سے قید سے بھاگ جاتے ہیں۔صندل جادو کی موت کی خبر سن کر افراسیاب ان کی اور مہ جبین کی گرفتاری کے لیے مہ جبین کی نانی کو خط لکھتی ہے لیکن وہ کتاب جمشیدی میں طلسم کشا اسد غازی کا ذکر پڑھ کر اور طلسم ہوشربا کا خاتمہ جان ان کی شریک ہوتی ہے۔اس طرح اسد غازی کے باعث ملکہ مہرخ سحر چشم کی سپہ سالاری میں افراسیاب سے جنگ کرنے کے لیے ایک فوج تیار ہوتی ہے اور جلد ہفتم میں اسد کے ہاتھوں طلسم کشائی ہوتی ہے۔

جیسا کہ ابتداً مذکور ہے یہ جنگ طلسم کے باہر تو حمزہ لڑ رہے ہیں لیکن طلسم کے اندر یہ جنگ افراسیاب کے ساحروں اور مہرخ کے ساحروں کے درمیان ہے کیونکہ یہ عام انسان کے بس کی بات نہیں اس لیے نبیرۂ حمزہ کے کرداروں کا ذکر بس ان کی برتری بیان کرنے کے لیے ہے۔ایرج نامہ کے زبردست کردار ایرج بھی بس ملکہ براں کو اسیر عشق کرتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر حجرۂ ہفت بلا تک پہونچنا مشکل تھا۔باقی نورالدہر، قاسم، تورج وغیرہ کا ذکر بھی ضمناً بس برتری کے اظہار کے لیے ہے۔

خاندان حمزہ میں نسوانی کرداروں کا فقدان

لشکر اسلام میں نسوانی کرداروں کا فقدان ہے شاید اس میں تہذیب اسلامی مانع تھی کیونکہ مسلمان خاتون کے کردار میں داستان گو حسن وعشق کی رنگ آمیزی اور جنس کی لذت پرستی کی تصاویر دکھا کر سامعین کو مبہوت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے صرف ایک کردار ہے جو پاکدامنی اور عزت کا مرقع ہے وہ ہیں گردیہ بانو امیر حمزہ کی بیوی اور بدیع الزماں کی ماں جن کی اندھی محبت سے بدیع الزماں کو شکار کی اجازت ملی اور طلسمی مہم کا آغاز ہوا باقی جو بھی شریک لشکر اسلام ہیں وہ ساحرنیاں ہیں جن کے لیے داستان گو مطیع اسلام کی ترکیب استعمال کرتا ہے مسلمہ کی نہیں کیونکہ اگر وہ مسلمان ہو گئیں تو سحر ان پر حرام ہو جائے گا اور سحر کے بغیر افراسیاب کو ہرانا ممکن نہیں چنانچہ اسلامی عادات واطوار کی مالک صرف گردیہ بانو ہی ہیں جو ہر ماں کی طرح اپنے بچے سے اندھی محبت کرتی ہیں اگر چہ یہ محبت اس کے حق میں چنداں سودمند ثابت نہیں ہوتی۔

عیاران لشکر اسلام

طلسم ہوشربا میں جو کردار اسلامی لشکر میں سب سے بااثر ہے وہ ہے عیاران لشکر اسلام کا کردار۔ یہ ایک لاکھ چوراسی ہزار ہیں ان میں بھی عمرو عیار کے کردار کے پیکر تراشنے میں داستان گو نے سب سے زیادہ محنت کی ہے۔ چھوٹا قد ہے، زیرہ جیسی آنکھیں ہیں، پھرتیلے ہیں، بہت اچھا گاتے ہیں، تحفہ جات پیغمبران کے مالک ہیں اور ہر جگہ اتنی چالاکی سے عیاری کرتے ہیں کہ بڑے سے بڑا ساحر بھی دھوکہ کھا جاتا ہے۔ روغن عیاری کی مدد سے کبھی گنوار بنتے ہیں، کبھی ساحر بنتے ہیں، کبھی خادم بنتے ہیں، کبھی رقاصہ بنتے ہیں اور بڑے سے بڑے ساحر کو مار ڈالتے ہیں، کبھی گرفتار ہوتے ہیں تو دوسرے ساحر انہیں چھڑا لیتے ہیں۔ ان کے قتل کے لیے میلہ لگا اور وہ چالاکی سے قید سے چھوٹ کر بے فکری سے میلے کی سیر کرتے، مصیبت سے ذرا بھی نہیں گھبراتے، غضب کے لالچی ہیں، کسی ساحر کو مارنے پر بیروں کے ہزار غل کے باوجود انہیں پکڑے جانے کا خوف نہیں بلکہ مال لوٹنے سے دلچسپی ہے جس کے لیے جال الیاسی کا استعمال کرتے ہیں۔ ساحر کے آنے پر گلیم اوڑھ کر غائب ہو جاتے ہیں یا منڈھی لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ سب سے خطرناک تو ان کی زنبیل ہے جس میں سات ملک آباد ہیں کتنا بھی سامان اس میں بھر لیں ان کی ہوس ختم نہیں ہوتی چونکہ بہت اچھا گاتے ہیں اور ان کے پاس نے بھی ہے تو رقاصہ کا بھیس بدل کر بڑی آسانی سے شراب میں داروئے بیہوشی ملا کر ساحروں کو قتل کر کے ان کے مال واسباب لوٹتے ہیں۔ عمرو کی شخصیت کا تعارف ذیل میں ہے۔

> ''امیر نے عمرو کو بلایا اور بہت کچھ زروجواہر دیکر واسطے خبر گیری شاہزادۂ نامور کے مامور کیا عمرو نے بانہاے عیاری سے اپنے جسم کو آراستہ کیا زنبیل اور جال الیاسی اور گلیم عیاری اور کمند آصفی اور دیو جامہ اور قنطوری پیتا دے منڈ ہی دانیالی وغیرہ کو سنبھالا اور سب تحفہ اور تبرک جو کوہ سراندیپ پر تھے ساتھ لیے راوی کہتا ہے کہ جب لشکر امیر حمزہ ہندوستان کو تسخیر کرنے آیا تھا اُسی زمانے مین

عمرو نے مزار انبیا علیہم السلام کی زیارت کی اور وہان عمرو کو ایک غنودگی آئی عالم خواب مین جمال با کمال چند انبیا کا دیکھا اور عمرو سے اُنھون نے فرمایا کہ ہمارے مزار کے روضہ مین زنبیل وغیرہ اشیائے عیاری رکھے ہین اُنھین کے لیے زنبیل ایک کیسہ ہے کہ علاوہ اس دُنیا کے ایک عالم اُسمین بھی آباد ہے جب تم چاہو گے اُسمین سے ہر چیز مانگو گے نکلے گی اور جو چاہو گے وہ اُسمین رکھلو گے گلیم عیاری ایسی ہے کہ جب تم اُسے اوڑھ لو گے تم سب کو دیکھو گے اور تمھین کوئی نہ دیکھیگا اور جال الیاسی یہ صفت رکھتا ہے کہ اگر کرورون من کے وزن کی چیز ہو مگر جب تم جال پھینکو گے وہ سوا سیر کی ہو کر اُسمین آجائیگی اور جہان کہین منڈھی کھڑی کرو گے اور اُسکے نیچے بیٹھو گے کوئی گرفتار نہ کرسکیگا جو اُس کے اندر آئیگا اُلٹا ہو کر لٹک جائیگا اور کمند آصفی کو پھینک کر جتنا کہو گے گھٹ جائیگی اور بڑھنے کو کہو گے بڑھ جائیگی اور کسی چیز سے وہ نہ کٹے گی نہ ٹوٹے گی اور دیو جامہ جب پہنو گے سات رنگ بدلے گا کبھی سبز ہو جائیگا اور کبھی سُرخ کبھی زرد وغیرہ اس طرح سے جتنی چیزین ہین سب کرامت رکھتی ہین۔''

دوسرے اہم عیاروں میں مہتر قراں ہے جس کے پاس حضرت موسیٰؑ کا دیا ہوا بغدہ ہے جس کے ایک ہی وار سے ساحر کا خاتمہ کرتا ہے وہ عموماً بھیس بدل کر ایک ہی عیاری کرتا ہے کہ دیکھو تمہارے پیچھے کون کھڑا ہے ساحر اس کے بہکاوے میں آکر پیچھے مڑتا ہے اور بغدے کے ایک ہی وار سے ہلاک ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ برق فرنگی ہے جس کے پاس جانوروں کی کھال ہے جس سے وہ ساحروں کو ڈراتا ہے اور عمرو عیار کی نگرانی میں سائے کی طرح بھیس بدل کر رہتا ہے کیونکہ عمرو کو اپنی عیاری میں کسی کا ساتھ پسند نہیں کیونکہ وہ خود ہی بانہائے عیاری سے مزین ہیں لیکن جب بھی عمرو عیار مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں قراں یا برق میں سے کوئی انہیں بچا لیتا ہے ضرغام شیر دل اور جانسوز بھی جو عمرو کے ساتھ داخل طلسم ہوئے تھے اور طلسم میں شکل بدل کر گھومتے رہتے ہیں اور مہرخ کو آنے والے خطرات کی اطلاع دیتے ہیں ان کے علاوہ لشکر حمزہ سے بھی عیاران طلسم میں آتے جاتے رہتے ہیں اور کچھ لشکر لقا میں عیاریاں کرتے ہیں ان میں چالاک بن عمرو ہمک عیار، ابوالفتح عیار، سرہنگ عیار وغیرہ ہیں۔ غور طلب ہے داستان گو ایک لاکھ چوراسی ہزار عیاروں کا ذکر کرتا ہے لیکن چند عیار ہی کی عیاریوں کے نمونے سامنے آتے ہیں جن کے سردار عمرو عیار ہیں۔ عمرو عیار کا کردار صرف لشکر حمزہ میں ہی اہمیت کا حامل نہیں بلکہ پوری داستان طلسم ہوشربا میں جو زندہ جاوید کردار ہے وہ عمرو عیار کا ہے جس کی زنبیل محاورہ بن گئی۔

شریک اسلام ساحر اور ساحرنیاں

عیاروں کے بعد طلسم ہوشربا میں جو کردار داستان گو نے خصوصی توجہ سے تراشے ہیں وہ ان ساحر اور ساحرنیوں کے ہیں جو شریک لشکر اسلام ہوئے ان میں کچھ کو تو عیار اپنی عیاری سے گرفتار کر کے مطیع کرتے ہیں کچھ ساحرنیاں داخل سرحد طلسم ہوشربا ہوئے شہزادوں کے عشق میں گرفتار ہوتی ہیں اور جو طاقتور ساحر ہیں وہ اسد غازی کی

طلسم کشائی کے بارے میں کتاب سامری اوراوراق جمشیدی سے پتا پا کر خود مطیع اسلام ہو جاتے ہیں ورنہ اکیلے اسد اورعیاروں کے ذریعہ طلسم فتح ہونا ناممکن تھا۔

ملکہ تصویر جادواور ملکہ مہ جبین اس لحاظ سے اہم ہیں کہ سب سے پہلے یہی دونوں مطیع لشکر اسلام ہوئیں چونکہ انہوں نے بدیع الزماں اوراسد غازی سے عشق کیا چنانچہ افراسیاب سے دشمنی مول لی لیکن جوسب سے اہم ساحرہ ہے وہ ملکہ مہرخ سحر چشم ہے جو کہ ملکہ مہ جبین کی نانی ہیں اورزبردست ساحرہ ہے اسے طاقت سے زیر کرناممکن نہیں ہے اس لیے افراسیاب نے اس کے لڑکے کوقید کیا۔اس کے علاوہ وہ کتاب جمشیدی سے پتا کر لیتی ہے کہ اسد طلسم کشا ہیں اور طلسم ہوشربا اب خاتمہ پر ہے چنانچہ ملکہ مہرخ سحر چشم کی سپہ سالاری میں ایک فوج ساحران افراسیاب سے جنگ کرنے کے لیے برسرپیکار ہوتی ہے اور مہرخ کے ساتھ بہت سارے ساحران زبردست مطیع لشکر اسلام ہوتے ہیں اس طرح افراسیاب سے باقاعدہ جنگ کی شروعات ہوتی ہے۔مہرخ کے بعد جوزبردست ساحرہ مطیع اسلام ہوئی وہ ملکہ بہار جادو ہے جوملکہ حیرت جادو کی بہن اور افراسیاب کی منظور نظر ہے۔جیسا کہ ابتدأ مذکور ہے ان تمام ساحروں و ساحرنیوں کے سحران کے نام میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔بہار کا جادو یہ ہے کہ وہ دشمن مخالف پر گلدستہ مارتی ہے اسکے پھول کی پتیاں جس پر بھی گرتی ہیں وہ بہار کے عشق کا گرفتار ہوکر عاشقانہ شعر پڑھتا ہے اور بہار کے حکم پر خود کو اپنے ہی خنجر سے ہلاک کرتا ہے۔جب یہ افراسیاب کی جانب سے جنگ کے لیے آتی ہے تو لشکر مہرخ میں خوف کی لہر دوڑ جاتی ہے لاتعداد لشکری مارے جاتے ہیں۔بعد میں عمرومنڈھی لگا کر عیاری کرتے ہیں اور بار۔بار منڈھی میں الٹی لٹک کر کوڑے کھانے کے بعد بہار یہ سوچ کر مطیع اسلام ہو جاتی ہے کہ جب بغیر سحر کے اتنی طاقت ہے تو یہ لوگ ضرور سچے ہی ہونگے۔اسی طرح سرخمو کاکل کشا، مخمور سرخ چشم، خمار جادو وغیرہ بھی زبردست ساحرہ ہیں اور اسلام کی سچائی جان کر شریک لشکر اسلام ہو گئیں نیز ان کرداروں میں ایک بات اور ہے یہ تمام کردار ساحران زبردست ہیں لیکن شاہ طلسم ہوشربا افراسیاب سے خوش نہیں رہتے چنانچہ ذراسی کوشش سے مطیع اسلام ہو جاتے ہیں۔

طلسم ہوشربا سے ملا ہوا طلسم نورافشاں ہے جہاں کا بادشاہ نورافشاں نے کوکب روشنضمیر کو بنایا ہے۔یہ بھی افراسیاب کا ساتھی ہے افراسیاب اس سے دبتا ہے کیونکہ یہاں طلسم ظلمات میں حجرہ ہفت بلا کی بلائیں مکین ہیں جن کے خاتمہ سے ہی طلسم ہوشربا کا خاتمہ ہو جائے گا۔کوکب روشنضمیر کی بیٹی شہزادہ ایرج کوافراسیاب کے خلاف اپنے مسکن میں رہنے کی جگہ دیتی ہے کیونکہ وہ اس پر عاشق ہے۔نتیجتاً افراسیاب اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور وہ مطیع اسلام ہو جاتی ہے۔براں بھی زبردست ساحرہ ہے اور طلسم کشائی کے لیے بہت اہم کردار ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ ہفت بلاؤں تک پہنچا جاسکتا تھا۔افراسیاب سے جب بھی اس کا سامنا ہوتا ہے افراسیاب میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔بعد میں براں کا باپ کوکب روشنضمیر جوکہ بہت طاقتور بادشاہ ہے اور ساحران زبردست اس کے مطیع ہیں، بیٹی کی محبت

اور ضد سے مطیع اسلام ہو جاتا ہے۔ وہ روشن ضمیر ہے تو اسے مستقبل کا بھی علم ہو جاتا ہے کہ اسد غازی طلسم کشائی کریں گے چنانچہ وہ طلسم کشائی میں مدد کرنے والوں میں سب سے اہم کردار ہے اس لیے داستان نویس نے اس کی بہادری اور طاقت کے زبردست پیکر تراشے ہیں۔ طلسم ہوشربا جلد ہفتم میں طلسم کشائی کے مناظر میں طلسم نور افشاں کا مالک نور افشاں اور ساتھی برہمن روئیں تن، بادشاہ کوکب روشن ضمیر تینوں نے بہادری اور طاقت کے زبردست مظاہرے کئے ہیں۔

ایک اور اہم ساحرہ جو بہت جوشیلی ہے اس کا کردار بھی داستان نویس نے بہت خوبصورتی سے تراشا ہے یہ مجلس جادو ہے جو براں ی بھتیجی ہے براں اس سے بہت محبت کرتی ہے۔ یہ محض پانچ برس کی ہے مگر زبردست ساحرہ ہے گڑیوں سے کھیلتی رہتی ہے اور بات بات پر براں کی گود میں چڑھ جاتی ہے اسکے جادو سے بھی بچنا محال ہے۔

افراسیاب جادو اور حیرت جادو

افراسیاب بادشاہ طلسم ہوشربا ہے اس نے یہاں کے بادشاہ لاچین کو دھوکے سے قید کرایا اور طلسم ہوشربا کا مالک بن بیٹھا۔ افراسیاب کا کردار فردوسی کے شاہنامہ سے مستعار ہے افراسیاب جو ایران کے بادشاہ کو مار کر وہاں کا حاکم بنا تھا بے حد ظالم اور دہشت پسند تھا۔ طلسم ہوشربا کا افراسیاب بھی اسی طرح کا ظالم ہے اور بے شمار ساحرانہ طاقت کا مالک ہے لیکن بزدل ہے جبکہ آسانی سے اس کی موت نہیں ہے کیونکہ اس کے بارے میں درج ہے کہ قید ہوا تو ہی مارا جائے گا چنانچہ جب بھی ملکہ مہرخ سحر چشم کی فوج کسی زبردست ساحر کا سامنا ہوتا ہے اور اس کے اندر جنگ میں فتح کی طاقت نہیں رہتی تو یا تو ملکہ حیرت پنجۂ سحر بھیج کر اسے اٹھوا لیتی ہے یا کوئی ساحر خاک جمشیدی پھینک کر تاریکی کرتا ہے اس میں یہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور باغ سیب میں جو کہ اس نے اپنی حفاظت کے لیے بنایا ہے پناہ لیتا ہے۔ ملکہ حیرت اس کی بیوی ہے اور بے پناہ طاقتور ساحرہ ہے۔ بادشاہت افراسیاب کی ہے لیکن حکومت حیرت کی ہی ہے یہ ایک خود مختار اور صاحب اقتدار نسوانی کردار کے شکل میں ابھرتی ہے۔ زبردست ساحرہ ہونے کے باوجود عیاروں کی عیاری سے بچ نہیں پاتی۔ افراسیاب اور حیرت کو مارا نہیں جا سکتا جب بھی عمرو یا کوئی دوسرے عیار انہیں بیہوش کر کے مارنے کی کوشش کرتے ہیں زمین سے پتلیاں پیدا ہو کر منہ پر پانی کی پچکاری مار کر انہیں ہوشیار کر دیتی ہیں۔ جلد ہفتم میں جب طلسم ہوشربا کی طلسم کشائی ہوتی ہے اور حجرۂ ہفت بلا کی بلاؤں کا خاتمہ ہوتا ہے تبھی ان کا بھی خاتمہ ہوتا ہے۔ حیرت سخت پوجا اور قربانی سے اپنی طاقت مسلسل بڑھاتی رہتی ہے۔

خداوند لقا اور شیطان بختیارک

طلسم ہوشربا کی کہانی جس کردار کے باعث شروع ہوتی ہے وہ تمام داستان امیر حمزہ میں مرکزی حیثیت کا حامل ہے لیکن طلسم ہوشربا میں پس پشت پڑ جاتا ہے یہ ملک باختر کا بادشاہ لقا شاہ باختری ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا

ہےاوراس کوزیر کرنے کے لیےحمزہ نے اس کے خلاف جنگ چھیڑ رکھی ہے۔خدا بننے کے باوجود بے پناہ بزدل ہے اورحمزہ اوراس کے عیاروں کےخوف سے بھاگتا پھرتا ہے۔اس کی داڑھی کےایک ایک بال میں موتی پروئی ہوئی ہےانتہائی کریہہ المنظر ہےعمروعیار سے جب بھی سامنا ہوتا ہےعمروعیاری کر کےاس کی داڑھی مونڈ لیتے ہیں۔ یہ ہمیشہ بچ جاتا ہےطلسم ہوشربا میں بھی طلسم ہوشربا فتح ہونے کے بعد یہ بھاگ کھڑا ہوتا ہےاوراگلی طلسمی ریاست میں پناہ لیتا ہے۔

لقا کے ساتھ بختیارک نام کا ایک شیطان بھی ہے۔ یہ کردار غالباً داستان نویس نے داستان امیرحمزہ میں ابتدائی جلدوں سے ہی قصہ میں ظریفانہ رنگ پیدا کرنے کے لیے رکھا ہے یہ بھی بے پناہ ڈرپوک اور بزدل ہے۔ عیاروں کا سامنا ہونے پران کی عیاری کوخاموشی سے دیکھتا ہے، پہچاننے کے باوجودلقا کونہیں بتاتااورعمروکودیکھ کرپیرو مرشدکہہ کرسجدہ ریز ہوتا ہےاس کا حلیہ بھی خداوندلقاہی کی طرح کریہہ المنظر ہے۔

عیار بچیاں

جیسا کہ ابتدأً مذکور ہے کہ یہ داستان مخاطرے،تجسس اورحسن وعشق کی داستان ہے چنانچہ عیاروں میں حسن و عشق کی رنگ آمیزی بھرنے کے لیےاسلامی لشکر کے پانچ عیاروں کے مقابل افراسیاب کےلشکر میں پانچ عیار بچیاں بھی تخلیق کی ہیں۔ یہ صرصر شمشیرزن،صبارفتار،شمیمہ نقب زن،تیز نگاہ خنجرزن،غزالہ کمنداندازہیں۔حیرت کی بات یہ ہے کہ جہاں ساحرنیوں کے کردارتراشنے میں داستان گونے حسن تخلیق کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں ساحروں سے کہیں بڑھ کرطاقتور بنایا ہے وہیں عیار بچیاں عیاروں کے مقابل بہت کمزور ہیں۔ یہ محض عیاروں کو ہروقت پہچان کر پکڑواتی ہیں یاعیاری کر کےافراسیاب کی فوج کےساحرکوپشتارہ بنا کرلے جاتی ہیں۔ ہروقت مہرخ کےلشکر کےآس پاس رہ کرعیاری کرتی ہیں اورجاسوسی کرتی ہیں۔

طلسم کے دیگر ساحران

افراسیاب کے دیگرساحران بھی بہت طاقتور ہیں جن میں خداوندداؤد، ملکہ لالہ خونیں قبا،صندل جادو،مصور جادواورسات بجلیاں جن میں ایک برق بلاافگن بھی ہےاور برق محشراور برق لامع شریک اسلام ہوئیں لیکن جوبھی ساحریاساحرہ شریک اسلام ہوتا ہےوہ ہی باقی رہتا ہےتواس کا ذکر پوری داستان میں ملتا ہے۔جومطیع اسلام ہوئے ان کےعلاوہ جتنے بھی ساحر ہیں سب مارے گئے اس لیےکسی نے اپنا مضبوط نقش نہیں چھوڑا جبکہ لشکرمہرخ کےکردارلافانی ہیں۔افراسیاب کی جانب سےمحض افراسیاب، حیرت،لقااورہفت بلائیں ہی اپنانقش چھوڑ پاتے ہیں۔

طلسم میں جوسب سےخطرناک کردار ہیں وہ حجرۂ ہفت بلا کی سات بلائیں ہیں۔ یہ سبھی بےحدخطرناک ہیں کوئی انسانوں کا خون پیتی ہے،کوئی بھیجا کھاتی ہے،کسی کوافراسیاب اپنی محبوب کا چڑھاوادیتا ہےان کو مارنا بہت مشکل

ہے کیونکہ یہ دوبارہ زندہ ہو جاتی ہیں۔ان کے نام مشعل جادو، ملکہ تاریک شکل کش ،اختقاق جادو، شہنا نواز جادو، ملک اخضر گوہر پوش ،مبہوت فیلز ور، ہفت سر جادو ہیں۔

باب پنجم۔طلسم ہوشربا کا سماجی مطالعہ

طلسم ہوشربا کی تخلیق لکھنؤ کی رنگین فضا میں ہوئی یہ وہ وقت تھا کہ برطانیہ حکومت کا سورج اپنی پوری تابنا کی پر تھا شاہان اودھ کا زوال ہو چکا تھا فرنگیوں نے اپنی سحر انگیزیوں سے پہلے اقتدار اپنے ہاتھ میں لیا پھر آخری تاجدار اودھ کو معزول کر کے کلکتہ بھیج دیا ریاست تو ختم ہوگئی طلسم ہوشربا کی اشاعت کا سلسلہ ۱۸۸۱ء سے شروع ہوا۔ یہ داستان امیر حمزہ کا پانچواں دفتر ہے اس کی تحریر کافی پہلے شروع ہو چکی تھی۔انگریزوں نے سیاست چھین لی تھی۔ یہ کام شاہان اودھ کو عیش پرستی میں غرق کر کے کیا گیا تھا چنانچہ بادشاہ تو چلے گئے اور باقی رہ گئی لکھنؤ کی مخصوص تہذیب۔

طلسم ہوشربا کے سماج پر لکھنؤ کے تہذیبی اثرات

داستان گوئی اور داستان نویسی بھی اسی لکھنوی تہذیب کا حصہ تھے۔ظاہر ہے طلسم ہوشربا میں اس سماج کے تہذیبی مرقع جا بجا نظر آتے ہیں جو لکھنؤ ہی نہیں تمام شمالی ہند کے دلوں کی دھڑکن تھے چنانچہ طلسم ہوشربا کے اوراق سے گزرتے وقت ہمیں اکثر مقامات پر ایسے مرقع بھی نظر آتے ہیں جن کی جھلک ہمیں تاریخ کی کتابوں 'گذشتہ لکھنؤ'، 'لکھنؤ کی تہذیبی میراث'، 'The Journey through the kingdom of Oudh'، 'Palace Culture of Lucknow'، جیسی تاریخی کتابوں میں نظر آتے ہیں۔

مذہبی رسوم اور توہم پرستی

یہاں کے سماج میں ہر روز جشن ہوتے ہیں، آتش بازیاں چلتی ہیں، عیش وعشرت کا ماحول گرم ہوتا ہے لیکن اعمال میں مذہب شامل ہو یا نہ ہو کام کی شروعات سے پہلے پنڈت اور پجاری کا ہونا ضروری ہوتا ہے بہت سے مذہبی رسومات تہوار کی طرح منائے جاتے ہیں، ہر بات کے لئے شگون دیکھے جاتے ہیں۔ بقول آشیر وادی لال:

''اونچے نیچے ہندو مسلم سبھی شگونوں میں اور جیوتش و نجوم میں عقیدہ رکھتے ہیں۔''

چنانچہ طلسم ہوشربا میں بھی بغیر شبھ گھڑی اور شگون دیکھے کوئی کام نہیں ہوتا یہاں تک کہ جب بدیع الزماں کو تلاش کرنے کے لیے کسی کو بھیجنا تھا تو خواجہ زمر چہر کے بیٹے کو بلا کر پہلے زائچے نکلوائے گئے اور اسی کے مطابق اسد غازی اور پانچ عیاروں کو داخل طلسم کیا گیا۔ یہاں کی تہذیب پر مذہبی رسوم اور توہم پرستی حاوی ہے یہاں تک کہ سخت سے سخت ساحر بھی پجاری اور پنڈت سے ڈرتا ہے اسی کا فائدہ عیار اٹھاتے ہیں اور طلسم میں داخل ہوتے ہیں۔ پجاری کا بھیس بدل کر خصوصی رعایت حاصل کرتے ہیں۔نوابین اودھ کے یہاں بھی مذہبی رسوم کا رنگ حاوی ہے اپنی عیاشانہ زندگی کے باوجود وہ مذہبی رسوم کو بھی عقیدت مندی سے مناتے ہیں۔محرّم آنے پر سبھی عیش وعشرت کی محفلیں

موقوف ہو جاتی ہیں، زیارت گاہوں پر بھی بھیڑ بڑھ جاتی ہے لشکر حمزہ میں بھی اسلامی ماحول ہے چنانچہ یہاں بھی مذہب کے جو رنگ دکھتے ہیں وہ اہل تشنیع کے ہیں کیونکہ نوابین اودھ کا تعلق شیعہ فرقے سے تھا۔ طلسم ہوشربا جلد چہارم میں امیر حمزہ کے مذہبی رنگ کی چند سطریں پیش ہیں:

''امیر نے آ کر انگشت شہادت سے یا علی گردن مرکب پر لکھکر خانۂ زین کومثل آفتاب کے منور اور روشن فرمایا۔''

طلسم ہوشربا کے مرقع اودھ سے اس قدر رنز دیکی ہیں کہ اکثر مقامات پر نوابین اودھ کا ذکر آیا ہے یا اس دور کے مشہور شعرا کے اشعار پیش کئے گئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں اس وقت کے لکھنؤ کے مشہور جوگی جے پال کا بھی ذکر ہے جسے اجمیر کے راجہ نے خواجہ معین الدین چشتی کے مقابلے پر بھیجا تھا اور خواجہ نے اپنی روحانی قوت وکمال سے اس کا وار اسی پر الٹ دیا تھا تب سے جوگی جے پال کا نام خواجہ کے عقیدت مندوں میں مشہور ہے۔

طرز معاشرت

طلسم ہوشربا کی طرز معاشرت میں بھی لکھنؤ کے تہذیبی عناصر کی نشاندہی ہوتی ہے خصوصاً یہاں کے خورد و نوش میں انواع واقسام کے کھانے پینے کے سامان نیز ان کو پیش کرنے کا حسن سلیقہ خاص لکھنؤ کے تہذیبی انداز کا ہے۔ یہاں کے پلاؤ، بریانی، زردہ، قورمہ، مرغ مسلم وغیرہ دسترخوان پر سجے رہتے ہیں۔ طلسم ہوشربا میں دسترخوان بچھا کر خشکہ، پلاؤ، قورمہ لگانے کا ذکر ہے اور گذشتہ لکھنؤ میں شرر لکھنوی دسترخوان کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''دسترخوان پر صدہا ایوانِ نعمت اور قسم قسم کے کھانے چنے ہوئے تھے، پلاؤ تھا، زردہ تھا، بریانی تھی، قورمہ تھا، کباب تھے، ترکاریاں تھیں، چٹنیاں تھیں، اچار تھے، روٹیاں تھیں، پراٹھے تھے، شیر مالیں تھیں غرض یہ کہ ہمہ نعمت موجود تھی۔۔۔۔''

طلسم ہوشربا میں بھی باورچی خانے میں زعفران، الائچی، مشک وغیرہ ہیں پلاؤ کی دیغیں ہیں، کھیر گھٹ رہی ہے تو یہ منظر ہمیں لکھنؤ کے شاہی دسترخوان پر لے جاتا ہے۔ یہاب بتوں کو موہن بھوگ لگانا ہوتو وہ بھی بہت اہتمام سے تیار کرایا جاتا ہے۔ ساحر کو مطیع کرنے کے لیے بھی موہن بھوگ کھلایا جارہا ہے۔

''جو کوئی موہن بھوگ اسکو کھلائے گا اطاعت اسی کی کرے گا۔''

تاریخ اودھ میں بھی ذکر ہے کہ بادشاہ اولاد کی تمنا میں فقرا کو کھلاتا ہے اس میں ہندو کے لیے موہن بھوگ کا اہتمام ہے۔ طلسم کے سماج میں تہذیب سے مانگنے والے فقیر بھی ہیں اور مہذب طوائفیں بھی جو تکلف سے سج دھج کے عزت داروں کی محفل میں رقص وسرود کی محفلیں آراستہ کروانے کے لیے جاتی ہیں، ساز وسارنگی بجانے والے بھی ہیں۔ عمرو عیار بہت اچھی نے بجاتے ہیں اور ان کا گلا بھی بہت اچھا ہے تو وہ اکثر عیاری کرنے کے لیے کسی رقاصہ کی حلیہ میں محفل میں پہونچتے ہیں اور شراب میں بیہوشی ملا کر سب کو بیہوش کر کے ساحر کا خاتمہ کرتے ہیں۔ طلسم ہوشربا جلد

اول میں ایک مقام پر طلسم میں کاغذ کا روپیہ چلنے کا ذکر بھی ہے اور یہ روپیہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا انگریزوں کی حکومت میں تھا ایک طرف قیمت ہے اور دوسری جانب بادشاہ کی تصویر۔

لکھنؤ کے امراء و نواب بے حد شوقین مزاج تھے۔ شکار، شطرنج، مرغ بازی، بٹیر بازی، پتنگ بازی، کبوتر بازی وغیرہ سبھی مشغلے ان کی تفریح طبع کا ذریعہ تھے۔ رقص و سرود، شراب و شباب کے علاوہ یہ تمام شوق بھی طلسم ہوشربا کی تہذیب کا حصہ نظر آتے ہیں جن کے حوالے اس باب میں مختلف کتب ہائے تواریخ سے لے کر ان کی مماثلت طلسم ہوشربا کے سماج سے کی گئی ہے۔ طلسم ہوشربا کے قصہ کی شروعات ہی شکار سے ہوتی ہے ہر شہزادہ کبھی نہ کبھی شکار کی تلاش میں نکلتا ہے اور جنگل میں ہی اس کی بوٹیاں کروا کے پکواتا ہے۔ ایسی مثالیں بدیع الزماں کے علاوہ شہزادہ ایرج، شہزادہ نورالدہر اور غضنفر وغیرہ کی جلد اول و چہارم اور پنجم میں موجود ہیں۔

زبان، محاورے اور پھبتیاں

طلسم ہوشربا کے سماج کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہاں خواتین کرداروں کو بہت برتری حاصل ہے۔ یہاں عورتیں کمزور دبی سسکتی نہیں ہیں بلکہ نہایت طاقتور اور باوقار ہیں۔ افراسیاب کی ساری طاقت ملکہ حیرت کی عقل و دانش سے ہے اور اسد غازی کی فوج کی ملکہ مہرخ، ملکہ بہار، ملکہ براں وغیرہ ہیں۔ کوکب روشنضمیر اور برہمن روئین تن تو بہت بعد میں شریک معرکہ ہوئے۔ جنگ کی سپہ سالاری لشکر اسلام میں ملکہ مہرخ سحر چشم کے ذمہ ہے تو لشکر افراسیاب میں ملکہ حیرت جادو کے ذمہ۔ یہ ہمیں رانی لکشمی بائی اور بیگم حضرت محل کی یاد دلاتی ہیں لیکن اس طاقت اور بہادری کے باوجود اس کا حسن و عشق اور بناؤ سنگھار کا فطری جذبہ بھی برقرار ہے بلکہ وہ اپنے حسن کو بھی سحر کے لئے استعمال کرتی ہے۔ چونکہ عورتوں کے کردار کی بہتات ہے تو اس سماج میں ریختی کا خوب استعمال ہے جو کہ خالص لکھنؤ کی ایجاد ہے طلسم ہوشربا کے بیانات میں جہاں بھی موقع ملتا ہے داستان گو خواہ جاہ ہوں خواہ قمر لکھنؤ کی بامحاورہ اور مسجع مرصع زبان کا استعمال کر کے اپنے مخصوص انداز میں خوبصورت منظر کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتے ہیں۔ یہاں لکھنؤ میں بولے جانے والے محاورے کے علاوہ جملہ بازی اور پھبتیوں کا بھی استعمال خوب ہے یہ بھی لکھنؤ کا ہی خاصہ ہے۔ اس کے علاوہ شعر و شاعری کی بھی بھر مار ہے۔ مثنوی کی لذت آمیز انداز میں ہر موقع پر اشعار موجود ہے۔

عام طبقات کی عکاسی

طلسم ہوشربا کے نظام سماج میں لکھنؤ کے عام طبقات کی بھی عکاسی ہے۔ اندرون محل کے ذکر میں شادیوں میں گانے والی میراثنیں، ڈفالی، ڈومنیاں وغیرہ کے ساتھ بھٹیارن، جمعدارن، خانسامہ روزمرہ کے سامانوں کے تاجر، حکیم وغیرہ بھی ہیں۔ گاؤں کے مناظر بھی کہیں کہیں جھلک دکھاتے ہیں جہاں زمیندار بھی ہیں اور گنوار بھی۔ ان کے لباس بھی اچکن، انگرکھا، لہنگا وغیرہ ہیں جو اس وقت کے لکھنؤ میں رائج تھے۔

عیش وعشرت اور جشن کا ماحول

طلسم ہوشربا کا نظام حکومت بھی لکھنوی طرز کا ہے جہاں بقول نجم الغنی جنگ کے لیے پلٹنیں تیار کی جاتی ہیں انگریزوں کے طرز کا نظام قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔طلسم کے سماج میں بھی تین لاکھ افسر ہیں اور ان کی پانچ ہزار تنخواہ بھی ہے۔لکھنؤ کے عیش محل کے طرز کے ہی ساحروں کے محل بھی ہیں اور اس طرز کا عیش پرستی کا ماحول اور جنسی بے راہ روی ہے جیسی شاہان اودھ کے زمانے میں تھی۔

'تاریخ اودھ' اور 'گذشتہ لکھنؤ' میں لکھنؤ میں لگنے والے متعدد میلوں کا ذکر بھی تفصیل سے ہے۔قیصر باغ کے میلے'میلۂ سلطانی'،عید کے بعدٹر کے میلے، آٹھوں کے میلے کی تفصیل اور سجاوٹ سے لکھنؤ کی تہذیبی تاریخ کے اوراق مرصع ہیں۔ یہاں پورے ہندوستان سے تاجر آ کر اپنی دوکانیں آراستہ کرتے تھے اور کھانے پینے سے لے کر ضرورت کا ہر سامان یہاں موجود ہوتا تھا۔رقص وسرود کی محفلیں بھی آراستہ ہوتی تھیں۔اس طرح کے متعدد میلے طلسم ہوشربا میں بھی ہیں جن میں گنبد نور کا میلہ، چاہ زمرد کا میلہ عمروعیار کے قتل کے جشن کے لئے لگا میلہ وغیرہ خاص ہیں۔ یہاں بھی لکھنؤ کی طرح کھانے پینے سے لے کر ضرورتوں اور تفریح کے سبھی سامان مہیا ہیں۔ان کی منظر کشی طلسم ہوشربا میں بہت خوبصورت انداز میں کی گئی ہے۔ان میلوں میں لکھنؤ کے ثقافتی میلوں کی جھلک صاف نظر آتی ہے جو آج بھی لکھنؤ فیسٹول کی شکل میں موجود ہیں۔میلوں ہی کی طرح یہاں کے جشن اور محفلیں بھی لکھنوی فضا سے مماثلت رکھتے ہیں۔ طلسم ہوشربا کی عشقیہ داستانیں کہیں اور سے نہیں لکھنؤ سے ہی مستعار ہیں اور طلسم ہوشربا کو پڑھنے سے ایسا لگتا ہے کہ یہ ساحر ساحران فرنگی ہیں جو بے حد طاقتور ہیں اور انگریزوں کو طاقت سے زیر کیا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اسم اعظم اور عیاری سے خیالی دنیا ہی میں صحیح انگریزوں کو شکست دے لیتے ہیں۔

باب ششم۔طلسم ہوشربا کی ادبی اہمیت

نثری ادب کی ترویج میں طلسم ہوشربا کی اہمیت

باب ششم 'طلسم ہوشربا کی ادبی اہمیت' میں طلسم ہوشربا کی ادبی مقبولیت اور خصوصیات کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔دفتر پنجم ہونے کے باوجود داستان امیر حمزہ کے طویل سلسلہ میں سب سے پہلے شائع ہونے والی داستان طلسم ہوشربا ہے۔اگر چہ یہ داستان امیر حمزہ کا دفتر پنجم ہے ظاہر ہے اس وقت تک اول چار دفاتر تحریر ہو چکے تھے لیکن طلسم ہوشربا کی مقبولیت محمد حسین جاہ اور احمد حسین قمر کا خوبصورت انداز بیان تھا جس کے باعث سب سے پہلے طلسم ہوشربا چھپی لیکن طبع ہو جانے کے بعد اس کی مقبولیت میں اور اضافہ ہوا کیونکہ اس کی رسائی اب پہلے سے بڑے حلقے میں ہوگئی۔

اردو ادب میں بااقتدار عورتوں کی عکاسی

دوسری اہم بات طلسم ہوشربا میں اس کے کرداروں کی پیکر تراشی ہے۔ حمزہ تو پہلے ہی تاریخ سے لیے گئے کردار تھے۔ افراسیاب جو کہ ایران کا ظالم بادشاہ تھا وہ بھی ظالم کی علامت اور طلسم ہوشربا کا افراسیاب بھی ظالم اور غاصب تھا چنانچہ کرداروں میں ایک خاص بات نسوانی کرداروں کا مرد کرداروں کے مقابل زیادہ بااقتدار اور طاقتور ہونا بھی تھا۔ اس وقت تک کا قاری وسامع غزلوں اور مثنویوں میں عورت کو محبوب کی شکل میں ناز و ادائیں دکھانے والے کے طور پر جانتا تھا یہاں تک کہ بعد کے ناولوں میں بھی عورت دبی، کچلی، روتی، سسکتی ہی نظر آتی ہے لیکن طلسم ہوشربا میں یہ خودمختار اور صاحب اقتدار ہی نہیں مرد کرداروں سے برتر نظر آتی ہے اور رانی لکشمی بائی اور حضرت محل کی یاد دلاتی ہے یہ وہ خودمختار عورت ہے جیسی خودمختاری کی آواز بیسویں صدی میں اٹھائی گئی۔

طلسم ہوشربا کی مقبولیت: زبان اور انداز بیان

طلسم ہوشربا کی مقبولیت میں اس کی خوبصورت زبان اور انداز بیان کا خاص حصہ ہے۔ اس میں پیش کردہ تہذیب جو کہ لکھنوی تہذیب کی آئینہ دار ہے وہ بہت پرکشش ہے اور داستان گو نے اس کے الفاظ کے سحر سے مصوری کی ہے جس میں قاری گم ہو کر حقیقی دنیا کو فراموش کر دیتا ہے۔

دیگر اصناف ادب پر داستانوی اثرات

اس باب میں داستان کے دیگر اصناف ادب پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ افسانوی اور شعری ادب سے لیتے ہوئے بیسویں اور یہاں تک کہ اکیسویں صدی کے ادب سے حوالے پیش کئے ہیں جن میں کہیں داستانوی استعارے لیے گئے ہیں اور کہیں علامتیں غرضکہ غزل، افسانے، ناول سب پر اردو کے داستانوی ادب کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ بیسویں صدی کا شاعر فراقؔ جب کہتا ہے:

یہ نظر نظر کی فسوں گری یہ سکوت کی بھی سخنوری

تری آنکھ جادوئے سامری ترے لب فسانۂ نل و دمن

تو داستانوی پیکر تراشی نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔ غرضکہ یہ بات بلاتردد کہی جا سکتی ہے کہ طلسم ہوشربا صرف داستانوں میں ہی مقبول ترین نہیں بلکہ اردو ادب کی مقبول ترین تصنیف ہے جس کی اشاعتوں کی تعداد گیارہویں اور بارہویں تک پہونچی ہے۔

☆☆☆